مؤلف

حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی اکبر قرشی

ترجمہ

عالمہ فاضلہ سیدہ خانم سبزواری

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

قیام امام حسینؑ

اسباب و نتائج

ـــــ مؤلف ـــــ

حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی اکبر قرشی

ـــــ ترجمہ ـــــ

عالمۂ فاضلہ سیدہ خانم سبزواری

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲-بے-۴/۵ ــــ ناظم آباد ــــ نمبر ۲ ــــ کراچی

نام کتاب ------------------- قیام امام حسینؑ ۔ اسباب و نتائج
مؤلف ------------ مفسر و مورخ حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی اکبر قرشی
ترجمہ ------------------- عالمۂ فاضلہ سیدہ خانم سبزواری
تصحیح و تزئین ------------------- سید رسالت حسین کوثر
کمپوزنگ ------------------- سید محمد صادق شرف الدین
ناشر ------------------------------ دار الثقافۃ الاسلامیۃ
طبع اول ----------------- ربیع الاول سنہ ۱۴۲۱ھ سنہ ۲۰۰۰ء

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

تمہید

گلوئے حسینؑ ابن علیؑ سے بلند ہونے والی صدائے حق عرصہ دس سال سے مملکت اسلامی میں گونج رہی تھی، کبھی بلند آواز میں، کبھی دبی ہوئی۔ بالآخر ۱۰ر محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری بوقت عصر، صحرائے کربلا کے مقتل میں سر مقدس حسینؑ بن علیؑ تن سے جدا ہو گیا۔ بظاہر اسی کے ساتھ یہ صدا بھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی یا یوں کہیں کہ صدا بصحرا ہو گئی۔

کثیر آیات و روایات میں یہ ارشاد موجود ہے کہ صدائے حق کبھی ختم نہیں ہوتی، خدا کا روشن کردہ چراغ کبھی بجھتا نہیں۔ حق تو ہمیشہ باقی رہنے کیلئے ہی وجود میں آیا ہے۔ حق کا مقدر دوام وبقا ہے۔ زوال و فنا باطل کا مقدر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صورت حال بظاہر اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ حق کو ہمیشہ دبایا گیا، باطل ہمیشہ دندناتا اور غالب نظر آتا رہا۔ عامۃ الناس کسی بھی مسئلے میں فیصلہ اپنے مشاہدے کی بنیاد پر ہی کرتے ہیں، جو نظروں سے اوجھل ہوتا ہے انکا فیصلہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حق و حقیقت، عقل اور وحی کے ذریعہ عیاں نہ ہو، عقل و وحی کا فیصلہ نظروں سے اوجھل ہو، پس پردہ ہو، تو ایسی صورت میں اس کی تفسیر و توضیح کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ شہادت حسینؑ کے بعد

صدائے حق کے زندہ و تابندہ رہنے کی منطق یا دعویٰ محتاج تفسیر و بیان رہا ہے۔
ہم کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حسینؑ کی صدائے حق ابھی دبی نہیں، زندہ ہے باوجود اس کے کہ حسینؑ اور ان کے تمام انصار و اعوان شہید کر دیئے گئے، ان کے سر تن سے جدا کر کے فاتح لشکر کے قائدین کے لئے بطور تحفہ بھیجے گئے، ان کے گھر ویران کر دیئے گئے اور ان کے اہل و عیال اسیر ہو گئے۔ تاہم اس دعویٰ کی تفسیر و توضیح پیش کرنے سے پہلے ایک دو مقدمہ پیش کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ تمام ارباب سیر و تاریخ، کتب مقاتل اور تاریخ واقعۂ کربلا کے مفسرین لکھتے ہیں کہ دختر علی ابن ابی طالبؑ، جناب زینب سلام اللہ علیہا شریکۃ الحسینؑ ہیں۔ علیؑ کی دوسری بیٹیوں کے ہوتے ہوئے صرف جناب زینبؑ ہی کو شریکۃ الحسینؑ ہونے کا افتخار کیوں ملا، یہ بات بذات خود محتاج تفسیر ہے۔ زینبؑ شریکۃ الحسینؑ کیسے ہیں؟ وہ کونسی چیز ہے جس میں زینبؑ حسینؑ کی شریک تھیں؟ آیا زینبؑ سفر حسینؑ میں شریک ہونے کے حوالے سے شریکۃ الحسینؑ کہلائیں۔ اگر ایسا ہے تو اور بھی مستورات، زوجات اور بیٹیاں حسینؑ کی ہم سفر تھیں۔ معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ کچھ اور ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب زینبؑ کے شریکۃ الحسینؑ ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ دونوں بہن بھائی اولادِ زہراؑ و علیؑ تھے۔ لیکن اس صفت میں تو جناب ام کلثومؑ بھی حضرت زینبؑ کے برابر تھیں۔ تو پھر کیا ایسا اس لئے ہے کہ حسینؑ پر گزرنے والے مصائب و آلام میں جناب زینبؑ امام حسینؑ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں؟ اس سلسلے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری تمام خواتین اُساریٰ حسینؑ کے ہم و غم میں برابر کی شریک تھیں۔

لہٰذا اس شرف و افتخار میں تنہا جناب زینبؑ کا مستحق ہونا اس بات کی طرف

اشارہ کرتا ہے کہ کوئی مخصوص وصف جناب زینبؑ میں موجود تھا۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مخصوص وصف کیا تھا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تمام انصار حسینی اور جوانان بنو ہاشم اس رزم شہادت میں 'اس داغ جدائی میں' اس دردِ سنان ولسان میں' حسینؑ کے ساتھ برابر کے شریک تھے ؟ لیکن ان میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ حسینؑ صدائے حق بلند کرنے والے ہیں جبکہ دوسرے حسینؑ کی آواز پر لبیک کہنے والے۔ اُساریٰ اہلبیتؑ میں یہی افتخار جناب زینبؑ کو حاصل ہے جو دیگر شہداء میں امام حسینؑ کو حاصل تھا۔

۲۔ مرحوم ڈاکٹر علی شریعتی سے منسوب ایک مقولہ ہے جسے بہت سے مؤلفین' مقالہ نگار اور مقررین اپنے تحریروبیان میں بطور سند یا بطور عنوان پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ مقولہ یہ ہے : "جو گزر گئے انہوں نے کار حسینیؑ انجام دیا' جو رہ گئے انہیں کار زینبیؑ انجام دینا چاہیئے"۔ یعنی جنہوں نے آواز حق بلند کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کیا وہ اس ساحل مراد تک پہنچنے سے پہلے گزر گئے۔ لہٰذا اس صدائے حق پر ایمان رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اس آواز کو وہیں سے اٹھائیں جہاں سے دبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ زہراؑ کی بیٹی حضرت زینب کبریٰؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب سر مقدس حسینؑ تن سے جدا ہو گیا اور یہ صدائے حق حلقوم حسینیؑ سے نکلنا بند ہو گئی' تو اس صدا کو جناب زینبؑ نے اسی مقتل سے اٹھایا۔ لہٰذا اس دن سے 'بقول ڈاکٹر شریعتی' یہ اصول طے پا گیا کہ صدائے حق بلند کرنا کار حسینیؑ ہے اور جب اس آواز کو دبا دیا جائے تو وہیں سے فریاد بلند کرنا کار زینبیؑ ہے۔

ہم نے بھی دیگر مصنفین' مؤلفین اور مقررین کی طرح اس جملے سے استفادہ

کرنے کی خاطر اس پر غور کرنا شروع کیا۔ انتہائی غور و خوض کے بعد اس مقولے کی روشنی میں قیام امام حسینؑ سے متعلق کچھ زوایے ہمارے سامنے آئے :

۱۔ ان کا کہنا ہے کہ قیام مقدس امام حسینؑ کے ذریعہ سنہ ٦١ ہجری کو کربلا کے صحرا میں جو صدائے حق بلند ہوئی تھی، بعد شہادت حسینؑ یہ آواز منقطع ہو گئی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آواز حسینیؑ زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہے۔ کیونکہ حسینؑ نہ اپنے دور کے انسانوں کے حقوق کی پاسداری کیلئے نکلے تھے، نہ جزیرۃ العرب اور حجاز و عراق کیلئے نکلے تھے۔ آواز حسینیؑ کسی خاص قوم و قبیلہ یا زمان و مکان سے مختص نہیں تھی۔ لہٰذا روایات میں یہ فقرہ آیا ہے "کل یوم عاشورا ، کل ارض کربلا" (ہر دن عاشورا ہے، ہر جگہ کربلا ہے)۔

جب ہر دن عاشورا اور ہر جگہ کربلا ہے تو ہر انسان کو چاہئے کہ جہاں کہیں بھی ہو، جس زمانے میں بھی ہو، حسینؑ کی طرح آواز حق بلند کرے، صدائے حق بلند کرنے میں کردارِ حسینیؑ کی تاسّی کرے۔ جب امام حسینؑ نے آواز حق بلند کی تو ہر طرف سے اور ہر شخص نے آپ کو روکنا چاہا۔ دشمن تو دشمن دوستوں نے مصلحت کی منطق کو استعمال کر کے اس آواز حسینیؑ کو خود اپنے گھر میں، اپنے محلے میں دبانا چاہا۔ اس طرح گویا سب نے امام حسینؑ کو مایوس کیا۔ لیکن ان تمام کوششوں کو خواہ وہ دشمنوں کی طرف سے ہوں یا دوستوں کی طرف سے امام حسینؑ نے رد کر دیا۔

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ امام حسینؑ نے جب آواز حق بلند کی تو کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا ہو۔ محدود تعداد میں سہی لیکن ایسے حق آگاہ سر فروش بھی تھے جنہوں نے اس آواز حق پر لبیک کہا اور آخر وقت تک آپؑ کا ساتھ دیا۔ ان میں سے بعض نے حسینؑ کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ جو باقی رہ گئے

تھے انہوں نے وہیں سے آواز حق کو اٹھایا' اس آواز کو دبنے نہیں دیا۔ نہ صرف یہ کہ دبنے نہیں دیا بلکہ اس کی غلط تفسیر و توجیہہ کرنے والوں کے مذموم عزائم کو بھی ناکام بنایا۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے یہ آواز حق جناب زینب صلوۃ اللہ علیہا نے اسی قتل گاہ سے اٹھائی۔ حضرت زینب (س) نے نہ صرف یہ کہ اس صدائے حق کی پاسداری کی بلکہ غلط تفسیر و توجیہہ اور تحریفات سے بھی اس کو بچایا۔ اس کے بعد دوسرے آئمہ اطہارؑ' یکے بعد دیگرے' اس کار زینبی (س) کو انجام دیتے رہے۔

اس وقت جو عزادار ہیں چاہے وہ مرثیہ پڑھنے والے ہوں' مقرر ہوں یا نوحہ خواں' مؤلف ہوں' خطیب ہوں یا شاعر سب کو چاہئے کہ کار زینبی انجام دیں۔ جو گزر گئے' سو گزر گئے جو زندہ ہیں انہیں اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

ہر وہ شخص جو کار حسینیؑ کو عبید اللہ بن زیاد' یزید ابن معاویہ اور عمر بن سعد جیسے دشمنوں کی طرح طعنے کے ذریعے یا دوستی کے بہانے تحریف کرنے' اس کا رُخ موڑنے اور مسخ کرنے جیسی کوششوں میں لگا ہوا ہے اس کے خلاف کارِ زینبی ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جناب زینبؑ کی طرح تمام رسومات اور اقوال نگاروں پر نظر رکھی جائے تاکہ اگر کوئی یزید و عبید اللہ بن زیاد کی مانند کبھی طنزاً' کبھی شفقت کے ساتھ یا کبھی پشیمانی کی صورت میں اس مقصد کو دبانا چاہے تو اس کے خلاف استقامت دکھائیں۔

قیام مقدس امام حسینؑ میں جناب زینبؑ کا کردار دو زاویوں سے نہایت واضح وروشن ہے:

۱۔ قیام امام حسینؑ کی من و عن پاسداری کرنا یعنی اس واقعے کو مسخ کرنے یا اس کی تحریف کرنے کے لئے کسی قسم کی کمی بیشی کی کوشش کو ناکام بنانا بھی ایک طرح کار زینبی ہے۔

۲۔ اس قیام مقدس کے اصل واقعہ کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کی غلط تفسیر کرنا اصل واقعہ سے انکار کے مترادف ہے ۔ لہٰذا ایسے موقع پر ڈٹ جانا اور استقامت کے ساتھ غلط تفسیر کو ٹھکرانا بھی کار زینبی ہے۔

ایک مسیحی زمانے سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے "اے زمانہ! تیرا کیا بگڑ تا اگر ہر دور میں تو ہمیں ایک علیؑ دیتا"۔ ہم بھی اس باشعور انسان کی مانند دنیا سے فریاد کرتے ہیں کہ اے دنیا! تیرا کیا بگڑ تا اگر تو ہمیں ہر دور میں ایک زینبؑ عطا کرتی۔ وہ زینبؑ جو قیام مقدس امام حسینؑ کے اصل واقعہ کو بھی حذف نہ ہونے دیتی، اضافہ کرنے سے بھی بچاتی اور اسکی غلط تفسیر کا بھی جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتی۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا تو اب اس دار فانی میں رہی نہیں اور کار زینبی انجام دینے والے افراد کا بھی فقدان ہے جس کی وجہ سے قیام امام حسینؑ کے بیان میں دو چیزوں نے رواج پایا ہے...... ایک کمی بیشی کا رواج اور دوسرا غلط تفسیر کا رواج۔

یہ دونوں کام حضرت زینبؑ کے دور میں دشمن کیا کرتے تھے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ آج کل یہ کام ان کے دوست انہی کے نام سے آئے دن کمی بیشی کر کے اور غلط تفسیر کر کے دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

قیام مقدس امام حسینؑ کی تفسیر کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے درج ذیل چند غلط تفاسیر کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے :

۱۔ خدا اور امامؑ کے درمیان ایک خاص عہد و پیمان کے نتیجے میں یہ معرکہ وجود میں آیا۔

۲۔ امام حسینؑ کا قیام امت کے گناہوں کی بخشش کیلئے تھا۔

۳۔ شہادت امام حسینؑ سے آج ہزاروں آدمیوں کا روزگار وابستہ ہے۔ گویا حسینؑ

صرف ہمیں رلانے کیلئے شہید ہوئے تھے۔

یہ ایسی تفاسیر ہیں جو جناب زینبؑ کی منطق سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔

قیام مقدس امام حسینؑ کو تین زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے :

☆ اصل واقعہ کا تحفظ وپاسداری کرنا جو کہ متعدد تواریخ اور قدیم مقاتل میں محفوظ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو چھاپ کر سامنے لایا جائے' ان کی چھان بین کی جائے اور محفوظ کر لیا جائے۔ اس کو تاریخ نقلی کہتے ہیں۔

☆ یہ واقعہ اپنی جگہ ایک حادثہ ہے جو دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے دیگر واقعات کی طرح قانون سبب و مُسبّب اور علت و معلول کے تحت وقوع پذیر ہوا ہے۔ واقعہ کے ان اسباب و علل پر گفتگو کرنے کو تاریخ علمی کہتے ہیں۔

☆ اس قسم کا سانحہ دوبارہ رونما نہ ہونے پائے' اس مقصد کیلئے جو حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے اسکو تاریخ فلسفی کہتے ہیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی اکبر قرشی ایک عالم بزرگوار' مفسّر و مورخ اور خدمت گزار دین ومذہب تھے۔ کتاب ہٰذا قیام امام حسینؑ سے متعلق آپکی اولین تالیفات میں سے ہے۔ اس کتاب میں مولف نے پہلے وہ اسباب و علل بیان کئے ہیں جن سے بر آمد ہونے والے بھیانک نتائج کو روکنے کیلئے امام حسین علیہ السلام نے قیام فرمایا۔ امام عالی مقام کے قیام کے پس منظر میں آپ نے ایک اور کردار کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ ہے اس قیام مقدس کا تحفظ وپاسداری' اس کو غلط تفاسیر کی زد سے بچانا۔ یہ کردار' کردار زینبی ہے۔

اس کتاب میں مولف بزرگوار نے واقعہ کی تفسیر و تحلیل نہایت ہی خوش اسلوبی' خوش بیانی اور مدلل طریقے سے کی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں قیام امام حسینؑ کی بہترین تفسیر اور تجزیہ و تحلیل پیش کیا گیا ہے اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے عاشقان اور وابستگان مکتب حسینیؑ کی خدمت میں اردو زبان میں پیش

کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ لہٰذا ہم نے اس سلسلے میں ایک عالمہ معلّمہ فاضلہ خواہر سے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی درخواست کی۔ عالمۂ عارفہ خواہر محترمہ فاطمہ سبزواری حوزۂ علمیہ جامعۃ الزہرا کی فارغ التحصیل ہیں۔ کراچی کی مکتبی خواتین آپ کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔ ہمارا ادارہ خواہر محترم کی ان زحمتوں اور کاوشوں کا مشکور و ممنون ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

علی شرف الدین

یکم ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ حضرت آیت اللہ العظمیٰ فقیہ عصر و زعیم حوزہ ھای علمیہ آقای حاج سید محمد کاظم شریعتمداری دام ظلہ الوارف

کتاب مستطاب "مرد مافوق انسان سید الشہداء" جناب مستطاب ثقۃ الاسلام آقای حاج سید علی اکبر قرشی دامت رفاضاتہ کی تالیف میں بندۂ حقیر اپنی مصروفیات کی بنا پر پوری کتاب کا مطالعہ کرنے پر تو قادر نہ ہوا ہاں جن چند ابواب کا مطالعہ میں نے کیا ہے ان کو پڑھنے کے بعد یہ کہنا بجا ہے کہ بطور نمونہ یہ چند ابواب ہی کافی ہیں۔ یہ کتاب سلیس عبارت اور روشن و مفید مطالب سے تحریر کی گئی ہے۔ امید ہے کہ طالبان حق اس کے مطالعہ سے کامل فائدہ حاصل کرتے ہوئے امام حسینؑ کے قیام کے اصل مقصد کو جان پائیں گے۔ خداوند متعال مولف کو اجر کامل عطا فرمائے اور ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

سید کاظم شریعتمداری

۲۰ ذیقعدہ الحرام سنہ ۱۳۸۸ھ

کتاب اور مؤلف

مکتب تربیت حوزۂ علمیہ قم کے جانے پہچانے اور بہترین فارغ التحصیل افراد میں ایک نام دانشمند محترم جناب آقای حاج سید علی اکبر قرشی کا بھی ہے۔ آپ آج کل مغربی آذربائیجان کے قصبے ''رضائیہ'' میں مقیم ہیں اور گرانقدر علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی علمی زندگی کا محور ہے تقریر اور تحریر۔

آپ کا وعظ و خطاب شعلہ بیان، سحر انگیز اور نافذ العمل ہوتا ہے آپکی تحریر دلوں پر اثر چھوڑتی ہے۔

میں جب بھی ان سے ملاقات کو گیا تو وہ سر منبر علمی و اجتماعی موضوعات پر مشغول خطابت تھے یا پھر مطالعہ کی میز پر مصروف مطالعہ اور اپنی تحریروں کو مرتب کر رہے تھے۔ اس اعتبار سے محترم مؤلف ایک ایسے مجاہد سے شباہت رکھتے ہیں جو میدان جہاد میں اپنے حریم و حدود اسلامی کی حفاظت میں مشغول ہو۔ خدا کرے ان جیسے علماء کی ہمارے ہاں فراوانی ہو۔

اب تک ان کی دو کتابیں ''شخصیت امام حسن مجتبیٰ ؑ'' اور ''سیری در تعالیم اسلام'' چھپ چکی ہیں۔ یہ کتاب جو ہمارے ہاتھ میں ہے ان کی ایک اور گرانقدر

تالیف ہے، جسمیں انہوں نے نہایت عمدگی سے تاریخی، اجتماعی مطالب کا کامل تجزیہ و تحلیل پیش کیا ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں اپنے افکار عالیہ کو سوزدروں کے ساتھ ملا کر مافوق انسانی شخصیت عالی ابا عبداللہ الحسینؑ کی فضیلت و شہامت اور میدان کارزار میں آپکی جرأت و شجاعت، آپ کے جانثاروں کی فضیلت، ان کی زندگی، کربلا میں انکی جانبازی اور اس تاریخی قیام کے فلسفے و درس کی اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے یہ واقعہ مجسم ہو جاتا ہے۔

مجھے علامہ موصوف سے جو محبت و مودت ہے اسی بناء پر میں نے قم میں اس کتاب کی اشاعت و طباعت کا ذمہ لیا۔ اس کتاب کی اشاعت کے دوران میں نے جو معنوی و روحانی لذت حاصل کی اگر قارئین کرام نے بھی اسے حاصل کیا تو ان مطالب کی قدر و اہمیت واضح ہو جائے گی۔

میں خداوند متعال سے مؤلف کی کامیابیوں اور توفیقات میں روز افزوں اضافہ کے لئے دعاگو ہوں۔

عقیقی بخشایشی۔

۷ اربیع الاول سنہ ۱۳۸۹ھ (قم دار التبلیغ السلامی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

و صلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین

صدیوں سے امام حسینؑ کا قیام مقدس عرب و عجم کے مسلم و غیر مسلم ادیبوں اور نثر نگاروں کے لئے موضوع بنا ہوا ہے۔ اس قیام کی تحقیق و تدقیق میں بہت سی کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔ ہر صاحب فکر نے اپنی فکری استطاعت اور کاوشوں کے مطابق اظہار خیال کیا ہے۔ ہر لکھنے والے نے اپنے علم کی وسعت کے مطابق اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ عظیم الشان اور ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا واقعہ اپنے اندر بہت سے اسرار و رموز رکھتا ہے جن پر غور و فکر کرنے اور انہیں منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

اس بات سے غافل نہیں ہوں کہ گزشتہ صدیوں کے انقلابات کے اثر سے امام حسینؑ کے اس قیام کے حقیقی مقاصد اکثر افراد پر واضح نہیں اور لوگ اس کے بارے میں شبہ میں ہیں۔ آجکل اس سلسلے میں جو خیالات و افکار ہیں ان کا اس قیام مقدس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ اموی اور عباسی دور خلافت میں مذہب تشیع اور اس کے طرفدار ہمیشہ خلفاء و امراء کے مورد عتاب رہے۔ وقت کے فرمانروا ان کو ذلیل و کمزور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ان کی دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ یہ مذہب ظلم واستبداد کی مخالفت اور ظالم و جابر سے ٹکرانے کی بات کرتا ہے۔ عدالت اجتماعی اس مذہب کا ایک رکن خاص ہے۔ اس مذہب میں پیشوا کے لئے بنیادی شرائط یہ ہیں کہ وہ صاحب ایمان، صاحب علم و شجاعت اور عادل ہو۔ ظاہر ہے یہ شرائط ان ستمگر، اپنی شہوات کے اسیر، دوسروں کی جان و مال و

ناموس پر اپنی مرضی سے حکومت چلانے والے خلفاء و حکمرانوں کے حق میں نہ تھیں۔ بالفاظ دیگر وہ اس مذہب کی حمایت کرتے تھے جو ان کو "اولوالامر منکم" کے عنوان سے پہچانتا اور عوام الناس کے لئے ان کی اطاعت بغیر چون وچرا واجب قرار دیتا تھا۔ وہ اس مذہب کی حمایت نہیں کر سکتے تھے جن کے ہاں پیشوا و سرپرست کو حضرت علی علیہ السلام کی طرح انصاف پسند، عدل کو رائج کرنے والا ہونا چاہئے۔

یہی وجہ تھی کہ اموی اور عباسیوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ لازم کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ تشیع اور اس کے طرفداروں کو دبا کر رکھیں اسی بنا پر القادر عباسی کے زمانے میں مالکی، حنفی، حنبلی، شافعی ان چاروں مذاہب کو مروج کیا گیا اور ان کی ترویج و اشاعت کے کام کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی لیکن مذہب تشیع غیر رسمی قرار دیا گیا اور اس کی ترویج و اشاعت کی اجازت نہ تھی (۱۰)

بنو امیہ و بنی عباس کی حکومتوں کے زوال کے بعد کچھ مدت امید و بیم میں گزری اور پھر صدیوں کی کشمکش اور نشیب و فراز کے بعد دسویں صدی ہجری کے اوائل میں اہل تشیع ایک مستقل مملکت اور حکومت کے مالک ہوئے اور مذہب

---

(۱۰) احمد بن اسحاق ملقب بہ القادر عباسیوں کا پچیسواں خلیفہ ہے۔ محدث قمی اپنی کتاب تتمۃ المنتہی کی جلد ۲ صفحہ ۷۷۴ میں نقل کرتے ہیں یہ ان چاروں مذاہب حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی ایک خاص رقم حکومت کو دے کر رائج ہوئے۔ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ جو اکابرین علماء شیعہ میں سے تھے انہوں نے بھی خلیفہ کو راضی کیا کہ اگر ہم بھی ایک لاکھ دینار ادا کریں تو ہمیں ترویج مذہب کی اجازت دے دی جائے اس سلسلے میں انہوں نے ۵۰ ہزار دینار خود جمع کئے اور ۲۰ ہزار شیعوں سے چاہے لیکن انہوں نے سہل انگاری کی اور نہ دیئے اور اس طرح یہ مذہب رسمی نہ ہو سکا۔

مصنف کے خیال میں اگر علم الھدیٰ یہ ایک لاکھ دینار خلیفہ کو دے بھی دیتے تو بھی متن گزشتہ کو سامنے رکھتے ہوئے ممکن ہی نہ تھا کہ خلیفہ مذہب تشیع کی ترویج کی اجازت و آزادی دیتا۔

تشیع جو کہ زمانے کی روش اور تغیر و تبدل سے پاک رہا تھا کسی مخالفت کے بغیر اس مملکت کا مذہب قرار پایا۔ (۱۰)

اب نہ صرف مذہب تشیع اور اس کے ماننے والوں کو فرمان رواؤں کی طرف سے خطرہ نہ تھا بلکہ خود صاحبان اقتدار اس کے طرفدار اور رائج کرنے والے تھے ۔ پس اس وجہ سے اس مکتب کے پیرو جو صدیوں استبداد اور مصائب برداشت کر رہے تھے اور مصروف جہاد تھے انہیں سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا اور فراغت حاصل کی ۔ اب ان کے اور حکمرانوں کے درمیان ایک مذہب کی وجہ سے ایسی محبت و الفت ہو گئی کہ حکمران ان کے سرپرست و مددگار بن گئے۔

لیکن اس فراغت اور استقلال کے حصول کے بعد جیسا کہ ہر استقلال یافتہ ملت کے ساتھ ہوتا ہے شیعہ قوم نے بھی آہستہ آہستہ ظلم وجور کے مقابلے پر قیام اور اجتماعی امت خواہی کی روح کو کھو دیا۔ اس طرح معاشرہ میں ظلم وجور اور ناانصافیاں بڑھتی گئیں ۔ حکمرانوں کی اس روش پر خاموشی بڑھتی رہی ۔ اجتماعی عدل کو یکسر فراموش کر دیا گیا جس کے لئے صدیوں سے حکومتوں سے جنگ کرتے آئے تھے ۔ اور اجتماعی مسائل پر اجتماعی عدالت خواہی کی جگہ سکوت اور بے اعتنائی نے لے لی تھی ۔ اس طور یہ پُر حرارت اور اصلاح کا طالب مذہب جو کہ اجتماعی عدالت سے پیوستہ سانس لیتا تھا اور امویوں اور عباسیوں کی آنکھوں سے سکھ کی نیند چھین رکھی تھی، سرد آگ کی صورت اختیار کر گیا اور جس طرح ایک

---

(۱۰) اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ عباسیوں کے دور حکومت میں بعض مقامات پر شیعوں کی حکومتیں مستحکم ہوئیں ۔ ان میں افریقا کے شمال مغرب میں ادریسوں کی حکومت، ایران میں علویوں اور آل بویہ کی حکومت، شام میں ہمدانیوں کی حکومت اور مصر میں فاطمیوں کی حکومت شامل ہیں ۔ تفصیل کے لئے کتاب "شیعہ کیست و تشیع چیست ؟" تالیف محمد جواد مغنیہ ترجمہ علی اکبر کسمائی سے رجوع کریں۔

کوہ آتش فشاں خاموش ہو جاتا ہے یہ بھی خاموشی کی طرف راغب ہو گیا۔ یہ صحیح ہے کہ صدیوں مصائب اور مشقتوں کے سہنے کے بعد یہ توفیق نصیب ہوئی کہ مذہب تشیع رائج ہوا، لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ ہوئے، لیکن یہ آسانیاں اور راحتیں اپنے ساتھ کچھ چیزیں ختم بھی کرتی گئیں۔ لیکن یہ پھول خوشبو کے ساتھ کانٹے بھی لایا اور وہ تھے ظلم و ستم کے مقابل میں سکوت، اسلامی عدالت اجتماعی سے چشم پوشی، جبکہ چاہئے یہ تھا کہ حکمران اسلام کے اس حکم خاص (یعنی اجتماعی عدالت کا قیام، ظلم و ستم کا خاتمہ) کو پوری شد و مد کے ساتھ رائج کرتے۔ اس خاموشی اور اسلام کے اجتماعی مسائل سے بے اعتنائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ :

(۱) اہل تشیع کے افکار اور زندگی گزارنے کا سلیقہ بتدریج تبدیل ہوتے گئے۔ ظلم و ظالم کے مقابلے پر حق کی طرفداری، جہاد، تقیہ کے مسائل کے بارے میں آیات قرآنی، روایات معصومین کو اکثر افراد نے اپنے فکر و خیال کے مطابق معنی و مفہوم دیدئے۔

(۲) وہ لوگ جنہوں نے خدا کی راہ میں اور اصلاح معاشرہ اور تعلیمات اسلامی کے رواج میں کسی طرح کی زحمت برداشت نہ کی تھی حتیٰ کہ مخالفین سے کسی سخت لفظ سننے کے روادار بھی نہ ہوئے تھے انہوں نے تقیہ کی حقیقت کو جانے بغیر تقیہ کے دامن میں پناہ لے لی اور اس آیہ مبارکہ "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کو بنیاد بنا کر دین کی حمایت، اصلاح معاشرہ سے خود کو الگ کر لیا۔ ظالم اور ظلم کی حمایت کو تقیہ کا نام دے دیا۔ (ح ۳)

(۳) قیام امام حسینؑ کی اصل وجہ "اجتماعی عدالت کا قیام" تھا اس کو ابہام کے

ح ۳۔ علمائے دین میں سے جس نے بھی اصلاح معاشرہ کی کوشش کی اس کو "سیاسی مُلّا" کا خطاب دیا گیا اور لوگوں کی نظروں میں وہ قابل نفرین بنا۔

پردوں میں پوشیدہ کر دیا گیااور اکثر افراد نے یہ سمجھ لیا کہ امام حسینؑ نے یزید لعین کے ساتھ فقط نماز، روزہ کی وجہ سے جنگ کی تھی اور یہ امامؑ چاہتے تھے کہ لوگ جھوٹ نہ بولیں اور ناپ تول میں کمی نہ کریں۔

(۴) جب اس طرح کے مسائل درمیان میں آئے تو مستقل بحث کا موضوع بن گئے کہ قیام امام حسینؑ تقیہ کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا ہے، آیا تقیہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ امامؑ معاشرتی مظالم کے سامنے خاموشی اختیار کرلیں۔ آیا امام کا یہ قیام و جنگ اس آیہ ("ولا تلقوا ایدیکم التھلکۃ") کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا تھا۔ (۴ے)

(۵) بعض لوگوں نے نصاریٰ کی طرح جو حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں یہ سوچ لیا کہ امام حسینؑ بھی ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے اور اب ہم کوئی بھی گناہ یا جرم کرلیں ہم لوگ بھی شہادت امام حسینؑ کی بدولت بخش دیئے جائیں گے۔ (۵ے)

محققین اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیام امام حسینؑ کی شرح میں ان مسائل کے دقائق پر غور کریں اور امام بزرگوار کے قیام کے اصل مقاصد جو کہ اجتماعی عدالت اور جمہور اسلامی کا قیام تھا لوگوں کے سامنے واضح و روشن کریں۔ نیز تقیہ

۴ے مولف کا یقین ہے کہ اگر امام حسینؑ معصوم نہ ہوتے تو ان منحرف افکار اور جس طرح ان کی نشر و اشاعت ہوئی اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی گئی۔ العیاذ باللہ آج ہم بھی امام حسینؑ کے اس قیام کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں۔

۵ے المیزان ج ۳ ص ۳۲۱ قرآن مجید میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو شہید نہیں کیا بلکہ انکی شہادت امت عیسیٰؑ کے گناہوں کا کفارہ ہے یہ عیسائیوں کے فضول عقائد میں سے ایک ہے۔

کے حقیقی معنی یا نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالنا اور اسی طرح دوسرے مسائل کو پیش کریں تاکہ یہ پُر شکوہ اور حیرت انگیز قیام امام حسینؑ ہر طرح کے شکوک و شبہات سے خالی ہو اور لوگوں کو آزادی اور آزاد رہنے کے اصولوں کی طرف رہبری کر سکے۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنی مقدور بھر کوشش کے ساتھ ان تمام مسائل کی تحقیق و بررسی کی ہے۔ ظلم کے مقابلے میں قیام' ہلاکت میں تقیہ اور نفس کی حفاظت کرنا اور اسی طرح کے دوسرے مسائل کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہوں۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ نہ ہو سکیں۔ امید ہے کہ قیام کربلا کے اصل محرکات کی نشاندہی اور متعلقہ مسائل کی وضاحت قارئین کرام کے لئے سود مند ثابت ہو گی۔

ایسی کتابوں کی سبب تالیف

انسان کو اپنی زندگی میں آزادی اور آزاد رہنے کی تمنا ہوتی ہے۔ وہ ایمان اور اس کی واقعیات کا محتاج ہے۔ ان کے بغیر اس کی زندگی کو حقیقی زندگی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ان حقائق کو سمجھنے اور ان سے متصف رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس مرد جری عالی شخصیت امام حسینؑ کے بلند مقام کو جانے جس نے ذلت کی زندگی پر سرخ موت کو ترجیح دی۔ آزادی اور آزاد رہنے کے لئے دل گرم کرتا اور شوق دلاتا ہے۔

انسان اس دنیا میں زندگی گزار رہا ہے جہاں اس نے ہزاروں سال گزارنے کے بعد بھی افراد و اقوام میں اپنی بقا کی کشمکش' رنج و عذاب اور تنازعات کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ حرص و طمع کی زیادتی کی وجہ سے ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ بھی

دنیا میں ہے وہ فقط اس کا ہو اور سب کے سب اس کے محکوم ہوں۔ ایک جاہ طلب اور شہوت پرست گروہ یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کی زندگیوں کے تمام کاموں میں اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کریں۔

یہاں وہ خادمانہ ذہنیت کے افراد بھی ہیں جو شرافت وانسانیت کے معیار سے بے خبر اپنے آپ کو دوسروں کی ملکیت قرار دیے کر ہر طرح کی چاپلوسی اور ذلت وخواری کو اپنا مقدر بنائے ہوئے ہیں۔ اس دنیا میں ان مظلوموں کی آہیں بھی ہیں جن کی ہڈیوں تک ستمگروں کے خنجر اتر چکے ہیں اور وہ زندگی سے بیزار ہیں۔ اس انسان نے خود کو نفس کا غلام بنا کر فحشاء و منکرات پر عمل کر کے نہ صرف اپنی فضیلت و شرافت کو پامال کیا ہے بلکہ اس دنیا کو غم و آلام' مصائب و مشکلات کا دہکتا ہوا جہنم بنا دیا ہے۔

درحقیقت اس تمام ظلمت و تیرگی اور ان تمام فراعین' یزیدوں' چنگیزوں' تیموروں.... جنہوں نے بشریت کے چہرہ کو سیاہ کر دیا ہے اور کر رہے ہیں اگر محمدؐ' علیؑ' حسینؑ' موسیٰؑ او مسیحؑ جیسے مرد نہ ہوتے اور یہ لوگ اپنے خیرہ کن نور سے اس دنیائے انسانیت کو منور نہ کرتے تو کیا ہمیں حق نہ تھا کہ ہم بھی فرشتوں کے ساتھ ہم آواز ہوتے اور خدا سے سوال کرتے کہ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء"

یقیناً یہ ان مردان حق کی عظمت و جلال' انسان دوستی اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ انسان کے چشم و دل روشن ہیں اور انہوں نے انسانوں کو مایوسیوں کے اندھیروں سے نکالا۔ ان مردانِ حق نے اپنے سعادت بخش مجاہدات کے ذریعے انسان کی آبرو کو محفوظ کیا' انسان کو اس کی ذات کے گوہر سے آشنا کروایا کہ اے انسان تو ہی اصل میں تمام فضائل کا سرچشمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیائے بشری

انھی کے بابرکت وجود سے خداوند عالم کے حضور سرفراز ہے۔

اس انسان کا تصور کیجئے جو انگوٹھی کے نگینے کی طرح محصور ہو، موت ایک خوفناک اژدھے کی طرح منہ کھولے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو نگلنے کو تیار ہو، اس کے بچے اور عورتیں دنیا کے پست ترین اور ناقص ترین افراد کے ہاتھوں قیدی بننے والے ہوں، اس کے خیموں میں ایک قطرہ آب نہ ہو اور چھوٹے بچوں کی فریاد العطش کے سوا کوئی آواز نہ آرہی ہو اور یہ انسان ان تمام اذیت ناک اور دل ہلا دینے والے لمحات میں فولادی پہاڑ کی سی استقامت کے ساتھ سورج کی جھلسا دینے والی شعاعوں میں کھڑا کہہ رہا ہو:

"مجھے قسم ہے خداوند ذوالجلال کی اپنے ہاتھ کو ایک ذلیل فرد کی طرح تمہارے سامنے نہیں بڑھاؤں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح یہاں سے فرار اختیار کروں گا۔ (۱ے)۔ بنی امیہ کے منہ بولے بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے دوراہے پر کھڑا کیا ہے میں اپنے آپ کو ہرگز ذلیل نہ ہونے دوں گا۔ ہیہات کہ ذلت و خواری کو اختیار کروں، نہ خدا میری ذلت پر راضی ہے، نہ اسکا رسولؐ نہ مردان باایمان، نہ وہ پاک دامن ہستیاں جنہوں نے میری تربیت کی، نہ ہی صاحبان عزت و ضمیر۔ یاد رکھو کمینے کی اطاعت پر مردان باایمان قتلگاہ اور شہادت کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۲ے)

اس طرح کے صاحبان ایمان ہیں جو تمام بشر کو آزادی اور آزاد رہنے کا درس

۱ے ارشاد مفید" ص ۲۱۸

۲ے لہوف ص ۷۵ روز عاشورا امام نے جو خطبہ دیا اس کے لئے یہ فصاحت ضروری ہے کہ فقط انوف حمیہ جو استعمال کیا ہے اس کا ترجمہ صاحبان عزت ہوا ہے جس طرح کتب لغت میں ہے حمی انفہ ای عزز غم انفہ ای ذل (المنجد) ظاہر ہے اس سے مراد خود بینی نہیں ہے۔

دیتے ہیں۔ آج تک انسانوں نے جو آزادی استقلال اور حق حاکمیت کو حاصل کیا ہے ان ہی افراد حق کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

قیام امام حسینؑ طرفداران حق کی فداکاریوں میں ایک خاص عظمت رکھتا ہے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ یہ امام معصوم وہ بزرگ شخصیت ہیں جنھوں نے قانون آزادیٔ بشر کی دستاویز پر اپنے اور اپنے ۷۲ مردان مومن کے خون سے مہر تصدیق ثبت کی ہے اور جہانِ بشریت کیلئے ایک ابدی درس کی صورت ظاہر کیا۔ ان کے خون مقدس کی سرخی شام کے شفق کی سرخی کی طرح ہمیشہ دنیا میں باقی رہنے والی ہے۔ یہ عظیم الشان معرکہ ہمیشہ دنیا کے آزاد اور روشن دل لوگوں کو کامیابی کا پیغام دیتا ہے۔ اور فداکاری کا سبق سکھاتا رہے گا۔ اور یوں اس نیلگوں آسمان کے نیچے یہ قیام ابا عبد اللہ الحسینؑ اپنی عظمت و شوکت کو محفوظ رکھے گا۔

رضائیہ

سید علی اکبر قرشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اپنے برادر عزیز جناب آقائے عقیقی بخشایشی کی راہنمائیوں اور ان کی تمام کوششوں کو جو انہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کیں شکر گزار ہوں۔ اس کے ساتھ چھاپ خانہ حکمت کے مدیر اور تمام کارکنوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور خداوند متعال سے دعاگو ہوں کہ ان سب کو دونوں جہاں کی سعادتوں سے نوازے اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

(آمین)

ماضی پر ایک نظر

امام حسینؑ کا یہ تاریخی قیام اور اس دور کے سیاسی و اقتصادی نظاموں کی مخالفت کرنا کوئی ایسا کام نہ تھا کہ اچانک اور فوری وجود میں آیا ہو بلکہ اس واقعہ کے اسباب و مقدمات بہت پہلے سے فراہم ہونا شروع ہو چکے تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم واقعۂ عاشورا سے تقریباً ۴۰ چالیس سال پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالیں اور پھر اس وقت کے حالات و حوادث کو دیکھتے ہوئے ہم یزید کے دور کا تجزیہ کریں تاکہ ہمیں صحیح معنی میں امام حسینؑ کے قیام مقدس کا اصل چہرہ بخوبی نمایاں ہو سکے۔ ذیل میں ماضی کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ (ح ۱)

طبقاتی کشمکش کا آغاز

جرجی زیدان لکھتے ہیں رسول اکرمؐ کے زمانے میں مسلمانوں کے لئے کوئی وظائف مقرر نہ تھے بلکہ ہر فرد کا سہمیہ مال غنیمت سے مربوط تھا۔ یعنی مال غنیمت جتنا بھی مسلمانوں کے ہاتھ آتا اس کا خمس جناب رسول خداؐ اپنے لئے رکھتے اور بقیہ

ح ۱۔ قیام امام حسینؑ کا اصل سبب واقعہ سقیفہ اور حضرت ابو بکر کے خلیفہ بنانے تک پہنچتا ہے لیکن ہم اس کو خلیفہ دوم کے زمانے سے شروع کرتے ہیں۔

میں سے تمام صحابہ کرام کو بغیر کسی رعایت نسب یا برتری کے برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں بھی یہ روش برقرار رہی۔ لیکن حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں ایک منظّم محکمہ اس کام کے لئے تشکیل دیا گیا۔ مسلمانوں کے ہر فرد کو اسکی برتری، رسولؐ کی قرابت داری، دینی خدمات کی رعایت سے سالانہ ایک رقم مقرر کی گئی۔

(تمدن اسلام جرجی زیدان۔ج ا،ص ۱۶۰، ترجمہ جواہر الکلام)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں سپاہیوں، ملازموں اور بقیہ حقداروں کو دیئے جانے والے وظیفہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) عباس بن عبد المطلب رسولؐ اللہ کے چچا۔ (درہم فی کس سالانہ ۱۲۰۰۰)

(کامل ابن اثیر۔ج ۲،ص ۳۵۱)

(۲) رسول اللہ کی ازواج میں سے جناب عائشہ، جناب حفصہ، جناب ام حبیبہ (ہر ایک کے لئے) (درہم فی کس سالانہ ۱۲۰۰۰)

(۳) بقیہ ازواج رسولؐ اللہ کے لئے فرداً فرداً (درہم فی کس سالانہ ۶۰۰۰)

(۴) معاویہ، ابو سفیان اور اہل مکہ میں سے معروف افراد۔ (۵۰۰۰)

(۵) انصار میں سے جس نے جنگ بدر میں شرکت کی (درہم فی کس سالانہ ۴۰۰۰)

(تاریخ یعقوبی۔ج ۲،ص ۱۰۶۔بیروت)

(۶) مہاجرین میں سے جس نے بدر میں شرکت کی (درہم فی کس سالانہ ۵۰۰۰)

(۷) حکام میں سے (درہم فی کس سالانہ ۷۲۰۰)

(تاریخ جرجی زیدان۔ج ۲،ص ۱۶۸)

(۸) قاضی اور ان کی جائیدادوں پر مقرر اہلکار۔ (درہم فی کس سالانہ ۱۲۰۰)

(تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۱'ص ۶)

(۹) اھالیان مکہ سے ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے (درہم فی کس سالانہ ۶۰۰)

(۱۰) اہل یمن میں سے (درہم فی کس سالانہ ۴۰۰)

(۱۱) قبیلہ مفر کے افراد کے (درہم فی کس سالانہ ۳۰۰)

(۱۲) قبیلہ ربیع کے افراد کے لئے (درہم فی کس سالانہ ۲۰۰)

(تاریخ یعقوبی۔ ج ۲'ص ۱۰۶)

(۱۳) دوسرے تمام مسلمانوں کے لئے (درہم فی کس سالانہ ۳۰۰ سے ۵۰۰)

(تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۱'ص ۱۶۶)

سپاہیوں میں اگر کوئی سپاہی عرب ہوتا اور اس کی رسولؐ سے کوئی قرابت داری ہوتی تو وہ دوسروں پر فوقیت پاتا تھا۔ اسی طرح عرب قحطان سپاہی' قبیلے عدنان کے عرب سپاہی پر' بنی مضر' بنی ربیعہ پر' قریش غیر قریش پر اور بنی ہاشم بنی امیہ پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔

(تاریخ یعقوبی جرجی زیدان۔ ج ۱'ص ۱۵۹'۱۶۰)

جیسا کہ اس تفصیل کی رو سے مقرر شدہ وظائف کی رقم میں غیر معمولی فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً وہ جو سالانہ ۵۰۰۰ لے رہا ہے اس کو ماھانہ ۴۰۰ درہم اور روزانہ ۱۴ درہم ملتے ہیں۔ اس کے برعکس جس کو سالانہ وظیفہ ۲۰۰ درہم ملتا ہے اس کو ہر ماہ ۷ ادرہم اور روازنہ تقریباً آدھا درہم ملتا ہے اور اس طرح ظاہر ہے کہ ۲۰۰ اور ۵۰۰۰ درہم پانے والے ان افراد میں ۱۔۲۵ کی نسبت سے فرق ہے۔

خلیفہ دوم کا یہ اقدام عالم اسلام میں طبقاتی تفریق کا پہلا قدم تھا جس نے

عدل وانصاف پر قائم معاشرہ کو ناانصافی، انتشار کی راہ پر ڈال دیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی مدت میں حتیٰ کہ ابھی حضرت عمرؓ زندہ تھے اس اسلامی معاشرہ میں طبقاتی و اقتصادی تفریق کی وہ خلیج پیدا ہو گئی جس کا پر کرنا ممکن ہی نہ تھا بلکہ یہ خلیج وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ گہری اور وسیع ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں میں زراندوزی اور محنت کش طبقے کا استحصال شروع ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ کی سخت گیر پالسیاں اور دولت مند افراد کی پشت پناہی اور حکمرانی نے معاشرے میں جگہ بنالی۔ ان ثروت مند اور حکمران افراد کی فہرست میں سعد ابن ابی وقاص، عمر بن عاص، ابوہریرہ، نعمان بن عدی، نافع بن عمر و یعلی بن امیہ۔ ۱۰ ۔ وغیرہ آتے ہیں۔ اس پر خلیفہ کا دولت جمع کرنے کا شوق و اصرار۔ ۱۱۔ لوگوں کا اعتراض و تنقید، یہ ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے معاشرہ کے ہاتھ سے عدالت جاتی رہی۔ بلکہ یہ طبقاتی اختلاف روز افزوں فروغ پاتا رہا۔

اس زمانے میں ثروت مند مسلمان اپنی اس اضافی ملنے والی رقوم سے اپنے لئے غلام خریدنے لگے تھے۔ جن میں سے کچھ غلام اپنے گھر اور ذاتی خدمت کے لئے رکھ لیتے اور بقیہ کو مختلف کاموں پر لگادیتے کہ وہ ان کو روزانہ مقرر کی ہوئی رقم کما کر مہیا کریں۔ اب ان غربت کے ماروں کی جان مصیبت میں تھی کہ وہ سخت محنت و مشقت کر کے نہ صرف، اپنے مالکوں کی معین کردہ رقم انہیں فراہم کریں بلکہ اپنی ضروریات زندگی کو بھی مہیا کریں۔ ذیل کا مکالمہ اسی صورت کا

۱۰۔ تاریخ یعقوبی۔ ج ۲۔ ص ۱۱۱: مذکورہ بالا افراد بالترتیب کوفہ، مصر، بحرین، میسان، مکہ اور یمن کے حاکم تھے۔ حضرت عمر نے ان کی نصف جائیدادیں ضبط کرلی تھیں۔

۱۱۔ تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۲۔ ص ۱۱۔

آئینہ دار ہے :

ایک دن حضرت عمرؓ بازار سے گزر رہے تھے 'فیروز ایرانی جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین میں اپنے آقا مغیرہ بن شعبہ کی اس ظلم و زیادتی کے لئے آپ سے انصاف طلب کرتا ہوں' وہ روزانہ مجھ سے ایک بڑی رقم وصول کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کتنی رقم وہ تم سے طلب کرتا ہے ؟

فیروز ایرانی : روزانہ دو درہم وصول کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے سوال کیا : تم کیا کیا کام جانتے ہو ؟

فیرزو ایرانی : میں لوہے 'لکڑی اور نقاشی کا کام جانتا ہوں۔

حضرت عمرؓ : ان تمام کاموں کے جاننے پر تیرے لئے یہ دو درہم جو مقرر ہیں زیادہ نہیں ہیں۔ اور ہاں مجھے کہا گیا ہے کہ تم ایک ایسی چکی بنا سکتے ہو جو ہوا سے چلتی ہو۔ فیروز ایرانی : جی ہاں میں بنا سکتا ہوں۔

حضرت عمرؓ : میرے لئے ایسی چکی بنا کر دو۔

فیرزو ایرانی : اگر زندہ رہا تو ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ جس کا شرق و غرب کے لوگوں میں تذکرہ ہو گا۔

واپسی پر حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔ [۱۲]

---

[۱۲]۔ کامل ابن اثیر ج ۳۔ ص ۲۶۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۲۶۔ حیاۃ الحیوان ج ۱۔ ص ۵۱ میں فیروز سے وصول کرنے کی متعینہ رقم ۴ درہم درج ہے۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۳۴ مصنف نے کامل ابن اثیر کی عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔

ایک سخت گیر اور تند مزاج حاکم کے سامنے اس غلام کی یہ قتل کی دھمکی اس بات کا نمونہ ہے کہ محنت کش طبقہ ان تمام مصائب کا ذمہ دار حاکم کو ٹھہراتا تھا اور اب ان کے لئے صبر کرنا بہت مشکل ہو چکا تھا۔

صاحب جنایات تاریخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب اس اقتصادی نظام کو مقرر کر رہے تھے تو انہوں نے نہیں سوچا کہ وہ اس طرح محنت کش طبقے پر ایک عیش کوش، سہل پسند، آرام طلب طبقے کو مسلط کر رہے ہیں۔ شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ اس تقسیم سے لوگوں کے درمیان اقتصادی ہم آہنگی ختم ہو جائے گی۔ وہ کہتے تھے کہ میں ان افراد کو جنہوں نے رسول اللہؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جہاد میں شرکت کی اور وہ افراد جنہوں نے حالت کفر میں رسول اللہؐ سے جنگ کی۔ ایک نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن وہ اس نقطے سے غافل تھے کہ جب بھی نو مسلم افراد پر ابتداء میں اسلام لانے والے افراد کو فوقیت دی جائے گی یا امراء و حکام کو محنت کش طبقے سے زیادہ مراعات دی جائیں گی تو ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک گہرا شگاف پیدا ہو جائے گا۔ اسی لئے مسعودی مروج الذہب میں حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے دور کے متمول افراد کی حیرت انگیز تفصیل تحریر کرتا ہے۔ جبکہ انہی ادوار میں محنت کش افراد اپنے روزانہ کے خرچ کو بھی بڑی مشکل سے حاصل کرتے تھے، اگر خلیفہ برتری اور اکرام کو قرآن کے کہنے کے مطابق تقویٰ اور کوشش کو قرار دیتے اور ان افراد کی کوششوں کو جو انہوں نے ابتداء اسلام میں کی تھیں خدا کے حضور پیش کر دیتے کہ وہ اجر و ثواب دینے والا ہے اور خود مراتب معین کرنے کے بجائے تمام قدیم اور جدید مسلمانوں کو ایک نگاہ سے دیکھتے، کیا یہ بہتر نہ تھا۔ (جنایات تاریخ۔ ج ۳، ص ۷۶)

اس طبقاتی اختلاف کے نتائج بڑے ہی دل خراش اور ناقابل یقین حد تک پہنچے۔ یہاں تک کہ سردیوں کی ایک یخ بستہ رات میں حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو دیکھا جس کے بچے بھوک وپیاس اور سردی سے اس کی گود میں لپٹے رو رہے تھے اور اس عورت نے خالی دیگچی میں پانی بھر کر چولھے پر چڑھا رکھا تھا اور بچوں کو جھوٹا بہلاوا دے رہی تھی کہ بس اب کھانا پک رہا ہے نہ روؤ۔

حضرت عمرؓ کو اس عورت اور بچوں کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور فوراً گودام کی طرف گئے اور اس عورت کے لئے آٹا وغیرہ بھجوایا۔[۱۴]

ڈاکٹر علی وردی تحریر کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے نقل سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی رعایا پر بڑے شفیق اور مہربان تھے اور راتوں کو غریبوں 'لاچاروں کی دادرسی کرتے تھے۔ لیکن بہتر تھا کہ یہ واقعہ اس لئے پیش کیا جاتا کہ ان کے دور خلافت میں فقراء کی کیا زندگی تھی؟ اور وہ کس قدر پریشان حال اور لاچار تھے۔[۱۵]

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت کے آخر میں اپنی اس غلطی کا اعتراف کیا اور اس غلطی کی اصلاح کے لئے یوں کہا:

"میں نے بعض کو بعض پر فوقیت اس لئے دی تھی کہ اس طرح لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالوں اور ان کے لئے محبوب ہو جاؤں اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو سب کے درمیان مساوات قائم کروں گا اور اس طبقاتی فرق کو ختم کردوں گا' حضرت رسول اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ۔[۱۶] کی سنت پر

---

[۱۴]۔ نقش وعاظ در اسلام ص ۸۴ بنقل از الفاروق ص ۶۴ تالیف بشیر یموت۔

[۱۵]۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰۷ طبیروت

[۱۶]۔ عقد الغدیر۔ ج ۲ ص ۱۸۰۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۴۔

عمل کرتے ہوئے مابین سرخ و سیاہ، عرب و عجم ان تمام امتیازات کو ختم کر کے مساوات کو جاری کروں گا"۔

لیکن افسوس کہ اب پانی سر سے گزر چکا تھا اور خلیفہ کا یہ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس محروم اور محنت کش طبقے کے دل میں جو کینہ اور کدورت پیدا ہو چکی تھی اس نے خلیفہ کا شکم چاک کر ڈالا۔ اصلاح کی فکر جو آپکے ذہن میں تھا ہمیشہ کیلئے موقوف رہ گیا۔

یہ صحیح ہے کہ خلیفہ دوم اس زحمت کش اور محروم طبقے کے نمائندے فیروز ایرانی کے خنجر سے قتل ہوئے اور بعد میں اس نے وہی خنجر اپنے سینے میں اتار لیا تاکہ بعد کے آنے والے مصائب سے چھٹکارا پالے۔

کتاب "زندگانی امیر المومنین" کے مصنف عبد الوہاب عبد المقصود لکھتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ اس آتش پرست فیروز ایرانی کے خنجر سے قتل نہ بھی ہوتے تو بھی اس محروم طبقے کے (جس کا نمائندہ یہ آتش پرست تھا) بہت سے افرد کا نشانۂ انتقام بن جاتے۔ کیونکہ یہ محروم وزحمت کش طبقے کے افراد حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ وہ تو خود کو غلام اور ان کو حاکم جانتے اور انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ جتنی بھی محنت کریں حکومت وحاکم ان کی بھلائی و اصلاح کا کوئی کام نہ کریں گے اور ان کی محنت ان کے نزدیک کوئی فضیلت نہیں رکھتی، پس اس بنا پر اس حکومت کے مخالف اور اس حاکم کے خون کے پیاسے تھے۔ ۱۷۰

دوسری طرف بدترین نسلی امتیاز کا وہ قانون جو اسلام کی آمد سے منسوخ ہو گیا تھا دانستہ یا نادانستہ حضرت عمرؓ کی بدولت دوبارہ زندہ ہو گیا۔ قرآن مجید نے "ان

۱۷۰۔ جنایات تاریخ ج ۳ ص ۷۷

اکرمکم عنداللہ اتقاکم"۔۱۸ کے ذریعے غرور' جاہلیت اور بدترین نسلی امتیاز کو انسانوں کے درمیان سے ختم کردیا تھا اور برتری و عزت فقط صاحبان تقویٰ کے لئے قرار دی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا:

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور برابر ہیں"

نیز آپ نے فتح مکہ کے روز یوں فرمایا:

"اے قریش! تمام انسان نسل آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے خلق کیئے گئے تھے"۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا تھا:

"اے لوگو تمھارا خدا ایک ہے تمھارا باپ ایک ہے۔ تمھارے باپ آدمؑ ہیں۔ اور آدمؑ خاک سے ہیں۔ جو کوئی بھی پرہیزگار ہوگا وہ خدا کے نزدیک زیادہ مکرم ہے۔ عربوں کو عجموں پر کوئی برتری نہیں ہے اگر کسی کو برتری ہے تو پرہیزگاری کی بنا پر"۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں نسل پرستی کا مسئلہ نئے سرے سے زندہ ہوتا ہے۔ جرجی زیدان مورخ مسیحی معتقد ہے کہ اسلام میں نسل پرستی کی بناء ڈالنے والے حضرت عمرؓ تھے۔۱۹

حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ: "یہ بدترین فعل ہے کہ عرب' عرب کو اسیر بنالیں جبکہ خدا نے انہیں ایران جیسی عظیم مملکت غلام بنانے کو دے رکھی ہے"۔۲۰

حضرت عمرؓ کہتے تھے: "اپنی اولاد کو اپنے بزرگوں کے نسب سے آگاہ کرو تاکہ

۱۸۔ سورۂ حجرات آیت ۱۳

۱۹۔ تاریخ جرجی زیدان ج ۴۔ ص ۳۴۔۳۵ ترجمہ جواہر کلام

۲۰۔ تاریخ جرجی زیدان ج ۴۔ ص ۳۴۔۳۵

وہ کل نبطیوں کی طرح نہ ہو جائیں کہ پوچھا جائے کہ کس کی اولاد ہو تو وہ جواب دیں کہ فلاں علاقے کے رہنے والے ہیں"۔ حضرت عمرؓ عجمی ماؤں کی اولاد کو اپنے عرب باپ کے ورثے کے حقدار مانتے تھے جب وہ عرب میں پیدا ہوئے ہوں اور ان کے اس فتویٰ کو امام مالک نے نقل کیا ہے جو اہل سنت کے ۴ آئمہ میں سے ایک ہیں :ے ۴

یہ فتویٰ انگلستان کے اس قانون کی طرح ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک صحیح انگریز نہیں ہو سکتا جب تک وہ انگلستان میں پیدا نہ ہوا ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک انگریز عورت وضع حمل کے موقعہ پر حتماً انگلستان میں موجود ہو تا کہ آنے والا بچہ اس ملی افتخار کو حاصل کر سکے۔ حضرت عمرؓ کی اجازت نہ تھی کہ ایرانی لوگ مدینہ میں سکونت اختیار کریں۔ فیروز ایرانی کو اس کے مالک مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمرؓ سے خصوصی اجازت لے کر مدینہ میں رکھا تھا۔ے ۵

کتنے تعجب کی بات ہے کہ قرآن کے صریح حکم اور حضور اکرمؐ کے قطعی ارشادات کے بعد جبکہ ابھی رسول اللہؐ کی رحلت کو دس سال کا عرصہ نہ گزرا تھا۔ نسلی امتیاز برتری کا قانون اس خلیفہ کے ہاتھوں نافذ ہوا جو خود کو رسولؐ کا جانشین اور اسلام کے قوانین کا اجراء کرنے کا پابند سمجھتا تھا۔ یہ قانون فقط عربوں کے فائدہ کے لئے بنایا گیا تھا جبکہ اس قانون کے بدترین نتائج اس صورت میں ظاہر ہوئے کہ عرب غیر عرب کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھنے لگے۔ نافع بن

ے ۴۔ موطاء مالک فرائض باب میراث الملل ج ا۔ ص ٦٦٦ تفصیل کے لئے نص والاجتھاد تالیف شرف الدین ص ۱٦۰۔ ۱٦۱ دیکھئے۔

ے ۵۔ مروج الذہب ج ا۔ ص ۴۲٦

جبیر شافعی جو تابعین میں سے تھا جب کسی جنازے کو دیکھتا تھا تو پوچھتا کہ کس کا جنازہ ہے اگر جواب ملتا کہ قریش سے تھا تو یہ آہ بھر کر کہتا افسوس میری قوم کا ایک فرد کم ہو گیا۔ اگر پتہ چلتا کہ مرنے والا عرب تھا تو کہتا افسوس میرا ہم وطن مر گیا۔ اور اگر پتہ چلتا کہ مرنے والا غیر عرب تھا تو کہتا ہاں بھئی خدا کا مال ہے جب چاہے وہ لے لے جب تک چاہے دنیا میں رکھے۔ ۱۰

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر عرب کسی غیر عرب کو سِن و فضل و تقویٰ کی رعایت سے دعوت پر بلاتا تو اس کو سر راہ بٹھاتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ غیر عرب ہے۔

(تاریخ جرجی زیدان ج ۴، ص ۷۳)

یہ اسی شجر کا ثمر ہے جسے خلیفہ نے لگایا تھا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا جو خلیفہ برتری کا معیار بقول قرآن تقویٰ کو فضیلت قرار دیتے تاکہ یہ تمام بدبختیاں رونما نہ ہوتیں ؟ آیا اس میں دین اور لوگوں کی صلاح نہ تھی اگر رسولؐ خدا کے عمل اور دستور حکومت کی خلیفہ پیروی کرتے اور نسل پرستی کے راستے کو نہ کھولتے ؟

یہاں پر مناسب ہے کہ وہ مساوات جو حضرت علیؑ کے مد نظر تھی اس کا تذکرہ کر دیا جائے۔ تاکہ جان سکیں کہ آپ کے نزدیک اسلام کے عالی دساتیر کا احترام اور محافظت کتنی اہم تھی۔ عرب کے ایک مشہور مصنف طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے پاس دو عورتیں آئیں۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے اپنی حاجات بیان کیں اور کچھ طلب کیا۔ چونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کو ضرورت ہے اس لئے حکم دیا کہ انہیں خوراک و لباس دیا جائے اس کے علاوہ کچھ رقم بھی دی۔

---

(۱۰) تاریخ جرجی زیدان ج ۴۔ ص ۷۳۔ ۷۴

ان میں سے ایک چاہتی تھی کہ اس کو دوسرے پر فوقیت دی جائے کیونکہ وہ عرب ہے اور دوسری موالی ۱ہے حضرت علیؑ نے اس کی اس بات پر مٹھی بھر خاک اٹھائی اور اس کی طرف دکھایا اور فرمایا کہ "جہاں تک میں جانتا ہوں خدا نے کسی کو کسی پر برتری نہیں دی ہے مگر پرہیزگاری کی وجہ سے۔ ۲

معاویہ کے ساتھ خلیفہ کا نرم رویہ

خلیفہ دوم کی ایک اور حکمت جس سے چشم پوشی کرنا کسی صورت جائز نہیں وہ یہ کہ انہوں نے معاویہ کو شام کی وسیع سلطنت میں آزاد اور مطلق العنان حاکم بنادیا۔ اور وہ جس استبدادی اور موروثی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رہا تھا انہیں مستحکم کرنے کے لئے موقع فراہم کیا۔ حضرت عمرؓ کا معاویہ کے ساتھ حسن سلوک اور یہ نرم رویہ رکھنا حیرت انگیز ہے۔ ہر محقق اور تاریخ کا جائزہ لینے والے کے لئے یہ سوال پیش آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جو اپنے عمال اور حاکموں سے درگزر اور رعایت بھی برتنے کے مطلقاً حق میں نہ تھے اور ان کے ہر عمل پر نگاہ رکھتے تھے ۳۔ معاویہ کے معاملہ میں انہوں نے اس کی اس ہوس اقتدار سے کیوں اسقدر انعطاف اور چشم پوشی اختیار کی۔

حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہ جیسے ناتوان اور نالائق کی پشت پر کوڑے لگا کر زخمی اور خون آلودہ کردیا اور وہ تمام نامشروع طور پر جمع کی ہوئی دولت بیت المال میں

۱۔ موالی اس غلام اور کنیز کو کہتے تھے جو عربوں کے ہاتھوں میں قید ہونے کے بعد اسلام لائے ہوں۔ بنوامیہ غیر عرب کو موالی کہتے تھے۔ تاریخ جرجی زیدان ج ۴۔ ص ۵۸

۲۔ علی و فرزندش ص ۱۶۰ ترجمہ احمد آرام۔

۳۔ اگرچہ چند دوسرے مطیع و فرنبردار حکام سے بھی چشم پوشی نظر آتی ہے جیسا کہ محققین جانتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ سے ام جمیل کے ساتھ زنا پر حضرت عمرؓ نے کوئی بازپرسی نہ کی تھی۔

اس توہین آمیز جملہ کے ساتھ ڈلوادی۔ "تیری ماں نے تجھے پیدا نہیں کیا تھا مگر گدھے چرانے کے لئے" [۱]۔ اُن کو رسوا کیا۔ اس کے علاوہ قبلاً بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے حاکموں اور امراء کی جائیدادیں ضبط کر لیں تھیں اور بقیہ تمام افراد کے لئے اُن کا رویہ انتہائی سخت تھا۔

خالد بن ولید جس کو حضرت ابو بکرؓ نے (سیف اللہ) کا لقب دیا تھا انہیں ان کی سپہ سلاری سے معزول کر دیا تھا۔ یہانتک کہ مسعودی نقل کرتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حج کے لئے سفر کیا تو ۱۶ دینار خرچ ہوئے۔ واپسی پر حضرت عمرؓ بیٹے سے کہنے لگے کہ یہ تو اسراف ہے۔ اپنے بیٹے عبید اللہ کو جو شراب کے نشے میں تھا اتنے کوڑے مارے کہ وہ تکلیف کی شدت سے چیخ اٹھا "بابا مجھے مار دیا"۔ [۲]

عمرو بن عاص حضرت عمرؓ کا ایک مطیع و فرمانبردار عامل تھا اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کے کسی بھی حکم کو جاری کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی تاریخ میں اس کی گواہی ہے کہ جب محمد بن مسلمہ انصاری حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر گیا تو اس نے اپنی پذیرائی کے کھانے کو چھوا تک نہیں لیکن عمرو بن عاص کی نصف دولت لے کر مدینہ آگیا۔ [۳]

عمرو بن عاص کے بیٹے نے ایک مصری کے ساتھ گھوڑ دوڑ میں شرط لگائی اور ہار گیا۔ مصری نے بہت ہی منت و سماجت کے ساتھ جیتی ہوئی رقم کا مطالبہ کیا

---

[۱]۔ عقد الفرید ج ۲۔ ص ۱۱۴ اصل عبارت عربی یوں ہے: "ما رجعتك اميهة الا لرعية الحمر" بقول مصنف عبارت کا ترجمہ شائستہ نہیں ہے اس لئے پڑھنے والوں کے ترجمہ کو بہتر اور شائستہ جملے میں منتقل کر دیا ہے۔

[۲]۔ نقش وعاظ در اسلام ص ۱۶۴

[۳]۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۔ ص ۵۸ ط بیروت

عمرو کے بیٹے کو اس گستاخی کی توقع نہ تھی، طیش میں آگیا حتیٰ کہ مصری کے سر پر تازیانہ مارا اور کہا کہ لے حاکموں کے بیٹے سے اپنی رقم لے لے۔ اس ستم رسیدہ مصری نے اپنے شہر کے چند دوستوں کے ساتھ جو یہ جانتے تھے کہ اگر ان امیر زادوں کے ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائی تو کل ان کے ظلم و ستم کی کوئی حد و انتہا نہ رہے گی اور ان کی یہ روش بقیہ افراد کے ساتھ بھی یونہی جاری رہے گی اور یہ بیماری ایک سے دوسرے میں سرایت کر جائے گی اور آگے بڑھتی جائے گی۔ مدینہ آئے اور خلیفۂ دوم کے حضور شکایت کر دی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص اور اس کے بیٹے کو بلوایا اور تازیانہ اس مظلوم مصری کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اپنا قصاص لے لو۔ اور جب مصری تازیانہ لگاتا تھا تو حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ مارو اس دو حاکموں کے بیٹے کو۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا اے عمرو بن عاص تیری وجہ سے تیرے بیٹے کو اس ظلم و تعدی کی شہ ملی پس تجھ کو بھی تازیانہ مارا جائے گا۔ [1]

خلیفہ کی اس سخت گیری اور تند خوئی کی عادت کے باوجود نہایت تعجب ہوتا ہے کہ معاویہ کے ان اعمال اور بدعتوں کو جو اس نے جاری کیں حضرت عمرؓ نے کیسے برداشت کیا، جبکہ معاویہ کا کوئی فعل بھی ان سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ معاویہ آہستہ آہستہ اسلامی خلافت کو تبدیل کر کے ملوکیت و شہنشاہی کی بنیاد رکھ رہا ہے اور وہ خود کو کسریٰ عرب کہلواتا ہے [2]۔ اس طرح حضرت عمرؓ معاویہ کے ان قیصرانہ وضع پر اپنی خاموشی سے مہر تصدیق ثبت کر رہے تھے۔ جب کہ حضرت عمرؓ کے لئے معاویہ کو شام کی حکومت سے ہٹانا اور کسی صالح اور

---

[1]۔ مرد نامتناہی تالیف حسن صدر۔ ص ۷۳

[2]۔ الاصابہ ج ۶۔ ص ۱۱۳ ترجمہ معاویہ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۔ ص ۹۱

قابل فرد کو وہاں کا حاکم مقرر کرنا پانی پینے سے بھی زیادہ آسان کام تھا۔ تعجب ہے!

ڈاکٹر وردی عراقی "وعاظ السلاطین" میں اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام گئے تو انہوں نے دیکھا کہ معاویہ زمانۂ قدیم کے ایرانی اور رومی بادشاہوں کی طرح اپنے درباریوں کے ساتھ شاہانہ انداز میں رہتا ہے۔ اس کا دربار رومی اور ساسانی حکومتوں کا رنگ لیئے ہوئے ہے۔ اور وہ اسلام کے پاکیزہ نظام حکومت کو نیست و نابود کر رہا ہے۔ حضرت عمرؓ اس پر غضب ناک ہوئے اور معاویہ سے پوچھا کہ اے معاویہ! تم اس طرح شاہانہ انداز میں رہتے ہو؟ تو معاویہ نے فوراً عذر پیش کر دیا کہ اے امیر المومنین دراصل میں اس علاقے میں رہتا ہوں جہاں دشمن کی سلطنت کی سرحدیں قریب ہیں اس لئے چارو ناچار مجھے بھی ان کی طرح تزک و احتشام کے ساتھ رہنا پڑتا ہے تا کہ وہ مجھے کمزور نہ جانیں اور کمتر نہ سمجھیں۔ ؎۱

ڈاکٹر موصوف اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ معاویہ کے اس جواب سے حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے تھے یا پھر حضرت عمرؓ کے دل میں کوئی ایسی بات تھی جس کی بنا پر انہوں نے معاویہ کی اس روش پر خاموشی اختیار کی۔ ؎۲

کہتے ہیں کہ ابو سفیان اپنے بیٹے معاویہ سے ملنے شام گیا۔ واپسی پر ایک دن حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ابو سفیان سے کہا اے ابو سفیان میرا انعام دو۔ تو ابو سفیان نے کہا کہ اے عمرؓ جب مجھے ہی کوئی شے نہ ملی تو میں تجھے

؎۱۔ نقش وعاظ ص ۱۶۲۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۵۸۶ میں تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ نقل ہے۔

؎۲۔ نقش وعاظ در اسلام ص ۱۶۴

تیرا انعام کیا دوں۔ حضرت عمرؓ نے زبردستی ابوسفیان کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اپنے غلام کو دے کر کہا جاؤ ابوسفیان کے گھر اور ان کی زوجہ ہند کو یہ انگوٹھی دکھا کر کہنا کہ ابوسفیان نے کہلوایا ہے کہ جو تھیلا میں شام سے لایا ہوں وہ دے دو۔ خادم گیا اور تھوڑی دیر میں وہ تھیلا لے آیا جو کہ ۱۰ ہزار درہم سے بھرا ہوا تھا^۱۔ خلیفہ نے یہ تمام رقم بیت المال میں ڈال دیا۔

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ معاویہ نے یہ تمام رقم شام کے بیت المال سے اپنے باپ کو دی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معاویہ کی اس کھلی خیانت کو نادیدہ لیا اور معاویہ سے کوئی بازپرس نہ کی۔

اگر صفحات تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کا معاویہ کے ساتھ جو رویہ رہا ہے اس کی تحقیق کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا جہاں حضرت عمرؓ نے معاویہ کو اس کی جاری کردہ بدعتوں' اس کی خیانتوں پر کبھی کوئی سرزنش کی ہو' یا معاویہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے جو سیاہ و سفید کر رہا تھا حضرت عمرؓ نے اس سے جواب طلب کیا ہو یا اس کو ان سے باز رکھا ہو۔

اس سے بھی بڑھکر حیرت انگیز حضرت عمرؓ کا وہ قول ہے جو انہوں نے بستر مرگ پر کیا اور اسے ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ جب بستر مرگ پر درد کی شدت سے تڑپ رہے تھے تو یہ کہہ رہے تھے: "اے لوگو میرے بعد اختلاف نہ کرنا' تفرقہ بازی سے دور رہنا' وگرنہ

۱۔ الغدیر ج۶۔ ص ۲۷۳

یادرکھنا معاویہ شام میں بالکل تیار بیٹھا ہے اور وہ آکر تم سے یہ حکومت چھین لے گا۔[۱]

یہ قول بخوبی واضح کرتا ہے کہ معاویہ کا ہدف اور غرض حضرت عمرؓ سے پوشیدہ نہ تھا اور وہ کاملاً آگاہ تھے۔

ان تمام واقعات کو دیکھتے ہوئے ذہن میں مختلف سوال ابھرتے ہیں کہ :

(۱) خلیفہ کا اس مکار آدمی اور دشمن اسلام کو جو خود کو کسریٰ عرب کہتا تھا آزاد رکھنے کا کیا مقصد تھا؟

(۲) آیا معاویہ جیسے فرد کو آزاد اور مطلق العنان حکومت بنانے دینا مسلمانوں کے اور اسلام کے حق میں مفید تھا؟

(۳) خلیفہ کی یہ پیش بینی اور کہنا تفرقہ کی صورت میں معاویہ تیار بیٹھا ہے اور آکر تم سے یہ حکومت لے لے گا۔ کیا

فقط مسلمانوں کو اختلاف و تفرقہ سے باز رکھنے کے لئے تھے یا

ابتداء ہی سے معاویہ کو موقع دیا گیا تھا کہ وہ شام میں ایک مضبوط اور شاہانہ حکومت کی بنیاد رکھے تاکہ بنو امیہ کو اتنی تقویت دیں کہ اگر بنو ہاشم مقابلے پر آئیں تو انہیں آہنی ضربات کے ساتھ شکست دی جاسکے۔

آیا وہ یہ چاہتے تھے کہ خواہ جس طرح بھی ہو حضرت علیؑ کو اقتدار سے محروم رکھا جائے؟

ان تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ معاویہ کو اس طرح آزادی دینے میں حضرت عمرؓ کی کونسی مصلحت پوشیدہ تھی۔ دمشق میں فتنہ وفساد

---

[۱]۔ الاصابہ ج ۶۔ ص ۱۱۳۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۔ ص ۹۱ طبیروت

کے اس مرکز کی ترویج سے خدا کی رضا مقصود تھی ؟ یا اسلام اور مسلمانوں کی فلاح منظور تھی ؟ حالانکہ یہ ہی وہ حکومت ہے جو سلطنت اسلامی کے پاکیزہ آئین کو پامال کرنے اور اس کے نظامِ معیشت کی تباہی کی ذمہ داری بنی۔

عبدالرحمٰن بن عوف کو حق تنسیخ دینا

حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد جب انہیں اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو چھ افراد کی ایک مجلس شوریٰ بنائی۔ جس کا کام تھا کہ وہ آئندہ کے لئے خلیفہ انہی چھ افراد میں سے منتخب کرے ۱؎۔ لیکن حضرت عمر نے اس کی ترتیب اس طرح رکھی کہ حضرت علیؑ کا اقتدار میں آنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو سکے اور قریش کے معروف سرمایہ دار عبدالرحمٰن بن عوف کو اس شوریٰ میں کسی بھی فرد کو منسوخ کرنے کا حق دے دیا۔ اس طرح انہوں نے خلافت کو بنو امیہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان کے لئے مضبوط کر دیا۔

عصر حاضر کے مفکر حسن صدر اپنی کتاب "مرد ناتمناہی" میں لکھتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اپنا جانشین بنایا تھا حضرت علیؑ کو اپنے بعد جانشین کر دیتے اور شوریٰ کو اس شرط و شروط کے ساتھ تشکیل نہ دیتے تو کیا قیامت آجاتی ؟ ہاں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ بنو امیہ میں معاویہ سے لے کر مروان تک کسی فرد کو بھی سرکشی و بغاوت کی جرأت نہ ہوتی اور اس طرح اسلام کو بیت المال میں خیانتوں، اقرباپروری، نسلی امتیازات اور جہالت کی رسوم کی دوبارہ ترویج کے ساتھ ساتھ ضعیف الاعتقادی جیسی تباہی سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ اسی

۱؎۔ مجلس شوریٰ کے چھ افراد میں حضرت علیؑ کے علاوہ زبیر، طلحہ، سعد ابن ابی وقاص، عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے۔

تشکیل شوریٰ کی وجہ سے امام علیؑ کی بے مثال فہم و فراست' اخلاقی اور جسمانی صلاحیتیں اور شجاعت ۱۸ سال تک دوستوں اور مسلمانوں کی نفاق کی نذر ہو گئیں۔ اور حضرت عمرؓ کی یہی معاویہ کی سرپرستی تھی کہ فتنۂ خوارج ظہور پذیر ہوا۔ اگر یہ فتنہ خوارج ظاہر نہ ہوتا تو آئندہ ایک طویل مدت تک بلکہ جب تک خدا چاہتا آپؑ اسلام کے پاکیزہ اور ملکوتی اصولوں کو جو تمام دنیا کی اقوام و ملل کے لئے بصورت جمہوریت اور اسلامی مساوات کے قابل قبول ہوتے رائج کرنے کا موقع ملتا۔ اور یوں انسانیت اس وقت بھی اور آئندہ بھی ایک درخشان نظام حیات کو حاصل کرتی۔ (مرد نامتناہی۔ ص ۱۴۴)

لیکن افسوس ہے کہ خلیفہ نے ایسا نہ کیا اور قریش کے اس سرمایہ دار کو جسے بقول ابن قتیبہ "فرعون امت ۲" کہا جاتا تھا نیز وہ حضرت عثمانؓ بن عفان کا ہم زلف تھا اور یقینی تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے لئے جانبداری سے کام لے گا۔ اس کے ساتھ امراء و روساء قریش کی طرح کمزوروں اور غریبوں پر ظلم و ستم روا رکھنے میں پیش پیش ہے۔ یہ سب جانتے ہوئے حق تنسیخ اس فرد کو دے دیا اور یوں کہا:

"جو بھی امیدوار اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے گا بلا دریغ قتل کر دیا جائے گا۔ اگر شوریٰ نصف ارکان ایک امیدوار اور نصف دوسرے کے حق میں فیصلہ دیں تو میرا بیٹا عبداللہ مشیر کی حیثیت سے جس کو بھی منتخب کر دے وہ خلیفہ ہو گا' اور اگر عبداللہ کی رائے کو قبول نہ کیا گیا تو جسے عبدالرحمٰن بن عوف کی حمایت حاصل ہو گی وہ خلافت کا حقدار قرار پائے

۲۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱۔ ص ۲۴

گا"۔ (تاریخ کامل ج ۳، ص ۳۵، تاریخ یعقوبی۔ ج ۲، ص ۱۱۲ میں مصدر امام مشورت عبد اللہ نقل ہوا ہے۔)

حضرت عمرؓ نے کہا کہ حسنؑ بن علیؑ، عبد اللہؓ ابن عباس، اعزازاً مجلس شوریٰ میں شریک ہوں گے لیکن ان کو امیدوار بننے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ میرا بیٹا مشیر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کو خلافت کے لئے ووٹ نہ دیا جائے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ:

۱۔ اولاد خطاب میں سے ایک ہی فرد کا مسند خلافت پر فائز ہونا کافی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ عبد اللہ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کے فیصلہ کی بھی قوت نہیں رکھتا۔ (الامامۃ والسیاسۃ۔ ج ۱، ص ۲۴، تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۱۲ طبیروت)

لیکن اس تمام غیر جانبداری کو پیش کرنے کے ساتھ حضرت عمرؓ نے امام علیؑ کے مسند خلافت پر آنے کی ہر راہ اور احتمال کو اس طرح مسدود کر دیا تھا کہ پہاڑ تو اپنی جگہ چھوڑ سکتا تھا لیکن حضرت علیؑ کے لئے خلیفہ ہونا ممکن نہ رہا۔ کیا حق تنسیخ عبد الرحمٰن کو دینے اور عبد اللہ کو مشیر بنانے، سعد ابن ابی وقاص کی حضرت علیؑ سے وہ باطنی دشمنی کے بعد ممکن تھا امام علیؑ مسند خلافت پر فائز ہو جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ان تمام شرائط کو سننے کے بعد اپنے چچا عباس بن عبد المطلب سے فرمایا: "خلافت ہمارے ہاتھ سے گئی" ۳۔ اور اسی طرح عبد اللہ ابن عباس نے سرگوشی کی کہ "عمرؓ چاہتا ہے کہ عثمان خلیفہ بنے" ۴۔

المختصر خلیفہ نے شروع میں پہلے طبقاتی کشمکش کا آغاز کیا۔ پھر شام میں معاویہ

۳۔ کامل ابن اثیر ج ۳۔ ص ۳۵۔

۴۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۳۔ ص ۹۳ طبیروت

کو مطلق العنان اور آزاد بنایا اس کی بد عنوانیوں 'بد عتوں سے دانستہ چشم پوشی کی ' حق تنسیخ عبد الرحمٰن بن عوف کو دے کر اصل میں خلافتِ عثمان کے لئے راہ ہموار کر کے ملت اسلامیہ کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا اور آخر میں دنیائے اسلام کو بنو امیہ کے اختیار میں دے دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہو سکتا ہے ایک عام شخص کی بد دیانتی اور غلطی اس تک ہی محدود رہے لیکن صاحب اقتدار اور ذمہ دار فرد کی غلطی پوری قوم و ملت کو صدیوں کے لئے مفلوج و بد بخت بنا دیتی ہے۔ فرق ہے ایک عام فرد کی بڑی غلطی میں کہ وہ ازروئے اشتباہ اور خیانت اپنے کھلیان کو آگ لگا دے جبکہ ایک ذمہ دار فرد کی ایک چھوٹی غلطی سے (کیونکہ ذمہ دار فرد کی چھوٹی غلطی بھی بڑی ہے) خواہ اب وہ معاہدہ ترکمانچی ہو کہ پوری قوم کو غلط بننا پڑا اور یا اپنے دشمن محمود افغان کے سر پر اپنا تاج رکھنے کی غلطی کہ پوری ایرانی قوم کی آزادی داؤ پر لگ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ خلیفہ دوم کی کار گزاریوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حقیقت امر یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اپنے کارناموں کی وجہ سے اسلام اور دنیائے اسلام کے مستقبل کو تباہی سے دوچار ہونا پڑا نیز ظالموں 'بد کاروں کے تسلط کے لئے راہ ہموار کر دی۔

شگاف مزید گہرا اور وسیع ہو گیا

شوریٰ کی محدودیت 'حضرت عمرؓ کی عائدہ کردہ پابندیوں 'عبد الرحمٰن کو دئے گئے حق تنسیخ نے اپنا کام کر دکھایا اور حضرت عثمانؓ بن عفان نے زمام امور حکومت اپنی گرفت میں لے لی۔ حضرت عثمانؓ کے مسند خلافت پر آنے سے بنو امیہ کے سرمایہ داروں اور بدکاروں کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا۔ حضرت عمرؓ کا

تازیانہ اور انکی وہ سخت گیری جو نادار طبقے پر ظلم کی راہ میں رکاوٹ تھی وہ بھی درمیان سے ہٹ گئی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان، حضرت عثمان بن عفان کی حکومت کے بعد تاریخی کوہ اُحد، جو مدینہ سے چھ کلو میٹر کی مسافت پر ہے گیا اور رسول اللہؐ کے چچا جناب حمزہ کی قبر پر پاؤں رکھ کر کہنے لگا اے ابا یعلی اٹھو اور دیکھو جس کے لئے تم نے ہم سے جنگ کی اب وہ ہمارے ہاتھ آگرا ہے ا۔ اور یہی ابوسفیان تھا جس نے حضرت عثمانؓ سے کہا تھا: اب جبکہ ابوبکر وعمر کے بعد خلافت تمھارے پاس ہے، تو محتاط رہنا اور کوشش کرنا کہ یہ خلافت ہمارے ہی خاندان میں ایک کے بعد دوسرے کو ملتی رہے۔ اپنے عمال کو بنوامیہ ہی سے منتخب کرنا، یہ خلافت وغیرہ کچھ نہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ بادشاہی اور سلطنت ہے۔ جنت ودوزخ کچھ نہیں صرف کہانیاں ہیں۔ ؎ ۲

یہی الفاظ ابوسفیان نے فتح مکہ کے روز عباس بن عبدالمطلب سے کہے تھے اور عباس عم جناب رسول خداؐ نے جواب دیا تھا کہ نہیں ابوسفیان یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔ ؎ ۳

اب ہم خلافت حضرت عثمانؓ میں بے روک ٹوک بیت المال کے ناجائز استعمال، امراء ورؤسا کی بدعنوانیوں ان کے فحشاو منکرات کو انجام دینے، آواز حق بلند کرنے والوں پر ان کے مظالم، امور حکومت میں بے قاعدگیوں، رعایا محنت کش اور زحمت کش طبقے کی محرومیوں اور بدحالی کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

؎ ا۔ نقش وعاظ در اسلام ص ۱۵۷ تالیف دکتور وردی۔

؎ ۲۔ الغدیر ج ۸۔ ص ۲۷۸ بنقل از الاستیعاب ج ۲ ص ۲۹۰۔ مروج الذہب اور تاریخ طبری و تاریخ ابن عساکر

؎ ۳۔ سیرۃ ابن ھشام ج ۲ ص ۲۶۸

حضرت عثمان نے اپنی ایک بیٹی عبداللہ ابن اُسید کے نکاح میں دی اور بصرہ کے حاکم کو لکھا کہ میرے اس نئے داماد کو چھ لاکھ (۶۰۰۰۰۰) درہم دے دو۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۱۸)

اور خود افریقا کی جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت کا خمس جو پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) دینار بنتا تھا اپنے چچازاد بھائی، دست راست مروان بن حکم کو بخش دیا۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۳۲)

اپنی ہر بیٹی کے لئے الگ الگ خصوصی محل بنوائے جن کی تعداد سات تھی۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۳۲)

فدک کا ذرخیز اور آباد قصبہ جو شرعاً جناب فاطمہ زہرا کا حق تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں غصب کر لیا گیا تھا، مروان کے خاندان کو ہبہ کر دیا جو کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک مروان کے خاندان ہی کے پاس رہا۔ [۲۰]

اپنی چار بیٹیوں کی قریش کے چار افراد سے شادی کی اور انہیں سے ہر ایک کو ۱۰۰۰۰۰ (ایک لاکھ) دنیار دیئے۔ اپنے چچا حکم بن ابی العاص کو قبیلۂ قضاعہ سے صدقات کے جمع کرنے پر مامور کیا اور مجموعہ صدقات جو ۳۰ لاکھ بنتے تھے سب اس کو ہی بخش دیئے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ا ص ۲۸۷، ۲۸۸)

حکم بن ابی العاص وہ فرد ہے جس کو رسول خداؐ نے اپنے زمانے میں مدینہ سے نکال دیا تھا اور یہ حضرت عمرؓ کے زمانے تک شہر بدر رہا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے نہ صرف اس کو مدینہ بلوا لیا بلکہ مسلمانوں کی اتنی کثیر دولت اس کے اختیار میں دے

---

[۲۰] شیعہ اور اہل سنت دونوں نے ہی نقل کیا ہے کہ فدک رسول خداؐ نے جناب فاطمہ زہرا کو ہبہ کیا تھا جس کو حضرت ابوبکر نے چھین لیا تھا۔ کتاب نص والاجتھاد شرف الدین صفحہ ۲۵ الغدیر ج ۷ ص ۱۹۰ دیکھئے

دی۔ ؎۱

حضرت عثمانؓ نے اپنے قتل کے وقت وادیٔ القری اور حنین وغیرہ میں ایک لاکھ دینار کی جائیداد چھوڑی تھی جبکہ اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد بہت تھی ؎۲ خلافت حضرت عثمانؓ میں ان کے دوستوں نے خوب ہی مال و دولت' جائیداد جمع کی۔ خود خلیفہ ثالث نے اپنے خزانچی کے پاس دس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار کی رقم جمع کر رکھی تھی۔

اسی طرح زبیر نے اپنے مرنے کے بعد ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار کنیزیں ترکے میں چھوڑیں۔ اس کی صرف ایک جائیداد کی قیمت پچاس ۵۰۰۰۰ دینار بنتی تھی اور عراق میں طلحہ کی روزانہ کی آمدنی ایک ہزار دینار تھی اس کے علاوہ سراۃ کے علاقے میں اس سے کہیں زیادہ وصول کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کے اصطبل میں ایک ایک ہزار اونٹوں' گھوڑوں کے علاوہ ایک ہزار بھیڑیں بھی موجود تھیں۔ اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کے ایک چوتھائی حصے کی قیمت ۸۴ ہزار دینار تھی۔

زید بن ثابت نے سونے اور چاندی کے ایسے ڈھیر چھوڑے تھے جن کو کلہاڑے کی مدد سے توڑ کر قابل استعمال بنایا گیا۔ اس تمام دولت کے ساتھ ایک لاکھ مالیت کی جائیداد اور زرعی زمینیں الگ ترکہ میں چھوڑی تھیں۔ زبیر نے بصرہ' مصر' اسکندریہ میں بہت سے شاہانہ گھر بنوایے تھے۔ ؎۳

مندرجہ بالا تفصیل خلیفہ سوم اور ان کے عمال کی دنیا پرستی' بدعنوانیوں اور

؎۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۰۵۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۳۵

؎۲۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴

؎۳۔ تاریخ جرجی زیدان ج ۱۔ ص ۸۷ ترجمہ جواہر الکلام۔

ملک وملت کے خزانے کی تاراجی کا ایک مختصر نمونہ ہے۔

یہ تمام مال ودولت یقیناً محنت کش طبقے پر ستم' غیر شرعی اور ناجائز طریقوں سے جمع کی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت حضرت عثمانؓ میں آقاؤں کی غلاموں پر سخت گیری' طبقاتی کشمکش' قانون کے اجراء میں سرمایہ داروں کی مداخلت اور طرفداری' اصلاح طلب کرنے والوں کی قید و بند اور ان کا قتل' کمزوروں کے اموال کا غصب' حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بہت ہی عام ہو چکا تھا۔

حیاۃ الحیوان میں دمیری رقمطراز ہے کہ اکیلے حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار غلام و کنیزیں تھیں۔ جیسا کہ قبلاً ذکر ہو چکا ہے کہ زبیر ایک ہزار کنیزیں رکھتے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عثمانؓ و زبیر ان بیچارہ غلاموں اور کنیزوں کو روٹی' کپڑا فراہم کرتے تھے؟ جواب نفی میں ہے کیونکہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے یہ محکوم افراد مجبور تھے کہ شرفاء مدینہ کے گھروں اور کھیتوں میں کام کریں تاکہ نہ صرف اپنی ضروریات پوری کریں بلکہ اپنے آقاؤں کے لئے ان کی معین کردہ رقم بھی فراہم کر سکیں۔ (حیاۃ الحیوان۔ ج ۱' ص ۵۳)

آیا یہ زرخرید اور محکوم افراد ان حالات میں خود کو نیک بخت نظر آتے ہوں گے؟ کیا اسلام کی اجتماعی عدالت کا نظام یہ تھا کہ ایک طبقہ اپنی توانائی سے زیادہ محنت و مشقت کرے اور اس کی وہ تمام خون پسینے کی کمائی عیش نوش اور سست و کاہل امراء کی جھولی میں ڈال دی جائے؟

بہت ہی ناانصافی ہو گی اگر مندرجہ ذیل واقعہ کو تحریر میں نہ لایا جائے کیونکہ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ فساد و خرابی کہاں تک پہنچ چکی تھی۔ قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی آیت ۳۴ میں خدا فرماتا ہے:

"یاایھاالذین امنوا ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم"۔

"اے ایمان والو! جان لو کہ نصاریٰ اور یہود کے بہت سے عالم ایسے ہیں جو عوام کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ اور انہیں راہ خدا سے دور لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں عذاب الیم کی خبر دے دو"۔

ظاہراً اس آیہ کے شروع میں اہل کتاب کے علماء اور ان کے راہبوں پر تنقید کی گئی ہے اور آیت کے درمیان جملہ (والذین یکنزون) کو اگر بغیر "واوٗ" کے لکھا جائے تو یہ ان ہی علماء و یہود و نصاریٰ سے مخصوص ہو جائے گا۔ یعنی نصاریٰ و یہود کے علماء جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ جملہ واوٗ کے ساتھ لکھا جائے تو یہ "واوٗ" استیناف ہو گی اور یہ حکم عام ہو جائے گا یعنی سونا چاندی جمع کرنے والے افراد خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ان کو عذاب الیم کی خبر دے دو۔

جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی تفسیر دُر المنثور میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب قرآن کی تحریر و تدوین کا کام شروع ہوا تو کوشش کی گئی کہ والذین یکنزون.... سے واوٗ کو حذف کر دیا جائے لیکن صحابی بزرگوار ابی بن کعب نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر واوٗ کو حذف کیا تو میں تلوار نیام سے باہر نکال لوں گا۔ پس ناچار واوٗ کو ویسے ہی لکھنا پڑا جیسا کہ خدا نے اپنے قرآن میں وحی کی تھی۔

(الدار المنثور ج ۳ ص ۲۳۲ سطر ۳۲)

اب اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کی دستگاہ کی رسوائی کہاں تک پہنچ چکی تھیں۔ سرمایہ داروں کی بد عنوانیاں' انکی دولت پرستی جامعہ اسلامی میں کس قدر رخنہ انداز ہو چکی تھیں کہ وہ لوگ اپنے اس ظالمانہ نظام کی تائید کے لئے قرآن میں ردّوبدل کرنے پر تیار تھے۔ اگرچہ ابی بن کعب کے اصرار پر انہیں اس آیہ کو صحیح لکھنا پڑا لیکن پھر بھی حضرت عثمانؓ کے مقربین خاص سرمایہ داروں کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا۔

بخاری نے اپنی صحیح میں اور کتاب اسباب النزول میں واحدی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ابوذرؓ غفاری جناب رسول خداؐ کے نیک طینت اور راست گو صحابی تھے۔ اکثر و بیشتر معاویہ کو سونا چاندی اور مال و زر جمع کرنے سے جناب ابوذرؓ روکتے تھے اور اس آیت کا حوالہ دیتے تھے لیکن معاویہ ہمیشہ ان کو یہ جواب دیتا کہ یہ آیت اہل کتاب کیلئے ہے مسلمانوں کے لئے نہیں۔ جناب ابوذرؓ کہتے: اس میں سب کو شامل کیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب ۶۵ تفسیر سورۂ توبہ کتاب اسباب النزول واحدی ص ۱۴۰)

آزادی کے طلبگاروں پر سختیاں اور انکی جلاوطنی

حضرت عثمانؓ نے حکومت کے عمّال اور تمام حکام کو اپنے طرفداروں' بنو امیہ کے افراد سے منتخب کیا اور لیاقت دیکھے بغیر ان کو اہم عہدوں کی ذمہ داری سونپ دی۔ نتیجتاً قوم کے صالح اور اسلامی اصولوں کے نفاذ کے طرفداروں نے اعتراض و تنقید کرنا شروع کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی صحیح بات اور مطالبہ کو سننے کی بجائے ان حق کے طلبگاروں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ ابوذرؓ غفاری جو کہ ایک بزرگ اور سچے صحابی تھے انہوں نے جب خلیفہ کے اس ناروا سلوک پر

اعتراض کیا تو انہیں شام کی طرف شہر بدر کر دیا۔ شام کا حاکم بد تر تھا۔ معاویہ کی جاری کردہ بدعتوں اور اس کے ان تمام کاموں پر جو وہ اسلامی حکومت کو ملوکیت اور شہنشاہیت میں تبدیل کرنے کے لئے کر رہا تھا ابوذرؓ غفاری نے یہاں بھی آواز حق بلند کی اور زبردست احتجاج کیا۔ معاویہ نے اس کی خبر خلیفہ ثالث کو دی اور ان کے کہنے کے مطابق بہت ہی بے رحمانہ انداز میں دوبارہ مدینہ بھیج دیا۔ آواز حق بلند کرنے والی یہ زبان ابوذرؓ اب بھی حق کا دفاع کرتی رہی۔ لیکن خلیفہ ثالث نے اب بھی اصلاح کی بجائے تشدد سے کام لیا اور آخر کار جناب ابوذرؓ پر حکومت اسلامی کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر انہیں ربذہ کے بے آب و گیاہ ریگستان میں جلاوطن کر دیا جہاں انہوں نے انتہائی غم واندوہ کے عالم میں انتقال فرمایا۔

کوفہ میں عبداللہ بن مسعود نے جناب ابوذرؓ کے ساتھ خلیفہ کے اس ناروا سلوک پر اعتراض کیا تو والئ کوفہ نے جو کہ حضرت عثمانؓ کا دوست اور فرمانبردار ساتھی تھا ان کے اس اعتراض کو خلیفہ کے گوش گزار کر دیا اور پھر خلیفہ کے کہنے پر عبداللہ بن مسعود کو کوفہ سے مدینہ بجھوادیا۔ جہاں مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خلیفہ کے سیاہ فام غلام نے انہیں اتنا مارا کہ ان کے دانت ٹوٹ گئے۔ پھر انہیں ان کے گھر میں قید کر دیا گیا اور اسی عالم میں ان کا انتقال ہوا۔

(الغدیر۔ ج ۹، ص ۳ کے بعد)

اسی طرح کوفہ کے بزرگ افراد مثلاً مالک اشتر، زید، صعصعہ، جندب، کمیل بن زیاد وغیرہ.... جیسے افراد کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد حضرت عثمانؓ نے معاویہ کو لکھکر انہیں سوریہ کے ایک شہر حمص بھیج دیا جہاں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے سپرد کر دیا گیا؎ ا۔ خالد بن ولید کا یہ بیٹا ایک ظالم و

جابر اور بدکار آدمی تھا۔ اس نے ان افراد کے ساتھ بہت ہی رسواکن رویہ اختیار کیا۔ وہ انہیں بے عزت کرنے کے لئے روزانہ اپنے گھوڑے کے ساتھ ایک فرسخ تک پیدل دوڑاتا تھا تاکہ اس طرح یہ لوگ سختیاں سہتے سہتے ہی ختم ہو جائیں۔ ؎۲ نیز عامر بن عبد قیس کو شام۔ ؎۳ اور عبدالرحمٰن بن حنبل صحابی کو خیبر کے قلعہ قموص کی طرف شہر بدر کیا گیا۔ ؎۴

اصحاب کبار میں سے حضرت عمار یاسر کے ساتھ بھی اس سے کمتر ظالمانہ رویّہ نہ تھا۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے والد جناب یاسر اور والدہ سمیّہ نے ابو جہل کے خنجر سے جام شہادت نوش فرمایا تھا اور خود جناب یاسر نے اسلام کی خاطر مشرکین مکہ کے بہت سے مظالم برداشت کئے تھے۔ حتیٰ کہ مشرکین مکہ ان کے جسم کو جگہ جگہ سے جلا کر شکنجہ میں کس دیتے تھے لیکن ان کی آواز حق اللہ احد پھر بھی جاری رہتی۔ اپنے اس ایمان کی بنا پر وہ اسلام کی ایک معزز ہستی بن گئے تھے۔ مدینہ کے بعض صحابہ نے خلیفہ کی بدعنوانیوں اور ان کے بعض ناشائستہ اعمال کی نشاندہی کے لئے خلیفہ کو خطوط لکھے۔ انہوں نے یہ خطوط جناب عمار یاسر کو دیئے کہ یہ خلیفہ تک پہنچا دیں۔ جناب عمار یاسر چند صحابہ کے ساتھ قصر خلافت کی طرف چلے۔ یہ صحابہ خلیفہ کی سخت گیری اور ظلم کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر ایک ایک کر کے جناب عمار یاسر کو اکیلا چھوڑ گئے لیکن جناب عمار یاسر نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دق الباب کیا اور خلیفہ کے حضور یہ خطوط لے کر پہنچ گئے۔ خلیفہ اس وقت مروان

؎۱۔ الغدیر ج ۹۔ ص ۳۱ کے بعد۔

؎۲۔ گفتار ماہ شمارہ۔ ا ص ۱۲۲۔ سال اول سخنرانی حاج میرزا خلیل کی پہلی مجلس

؎۳۔ الغدیر ج ۹۔ ص ۵۴۔ عقد الفرید ج ۲۔ ص ۱۸۴

؎۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۲۲

بن حکم اور چند دوسرے بنو امیہ کے افراد کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے ان خطوط کو پڑھا تو سخت برہم ہوئے اور پوچھا کیا تم نے ان خطوط کو لکھا ہے؟ جناب عمار یاسر نے جواب دیا ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون کون شامل تھے۔ جناب عمار یاسر نے جواب دیا۔ بہت سے اصحاب رسولؐ تھے لیکن تمہارے خوف کی وجہ سے تمہارے سامنے آنے کی کی جرأت نہ کر سکے۔ خلیفہ نے کہا ان کے نام بتاؤ۔ جناب عمار یاسر نے جواب دیا میں ہرگز ان کے نام نہ بتاؤں گا۔ خلیفہ نے پوچھا ان تمام افراد میں تم نے کیوں جرأت کی؟ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ مروان نے درمیان میں کہا امیر المومنین اس غلام سیاہ نے تمہارے فلاں لوگوں کو بھڑکایا ہے اگر آپ اسے قتل کر دیں تو دوسرے لوگوں کو عبرت ہو گی۔ یہ سن کر خلیفہ نے حکم دیا اسے مارو۔ یہ سنتے ہی خلیفہ کے طرفداروں' دوستوں نے جناب عمار یاسر کو مارنا شروع کر دیا حتیٰ کہ خود خلیفہ نے اپنا عصا لے کر جناب عمارؓ یاسر کو مارنا شروع کر دیا۔ اس خدا پرست نیک طینت صحابی کو اتنا مارا کہ ان کا پردۂ شکم پھٹ گیا اور وہ فتق میں مبتلا ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے پھر ان لوگوں نے اسی عالم بے ہوشی میں انہیں گھسیٹ کر قصر خلافت کے دروازے سے باہر پھینک دیا۔ ام المومنینؓ جناب ام سلمہؓ نے جب انہیں اس عالم میں دیکھا تو اٹھا کر اپنے گھر لے گئیں۔ ۱۰

ہم نے قبلاً تحریر کیا ہے کہ ابو سفیان نے حضرت عثمانؓ کو وصیت کی تھی کہ خلافت یکے بعد دیگرے بنو امیہ ہی کے خاندان میں رہے۔ اپنے عمال بنو امیہ سے انتخاب کرنا اور جان لو کہ یہ سلطنت و شہنشاہیت ہے۔ خلافت وغیرہ 'جزا و سزا'

۱۰۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۳۲۔ ۳۳۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۹۱۔

جنت و دوزخ کچھ بھی نہیں ہے ۔[۱] مصنف کا خیال ہے کہ ابو سفیان کی اس نصیحت نے حضرت عثمانؓ اور ان کے حامیوں پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ کیونکہ بنو امیہ ابو سفیان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اس کا احترام کرتے اور اس کے اقوال پر عمل کرتے تھے۔

شاید اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بیت المال کو بنو امیہ کے فائدے اور بخشش کے لئے تاراج کیا گیا۔ شہروں کی حکومتیں ان کے نام کر دی گئیں۔ امور حکومت، محکمہ عدالت اور سب کچھ ان کے ہاتھوں میں دے دیا گیا تھا۔ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ معاویہ اذان میں رسالت کی گواہی سے بے چین ہوتا تھا اور وہ اس فکر میں تھا کہ کس طرح اذان سے نام محمدؐ کو حذف کیا جائے۔ آیا یہ تمام کام ابو سفیان کی وصیت کی پیروی نہ تھے ؟

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنو امیہ کے ان حاکموں کی دست درازیاں اور ظلم و ستم بڑھتے گئے اور بے شرمی حد سے گزر گئی۔ حاکم کوفہ ولید بن عقبہ جو کہ حضرت عثمانؓ کا مادری بھائی تھا ایک صبح شراب کے نشے میں دھت مسجد میں آیا اور صبح کی نماز دو کی بجائے ۴ رکعت پڑھا دی اور پھر پوچھنے لگا اور پڑھا دوں۔ یہ کہتے کہتے اسے قے ہوئی اور وہ تمام شراب اور جو کچھ اسکے معدے میں تھا محراب مسجد میں اگل دیا۔[۲]

ایک شخص نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ میری بیٹی جو اپنے چچازاد سے منسوب ہے حاکم کوفہ اسے مانگتا ہے۔ میں نے اس کی بیحد منت و سماجت کی لیکن وہ نہ مانا اور اس نے مجھے شہر بدر کر دیا۔

۱۔ الغدیر ج ۶۔ ص ۲۷۸ نقل از تاریخ ابن عساکر

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۱۵۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱۔ ص ۳۲

ایک دوسرے شخص نے شکایت کی: اے خلیفہ میں نے حاکم بصرہ کی دعوت کی تھی۔ دعوت کھانے کے بعد جب وہ رخصت ہوا تو اس نے اپنے خادم کو بھیجا اور حکم دیا کہ گھر کے تمام اسباب اور خدمتگاروں کو میرے حوالے کر دو۔ میں نے بہت فریاد و بکا کی اور کہا کہ سب کچھ میرا نہ تھا بلکہ یہ اسباب و خدمتگار میرے پڑوسیوں کے تھے لیکن وہ نہ مانا اور اس نے مجھے قید کر دیا اب میں اس کی قید سے فرار ہو کر آپ کے پاس انصاف کے لئے آیا ہوں۔

تیسرا شخص یوں فریاد کر رہا تھا: اے خلیفہ میری سالانہ آمدنی ۱۰۰۰ دینار ہے اور حاکم مصر مجھ سے ۵۰۰۰۰ مالیات طلب کر رہا ہے یہ ظلم کی انتہا ہے۔ اب یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں مملکت اسلامی سے فرار ہو کر دامن کفر میں پناہ لوں ۔[۱]

مصر کے مظلوم و محروم لوگوں نے حاکم مصر عبد اللہ بن ابی سرح کے خلاف حضرت عثمان سے شکایت کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ کی طرف سے ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ان کے مطالبہ کو پورا کیا جائے گا۔ آخر کار یہ مظلوم اور ستم رسیدہ افراد خوشی خوشی اپنے نئے نامزد شدہ گورنر محمد بن ابی بکر کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔

راستے میں انہوں نے ایک شتر سوار دیکھا جب قریب گئے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عثمان کا خاص غلام (ورش) ہے۔ ان لوگوں نے جب اس سے باز پرس کی تو شک ہوا آخر تلاشی لینے پر اس کے پاس سے خلیفہ کا عبد اللہ ابن ابی سرح کے نام ایک فرمان ملا جس میں عبد اللہ ابن ابی سرح کی بر قراری کا حکم تھا اور اس کے ساتھ تحریر تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو فلاں فلاں کو قتل کرنا فلاں فلاں کے

۱۔ ترورهای سیاسی ص ۸۔ ۷ سید حسین یکرنگیان

ہاتھ کاٹنا اور فلاں فلاں کے ساتھ یہ سلوک کرنا ان لوگوں نے جب یہ پڑھا تو وہیں سے مدینہ واپس آگئے ۔۱۔

اسی دوران کوفہ و بصرہ کے شکایت کنندگان اور ستم رسیدہ افراد بھی مدینہ آگئے اور یوں وسیع پیمانے پر بغاوت کا آغاز ہو گیا' مدینہ کے ستم خوردہ لوگ بھی اب ان کے ساتھ مل گئے' حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے پیراہن جناب رسول خدا ہاتھوں پر اٹھا کر کہا: "اے مسلمانوں ابھی تو رسول خدا(ص) کا پیراہن بھی بوسیدہ نہیں ہوا کہ اس عثمان نے دین کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا ہے" ۔۲۔

انصاف کے طلبگار انقلابیوں نے ۴۰ دن تک خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کئے رکھا ۔۳۔ وہ اپنی تلواروں کو لہراتے ہوئے مطالبہ کرتے تھے کہ خلافت سے دست بردار ہو جاؤ۔ وہ کہتے تھے: "اخلع نفسك من هذاالامر كما خلعك الله منه" ۔۴ خلافت سے دست بردار ہو جاؤ کہ خدا نے تمہیں خلافت سے ہٹا دیا ہے۔ نیز حضرت عثمانؓ بن عفان کے دست راست مروان بن حکم کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خلیفہ اس مدت میں خلافت سے دست برداری اور مروان کے خلاف کاروائی سے مسلسل انکار کرتے رہے۔ جناب حسنؑ و حسینؑ اور بعض مہاجرین کے لڑکے خلفیہ کے گھر کا دفاع کر رہے تھے۔ کہ شاید فریقین کے درمیان کچھ مصالحت ہو جائے لیکن خلیفہ ثالث نے ان کی کسی بات کو نہ مانا آخر کار

۱۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۴۱

(۲۔ ۳)۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴۔

۴۔ الغدیر ج ۹۔ ص ۸۳ واقدی نے نقل کیا ہے۔

ان بلوائیوں میں سے چند افراد نے خلیفہ کے گھر کی عقبی دیوار پھاند کر انہیں قتل کر دیا۔ ۱

ان اصلاح طلب انقلابیوں کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ ان زحمت کش اور محروم طبقے کا تھا جن کی ہڈیوں تک خلیفہ کے ظالم عمال کے ظلم کے خنجر پیوست ہو چکے تھے۔ ان میں بنی زہرہ، ہذیل، بنی مخزوم، غفار قبائل اور انکے ہم خیال افراد تھے ۲۔ دوسرے گروہ میں رسول خدا (ص) کے وہ پاک دل، پاک دامن اصحاب تھے جو خلافت حضرت عثمانؓ کے ان مایوس کن نتائج اور حکومت اسلامی میں ہونے والے تغییر سے خوف زدہ تھے۔ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اسی وجہ سے معاویہ کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے ایک ہزار ایک سو ستر (۱۱۷۰) صحابہ کرام نے جنگ صفین میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیا اور معاویہ کے لشکر میں فقط دو صحابی تھے۔ ۳

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ بنو امیہ قتل عثمان پر راضی تھے تاکہ اس طرح ان کے خون بہا کے حیلہ سے اپنے آئندہ کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں اور نہ ہی اس سے کام ہے کہ خود مروان اس شورش کی آگ کو بھڑکا رہا تھا اور در پردہ معاویہ کے ساتھ اس سازش میں شریک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قتل عثمان کے فوراً بعد ان کی خون آلود قمیض شام پہنچادی گئی تھی۔ ہمیں اس سے بھی سروکار نہیں کہ خلفیہ ثالث کی مدد کے لئے ظاہراً شام سے جس فوج کے بھیجنے کا حکم دیا گیا تھا

۱۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۴۱

۲۔ مروج الذہب ج ۱۔ ص ۴۴۱۔ شورش کرنے والوں کے بارے میں تفصیل کے لئے مروج الذہب کو دیکھیں۔

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۳۴

اُسے دربردہ شام سے نکلنے کی اجازت کیوں نہ دی گئی اور خود معاویہ شام میں قتل عثمان کے انتظار میں بیٹھا رہا تاکہ اس طرح بعد میں خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر کے اپنے لئے راہ ہموار کرے۔

اصل یہ ہے کہ حاکموں کے ظلم و ستم اور ان بد عنوانیوں پر مسلمانوں کا باغی ہو جانا ایک عام اور طبیعی بات تھی۔ وہ معاشرہ جہاں کی اکثریت محروم اور ستم رسیدہ ہو اور حکومت کے قوانین آرام طلب' عیاش اقلیت کے فائدہ کے لئے بنائے جاتے ہوں' حکومت و حاکموں کے منظور نظر افراد ہی زندگی کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں' حکومت کا خزانہ فقط سرمایہ داروں اور ظالموں کے لئے وقف ہو۔ ایسے معاشرے میں انقلاب' انفجار اور بغاوت کے علاوہ کیا امید کی جا سکتی ہے۔

امید کی کرن

قتل حضرت عثمانؓ کے بعد لوگوں کے بے حد اصرار پر حضرت علی علیہ السلام مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگوں نے آپؑ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ کیونکہ فقط حضرت علیؑ ہی تھے جو گزشتہ پچیس سالوں سے تعلیمات اسلامی سے وفادار تھے اور ان پر عمل پیرا تھے۔ صحابہ کبار اور معاشی نظام کی اصلاح کے طلبگار جانتے تھے کہ سوائے حضرت علیؑ اور کوئی نہیں جو ان کی خواہشات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ طلحہ و زبیر' سعد بن وقاص وغیرہ سے بھی کسی نیکی کی امید نہ تھی کیونکہ ان افراد کا دامن بھی دولت پرستی' ذخیرہ اندوزی اور خلاف اسلام اعمال سے داغدار تھا۔ لوگ بعد از قتل حضرت عثمانؓ جس انقلاب کے طلبگار تھے وہ فقط حضرت علیؑ کے ذریعے ہی وجوذ میں آسکتا تھا۔ اگر طلحہ و زبیر' سعد بن وقاص جیسے افراد کو خلافت دے دی جاتی تو خلیفہ ثالث کی ان بد عنوانیوں میں سونے پر

سہاگے کا کام کرتی۔

حضرت علی علیہ السلام کو مسند خلافت پر آنے سے گزشتہ حکومت کے طرفداروں اور بنو امیہ کے افراد کو سخت پریشانی و تشویش ہوئی کیونکہ وہ اس نئے خلیفہ کے افکار عالیہ، کردار و عمل سے خوب واقف تھے اور یقین رکھتے تھے کہ ان کی حکومت کا مقصد سو فی صد عدالت الٰہی کا اجراء، محروم و زحمت کش طبقے کو مراعات دینا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امامؑ طاقتور اور کمزور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سب کو پورا پورا انصاف دیں گے۔ انہیں اس میں بھی شک نہ تھا کہ اب بد دیانت افراد اور وہ جنہوں نے بیت المال کو ناجائز استعمال کیا تھا، جو لوگوں کے مال کے مالک بنے بیٹھے تھے عوام کے مفاد کی خاطر پانی پر سے جھاگ کی مانند غائب ہو جائیں گے۔

امام علی علیہ السلام نے بیعت کے دوسرے ہی روز اپنے آئندہ کے کاموں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرت عثمانؓ نے بیت المال سے جو بھی مال و جائیداد لوگوں کو بخشا ہے اور مال خدا دوسروں کو دیا ہے میں اسے بیت المال میں دوبارہ شامل کرتا ہوں، حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی اور نہ ہی اسے ختم کرتی ہے، حتیٰ اگر یہ مال عورتوں کی شادی اور کنیزوں کی خریداری پر بھی صرف ہوا ہے تو اسے بھی واپس لوں گا۔ کیونکہ عدالت ہر شے سے زیادہ وسعت اور گنجائش رکھتی ہے۔ وہ جسے عدالت پسند نہیں اور عدل سے وہ قانع نہیں ہوتا یاد رکھو ظلم اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے اور زیادہ فشار میں مبتلا ہو گا"۔

آپکا کلام اس بات کا مظہر تھا کہ اب حضرت عثمانؓ کے دور کی بے جا بخششوں کا

وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب برابری و مساوات کا دور ہو گا۔ اسلام کے نجات دہندہ اصول کمزور و قوی سب کے لئے یکساں جاری ہوں گے۔

امام علیؑ کی حکومت کی تکیہ گاہ وہ اکثریت تھی جسمیں دین کو تباہی سے نجات دلانے والے صحابہ کبار' اصلاح معاشرہ کے طلبگار انقلابی شامل تھے۔ یہ لوگ تمام رنج و مصائب کا خاتمہ' اسلام کے صحیح اصولوں کا اجراء فقط حضرت علیؑ کی قیادت میں دیکھتے تھے۔ احمد ابن ابی یعقوب صاحب "تاریخ مشہور" اس بارے میں ایک زندہ مثال ہمارے لئے پیش کرتے ہیں۔

انہوں نے یہ تاریخ جو تیسری صدی ہجری میں لکھی نقل کرتے ہیں کہ معرکہ صفین میں جنگ بدر میں شرکت کرنے والوں میں سے (۷۰) ستر صحابہ' بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے (۷۰۰) سات سو صحابہ 'انصار و مہاجرین سے (۴۰۰) چار سو افراد شامل تھے اور یہ سب کے سب حضرت علیؑ کے ہم رکاب ہو کر معاویہ کے خلاف لڑ رہے تھے۔ جبکہ معاویہ کے لشکر میں فقط دو صحابی نعمان بن بشیر انصاری اور مسلمہ بن مخلد انصاری شامل تھے۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۴ ۱۳ اطبیروت)

محمد ابن ابی حذیفہ معاویہ سے کہتا تھا تلومونني على حبي علياً خرج مع على كل صوام وقوام و مهاجری وانصاری "اے معاویہ تم مجھے حضرت علیؑ کی محبت پر ملامت نہیں کیا کرو کیونکہ علیؑ کے لشکر میں وہ مہاجرین و انصار ہیں جو اپنی راتیں عبادت میں گزارتے ہیں اور دن روزے سے اور اے معاویہ تیرے ساتھ فقط منافقین ہیں یا فرزندان منافقین۔

(منتھی الاعمال ص ۱۵۶)

معاشی نظام کی اصلاح کے خواہشمند افراد اور اسلام کی وہ برگزیدہ ہستیاں جن میں مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، حکیم بن جبلہ، عبدالرحمٰن بن عدیس اصحاب بیعت رضوان، عمرو بن جموح اور سودان بن احمد سب امامؑ کی حکومت کے پشت پناہ تھے اور انہیں اپنی ان خواہشات کی تکمیل فقط قیادت حضرت علیؑ میں ہی نظر آتی تھی۔

دوسری طرف فتنہ پرور اور شیطان دوست اقلیت تھی جو یہ چاہتی تھی کہ امام علیؑ کی حکومت کو سرنگون کردے۔

ظاہراً امامؑ کی حکومت ان دو مضبوط ستونوں پر استوار تھی لیکن پھر بھی معاشرہ میں عدالت کا قیام اور ان گوناگوں مسائل کا حل کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ عدالت و مساوات کے قیام میں امام علیؑ کے اقدامات بنو امیہ اور ان کے دوستوں، قبائل کے شیوخ اور جاہ پرستوں کے حق میں نہ تھے۔ ایک مدت سے یہ لوگ محروم و زحمت کش طبقے کا خون چوس رہے تھے اور ان تمام (۲۵) پچیس سالوں میں رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ، زہد و حق پرستی اور اخلاق اسلامی کو کاملاً بھلا چکے تھے۔ پس وسیع پیمانے پر عدالت اجتماعی کو جاری کرنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ معاشرے کو ان افراد کے شر و فساد سے پاک کیا جاسکے۔ ادھر یہ فتنہ پرور مخالفین درپردہ اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طرح حضرت علیؑ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔

طلحہ و زبیر نے جب حضرت علیؑ کی حکومت کو دور عثمانؓ سے بالکل ہی مختلف پایا (باوجودیکہ انہوں نے سب کے سامنے امام علیؑ کی بیعت کی تھی) تو اس پیمان بیعت کو توڑ کر علم مخالفت بلند کر دیا اور اس فتنہ پرور شر و فساد کی حامی اقلیت کے رہبر بن

کر حضرت علیؑ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنا پروگرام ولائحہ عمل مکہ میں ترتیب دیا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی جو کہ دشمنی علیؑ میں کسی طرح کی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتی تھیں اپنے ساتھ ملالیا۔ ظاہر ہے حضرت عائشہؓ کا ان دو فتنہ پرور افراد کے ساتھ ہونا ایک اہمیت رکھتا تھا۔ اور اس طرح ان دونوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ لوگوں کے سامنے یہ پیش کیا کہ خود ام المومنین حضرت عائشہؓ خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لئے اور حکومت کو سرنگون کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور یوں لوگوں کو اپنے اطراف جمع کر کے انہوں نے جنگ جمل کا آغاز کر دیا۔

جنگ جمل کے پہلے ہی ہلّہ میں طلحہ وزبیر اور حکومت گزشتہ کے بعض اہم افراد لقمۂ اجل بن گئے ؎۱۔ پھر حضرت عائشہ ایک آہنی ہودج پر سوار ہو کر میدان میں آگئیں اور شدت کے ساتھ امام مسلمین اور ان کے صحابہ کے قتل پر لوگوں کو ابھارتی رہیں لیکن ان سے کچھ نہ بن پڑا۔ آخر کار گرفتار ہوئیں اور حضرت علیؑ نے انہیں جوانوں کے ایک دستے کی حفاظت میں احترام کے ساتھ مدینہ بھجوادیا۔ (مجمع البیان ج ۶۔ ص ۱۳۰ تفسیر آیہ انک اسباب النزول۔ واحدی ص ۱۸۳)

حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہؓ زوجہ رسول خداؐ کا حضرت علیؑ سے کینہ اور دشمنی ایک ذہنی کشیدگی تھی کیونکہ جناب فاطمہؑ دختر رسول خدا (ص) حضرت علیؑ سے کئی اولادیں رکھتی تھیں اور حضرت عائشہؓ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ دوسرے واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ کو طلاق دینے کے مشورے میں حضرت علیؑ نے شرط

؎۱۔ طلحہ جمل میں اور زبیر جنگ جمل کے واپسی پر قتل ہوئے۔

رکھی تھی کہ ان کی کنیز بریرہ سے اصل صورت حال معلوم کی جائے ۔ا۔ان دو وجوہات کے علاوہ نبی اکرمؐ جناب فاطمہؑ، ان کے شوہر اور بچوں کا بہت احترام کرتے تھے اور انھیں دوسروں پر فوقیت دیتے تھے۔ آیۂ تطہیر انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ یہ تمام چیزیں حضرت عائشہؓ کے دل میں کینہ اور دشمنی کا باعث بنیں۔ لیکن امام علیؑ نے بعد از جنگ جمل ان کے بارے میں یوں فرمایا:

"اس خاتون کو اس کی نسوانی کم اندیشی نے ہماری عداوت و کینہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کا سینہ دیگ آہنگر کی طرح ابل رہا ہے۔ انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اگر انہیں کسی اور کے ساتھ کرنے کو کہا جاتا تو یقیناً وہ کبھی راضی نہ ہوتیں لیکن جو کچھ انہوں نے میرے ساتھ کیا اس کی باز پرس خدا کے سپرد ہے۔ ان کا سابقہ احترام اب بھی باقی ہے"۔

(نہج البلاغہ عبدہ خطبہ ۱۵۴)

حضرت عائشہؓ نے مکہ سے مدینہ آتے ہوئے حضرت علیؑ کا مسند خلافت پر جلوہ گر ہونے کا سنا تو نہایت رنجیدہ ہوئیں اور کہا میرے لئے یہ زیادہ پسندیدہ تھا کہ آسمان زمین پر آجاتا اس سے کہ علیؑ مسلمانوں کے امام ہو جائیں۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا مجھے مکہ لے چلو اور واپس مکہ چلی گئیں۔

(علی و فرزندش ص ۷۲ طٰہٰ حسین)

جب جنگ جمل ختم ہوئی اور یہ فتنہ تمام ہوا تو حضرت علیؑ نے حضرت عائشہؓ کو ان کے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ ۳۰ مرد اور ۲۰ نیک و پاکباز عورتوں کی ہمراہی میں مدینہ روانہ کیا۔ لیکن یہ عورتیں زمانہ قدیم کی طرح مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں۔ انہیں راستے میں حضرت عائشہؓ کو سوار کرانے، اتارنے اور ان کی

خدمت گزاری پر مامور کیا۔ جب حضرت عائشہؓ مدینہ پہنچیں تو لوگوں نے پوچھا علیؑ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا سفر نہایت خوبی اور آرام سے طے ہوا۔ خدا کی قسم علیؑ نے غیر معمولی عظمت و بزرگی کا ثبوت دیا ہے لیکن مجھے مردوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ تب ان تمام بیس (۲۰) عورتوں نے خود کو حضرت عائشہ کے لئے ظاہر کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ سجدہ میں گر گئیں اور کہا: "اے علیؑ! خدا تیری فضیلت و عزت میں اضافہ کرے، اے کاش میں تیرے خلاف بغاوت نہ کرتی"۔ ۱؎

قرآن مجید نے رسول خدا کی ازواج کے لئے یوں فرمایا:

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى"۔

"اے ازواج رسولؐ اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کو دوسروں پر ظاہر نہ کرو"۔ ۲؎

خدا نے یہ قانون شاید اسی لئے دیا تھا کہ اے ازواج رسولؐ محتاط رہو ایسا نہ ہو کہ فتنہ پرور اور دنیا پرست افراد تمہارے اس مقام و نصب سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اس طرح اپنی عزت و احترام اور آنحضرتؐ کی عزت و احترام کی رعایت کرو۔ نیز حقیقتاً امت کی مائیں بن کر رہو۔

حضرت عائشہؓ نے اس قرآنی دستور کو جانتے ہوئے بھی مسلمانوں کے عادل اور منصف امامؑ کے خلاف بغاوت کر دی لیکن امام نے اس کے باوجود انہیں عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھجوایا اور ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔ یہاں

۱؎۔ مروج الذہب ج ۲۔ ص ۴ اس واقعہ کو ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید، یعقوبی اور دوسروں نے بھی لکھا ہے

۲؎۔ سورۂ احزاب آیت ۳۳۔

تک کہ شہادت حضرت علیؑ کی خبر جب حضرت عائشہؓ کو ملی تو انہوں نے سجدہ میں سر رکھ دیا اور پھر سر اٹھانے کے بعد یوں کہا :

فالقت عصاها و استقرت بها النوی　　کما قرعیناً بالایاب المسافر

"یعنی اس نے اپنی چھڑی کو ایک کونے میں ڈال دیا ہے اور انتظار میں کھڑا ہو گیا ہے یہاں تک کہ مسافر نے واپس آکر اس کی آنکھوں کو روشن کر دیا ہے"

کچھ دیر ٹھیر کر پھر انہوں نے پوچھا کہ کس نے علیؑ کو قتل کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ قبیلہ مراد کا ایک فرد تھا پھر انہوں نے اپنے دل کی تشفی کے خاطر یوں کہا :

فان یك نائیاً فلقد نعاه　　غلام لیس فی فیه التراب ۔

"ہر چند کہ میں اس جگہ سے دور ہوں جہاں یہ قتل ہوا ہے لیکن جو خبر لایا اس کا منہ کبھی خاک آلود نہ ہو"۔

زینب دختر جناب ام سلمہ نے اعتراض کیا : "یہ آپ علیؑ کے بارے میں کہہ رہی ہیں"۔ تو بولیں : "میں بعض اوقات لاشعوری طور پر بغیر سوچے سمجھے ایسی باتیں کر جاتی ہوں جب مجھے ایسے دیکھو تو یاد دہانی کروادیا کرو"۔ ؎۱

طٰہٰ حسین اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ حضرت علیؑ کو شہادت سے سکون مل گیا ہے اور دوسروں کو بھی ان کی شہادت سے سکون مل گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ حضرت علیؑ کو شہادت کے ذریعے اس دنیا کے رنج و غم سے سکون مل گیا لیکن یقین کامل ہے کہ حضرت علیؑ

؎۱۔ کامل ابن اثیر ج ۳۔ ص ۱۹۸۔ مقاتل الطالبین ص ۴۲۔ طبع مصر توجہ رہے تاریخ کامل میں اس شعر میں غلام کی جگہ نعی اور تذکرہ سبط میں نائیا کی جگہ ھالکا" درج ہے۔

کی شہادت کسی کی آسائش اور آرام وسکون کا باعث نہیں بنی۔[1]

یہ وقت بھی گزر گیا اور جب امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت ہوئی اور ان کا جنازہ روضۂ رسول اکرمؐ کی طرف لے جایا گیا تو حضرت عائشہؓ سد راہ ہوئیں۔ کامل بہائی میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا "میرے دشمن کے بیٹے کو میرے گھر سے باہر نکالو"[2]۔ اور اس سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ کہ پھر جب تک یہ زندہ رہیں حسنینؑ سے پردہ کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ابن عباس نے کہا اے ام المومنین یہ حسنینؑ تمہارے محرم ہیں اور تمہارے گھر میں ان کا داخلہ جائز اور حق ہے[3]۔ بلند پایۂ محقق مرتضیٰ عسکری کتاب "احادیث عائشہ" میں اس واقعہ کے بعد نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ جانتی تھیں کہ حسنینؑ ان کے محرم ہیں لیکن پردہ کرنے اور منہ ڈھانپنے سے در اصل ان کا کچھ اور ہی مقصد تھا[4]۔

یہ بے چاری خاتون اپنی اس نسوانی کم علمی اور کینہ کی وجہ سے ان اعمال کے ذریعے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے اپنی دشمنی کا اظہار کرتی تھیں اور یہ ثابت کرتی تھیں کہ وقت کے گزرنے اور علیؑ کی جوانمردی، حسنِ سلوک کے بعد بھی یہ دشمنی باقی ہے اور اسمیں کوئی کمی نہیں آئی۔

اب اصل مطلب کی طرف آتے ہیں کہ حضرت علیؑ جنگ جمل سے فاتح اور زیادہ طاقتور بن کر پلٹے۔ آپؑ نے عبداللہ ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ گئے اور عارضی طور پر کوفہ کو دار الخلافہ بنالیا۔ حضرت علیؑ یہاں کچھ ہی مدت

---

[1]۔ علی و فرزندش ص ۱۸۴

[2]۔ کامل بہائی ج ۲۔ ص ۲۶۹ عائشہ کے منع کرنے کو فریقین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

[3]۔ احادیث عائشہ تالیف مرتضیٰ عسکری قسم اول ص ۲۰۴ از طبقات ابن سعد ج ۸۔ ص ۷۳

[4]۔ احادیث عائشہ تالیف مرتضیٰ عسکری۔

سکون سے رہے اور اس دوران آپ اس کوشش میں رہے کہ شام کا مسئلہ پُر امن طریقے پر حل ہو جائے، لیکن چونکہ معاویہ کسی بھی طرح اس مسئلے کو حل کرنے کے حق میں نہ تھا اسی لئے امام علیؑ کے لیئے ناگزیر ہو گیا کہ اب اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے آخری فیصلہ کیا جائے اور آخر کار امامؑ نے اپنی فوجوں کے ساتھ شام کی طرف پیش قدمی کر دی۔

معاویہ مدتوں سے اپنے دفاع کی کوششوں میں مصروف تھا اور اس نے شام کے لوگوں کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے سامنے یہی پیش کیا کہ وہ خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے آمادۂ جنگ ہے۔ اور اس کا یہ بہترین تاریخی حیلہ و بہانہ تھا۔ اس بہانے اور سونے کی تھیلیوں کے ساتھ (جو کہ ہر زمانے کا سب سے بڑا جادو ہے) اس شہر کے لوگوں کو مسلمانوں کے منتخب شدہ خلیفہ علی علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا اور میدان جنگ میں لے آیا۔ چالیس روز تک صفین کی یہ خونریز اور خوفناک جنگ ہوتی رہی اور بہت وسیع پیمانے پر قتل وغارت گری کا باعث بنی۔

اس جنگ میں معاویہ کو شکست کا سامنا تھا اور یہ وقت تھا کہ بنو امیہ کے جادو کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جاتا۔ شام کے لوگ تند و تیز ہواؤں کی زد میں آجانے والے خس و خاشاک کی مانند تھے ایسے میں معاویہ کے دست راست عمرو بن عاص نے ایک چال چلی اور قرآن مجید کے صفحات کو نیزوں پر آویزاں کر کے میدان جنگ میں لے آیا اور کہنا شروع کیا:

"تم دونوں فریق کس لئیے ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہو، یہ قرآن کتاب خدا ہمارے اور تمہارے درمیان ہے آؤ اس سے فیصلہ کریں"

اس کی اس چال سے امام علیؑ کے سپاہیوں میں جنگ جاری رکھنے یا ختم کرنے پر اختلاف نظر پیدا ہو گیا۔ اشعث بن قیس نے، جو منافقین کوفہ سے تھا اور احتمال قوی ہے کہ وہ پس پردہ عمرو بن عاص کے ساتھ اس سازش میں شریک تھا، سب سے پہلے جنگ سے ہاتھ اٹھایا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اشعث اور اس کے ساتھیوں کو معاویہ اور عمرو بن عاص کی اس چال سے آگاہ کرنے کی پوری کوشش کی اور سمجھایا کہ یہ چال فقط اس لئے چلی گئی کہ معاویہ اپنے آپ کو شکست سے بچانا چاہتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ معاویہ اور عمرو بن عاص قرآن کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ سب ایک فریب و دھوکہ ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں قرآن کا کوئی احترام نہیں۔ لیکن کوفہ کے لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ در عین حال امام کے بقیہ افراد لشکر شام کے لوگوں کے اس چال کو جان رہے تھے لیکن چونکہ کوفہ والوں کے لشکریوں کے درمیان دو گروہ ہو گئے تھے اس وجہ سے امام علیؑ کے لئے جنگ کو جاری رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا۔

آخر کار بہت ہی بحث و تمحیص کے بعد اس جنگ کی آگ سرد ہوئی اور معاویہ ایک یقینی شکست سے بچ گیا۔ نتیجۃً یہ معاملہ یوں طے کیا کہ ہر دو طرف سے حکم مقرر کیئے گئے۔ عمرو بن عاص معاویہ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعری کو اہل کوفہ کی جانب سے حکم مقرر کیا گیا [۱]۔ اور دونوں لشکر اپنے اپنے شہروں کی جانب لوٹ گئے۔

---

[۱] ابو موسیٰ اشعری اہل کوفہ کی طرف سے حکم تھے یہ ایک احمق مرد تھے امام علیؑ نے اس کے ساتھ کس طرح نباہ کیا یہ ایک طویل داستان ہے۔

کچھ ہی مدت بعد دومۃ الجندل ۱؎ میں عمرو بن عاص نے ابو موسیٰ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاویہ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور اس طرح لوگوں پر معاویہ اور عمرو بن عاص کی وہ چالاکی اور جھوٹ روشن ہوئے لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ امام کے ساتھیوں کی ندامت اور شرمندگی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی تھی۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں امامؑ نے دومۃ الجندل کے واقعہ کے بعد لوگوں سے یوں فرمایا:

''میں نے ان دو افراد ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن عاص کی حکمیت کے لئے اپنی رائے اور عقیدہ کو تم سے بیان کیا تھا لیکن تم نے میری نصیحت کو نہ سنا۔ میری مثال تم لوگوں میں قبیلۂ ہوازن کے اس شخص کی مانند ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نے تم کو فلاں مقام پر اپنے اصولوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن تم نے میری نصیحت کا نتیجہ اگلے دن وقت چاشت پالیا''۔ ۲؎

جنگ صفین کے خاتمے اور اس حکمیت کے پروپیگنڈے اور جنجال کے بعد فتنہ خوارج اٹھ کھڑا ہوا۔ اور امامؑ کی مشکلات میں ایک اور مشکل کا اضافہ ہو گیا جو ایک مفصل داستان ہے۔ لیکن اس انصاف پسند رہبر نے اپنی عقل و تدبر کے ساتھ اس فتنہ خوارج کو کچھ تو جنگ اور کچھ مذاکرات کے ذریعے بظاہر ختم کر دیا۔ اس کے بعد امام علیؑ نے پھر معاویہ کی سرکوبی کے لئے تیاری شروع کی اور آپ نے اپنے سپہ

۱؎۔ نجد کے شمال مغرب میں ایک مقام ہے جو حکم کے لیئے مقرر ہوا تھا۔ بعض نے مقام تحکیم اذرج کو بھی کہا ہے۔

۲؎۔ علی و دو فرزندش ص ۱۱۱

سالاروں کو مقرر کیا۔ آپؑ کی فوج دستہ دستہ کوفہ سے باہر نکل کر انتظار میں تھی کہ امام بھی کوفہ سے باہر آئیں۔

اسی دوران چالیس ہجری کا آغاز ہوا اور وہ امام عادل ایک شقی ترین کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ آپ سکون ابدی سے متصل ہوئے اور اس دنیا کو دنیا پرستوں کے لئے چھوڑ گئے۔

یہ تمام وحشتناک قتل و غارت گری، امت مسلمہ کے اختلافات اور کشمکش اصل میں دیکھا جائے تو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے طبقاتی و اقتصادی امتیازات پیدا کرنے کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کو خلافت دوم کے ان فیصلوں سے افسوسناک اور بدترین نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر حضرت عمرؓ شروع ہی سے برتری اور عزت کا معیار تقویٰ کو قرار دیتے، اگر حضرت ابوبکرؓ اور وہ شام کو معاویہ کی جاگیر نہ بنا دیتے، اگر حضرت عمرؓ مسلمانوں کو معاویہ اور اس کی ملوکیت کے شر سے بچا لیتے، اگر عبدالرحمٰن بن عوف جسے خود حضرت عمرؓ فرعون امت کہا کرتے تھے حق تنسیخ نہ دیتے اور شوریٰ کو حضرت عثمانؓ کے فائدے میں تشکیل نہ دیتے اور بالآخر حضرت علیؑ کو گوشہ نشینی کی زندگی پر مجبور نہ کیا جاتا (کہ جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو ایک بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا) تو شاید یہ تمام بدبختی اور تباہی آج عالم اسلام کو دیکھنا نہ پڑتی۔ آج دنیا میں اسلام کی کچھ اور ہی صورت ہوتی۔ اور آج ملت اسلامیہ میں اتنے اختلافات اور فرقے نہ ہوتے۔

مسلمانوں نے ۲۵ سال کے بعد خلافت اس وقت حضرت علیؑ کے سپرد کی جب وہ نیم جاں اور حالت احتضار میں تھی۔ امام علیؑ کی فہم و فراست، قوت و طاقت محنت و جفاکشی سب ملت اسلامیہ کے اختلافات کو ختم کرنے میں صرف ہو گئی۔

محقق معاصر حسن صدر کے بقول یہ علیؑ کی بے مثال شخصیت اور فہم و فراست کا ہی کمال تھا کہ اس خلافت و مملکت اسلامی کو اس جان کنی کے عالم میں بھی ۵ سال تک زندہ رکھا۔ ورنہ معاویہ کی وہ ملوکیت و شہنشاہی جس کی پیش بندی معاویہ نے مدتوں سے کی ہوئی تھی قتل عثمانؓ کے فوراً بعد ہی خلافت اسلامی کی جگہ لے لیتی۔

(مرد نامتناہی ص ۱۸۷ اشاعت چہارم)

صلح امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

شہادت علی علیہ السلام کے بعد مسلمانوں نے حضرت علیؑ کے بڑے بیٹے امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ شام و مصر کے علاوہ تمام ممالک اسلامی نے امام حسنؑ کی خلافت کو تسلیم کرلیا لیکن یہ خلافت اسلامی کی آخری کڑی چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ اور اسکی جگہ بنو امیہ کی سلطنت نے لے لی۔

صلح امام حسنؑ اور اس دور میں بیکار اور بے سود جنگ کو جاری رکھنے کے اسباب و علل کو سمجھنا بہت ہی سادہ اور آسان ہے۔ شہادت حضرت علیؑ کے وقت مسلمانوں کے جامعہ میں تین گروہ تھے۔

۱۔ بنو امیہ اور ان کے طرفداروں کا گروہ

اس گروہ کے لوگ مدعی تھے کہ بنو امیہ کا فرزند معاویہ ہی خلافت اسلامی کے لئے شائستہ ترین فرد ہے۔ اس گروہ میں شام و مصر کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک کے افراد بھی شامل تھے۔ یہ گروہ جس کا سربراہ معاویہ تھا مال و دولت ' اسباب دنیا اور پروپیگنڈے کے ہر ممکنہ وسائل سے مالا مال تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اپنے مقاصد اور خواہشات کے حصول میں کسی شرعی 'اخلاقی ' یا انسانی اصولوں کے پابند نہ تھے۔

۲۔ خوارج

یہ گروہ ہر ایک کا دشمن تھا۔ یہ اپنے علاوہ ہر ایک کا خون بہانا مباح اور جائز جانتا تھا۔ یہ گروہ تعصب، تنگ نظری اور انسان دشمنی کا شکار تھا۔ یہ کسی بھی دلیل سے قانع ہونے والا نہ تھا۔ یہ گروہ معاشرے میں ایک ایسے ناسور کی طرح تھا جس کی ریشہ دوانیوں، فتنہ و فساد کو صاحبان علم و دانش اچھی طرح جانتے ہیں۔

۳۔ شیعیان علیؑ ابن ابی طالبؑ

غالباً عراق، حجاز، یمن کے افراد اس گروہ میں شامل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بعد از نبی اکرم نص صریح موجود ہے کہ خلافت علیؑ اور خاندان علیؑ کا حق ہے لیکن قرائن اور خطبات نہج البلاغہ سے واضح ہے۔ یہ گروہ عملی لحاظ سے ابتری کا شکار تھا اور جہاد میں جانے سے سستی کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ ان کے اس رویے سے تنگ آکر اس دنیا سے جانے کی آرزو کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ یا تن تنہا جا کر معاویہ سے جنگ کریں۔

(علی و دو فرزند ش ص ۱۵۷)

یہ تمام تفصیل واضح کرتی ہے کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے میں سوائے خون ریزی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ان تمام مایوس کن حالات میں بھی امام حسنؑ نے اصلاح احوال کی ہر ممکنہ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اگرچہ رسول اکرمؐ نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو اس طرح تربیت دی تھی کہ تقویٰ و پرہیز گاری نے ہوا و ہوس کی جگہ لے لی تھی زہد و پاکیزگی اور انسان دوستی نے جاہلیت کے غرور کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن بعد از رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کی

خانہ نشینی ‘ملت اسلامیہ میں طبقاتی و اقتصادی تفریق ‘اختلافات امت مسلمہ ‘ مسلمانوں کے عیوب ‘مسلمانوں پر فاسد اور فاسق و فاجر حکمران مثل معاویہ کا تسلط ‘لوگوں کو دوبارہ جاہ پرستی ‘ دنیا طلبی اور رسوم و غرور جہالت کی طرف لے گئے۔ اور انہیں اسلامی تربیت سے دور کر دیا۔ خلافت سوم کی بد عنوانیاں اور بنو امیہ کا امور حکومت میں حد سے زیادہ اثر ورسوخ مسلمانوں کو عیش و آرام کا دلدادہ بنا گیا اور دینی تعلیم و تربیت نہ جانے کہاں رہ گئی۔

حضرت عثمانؓ سے شہادت علیؑ تک کے حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دور خلافت اسلامی کا آخری دور تھا۔ عوام بنو امیہ کی مستحکم شہنشاہیت پر لبیک کہہ رہے تھے۔ اور دینی حکومت نظروں میں غریب و بیگانہ ہو گئی تھی۔ ان کی اس بے دینی سے یہ لازم نظر آتا تھا کہ اب یہ عوام مدتوں بنو امیہ کے مظالم اور خلاف انسانیت اعمال کو برداشت کریں گے اور پھر انہیں دین کے پاکیزہ اصولوں کی قدر ہو گی اور یہ لوگ امامت و رہبری اور اس کی اہمیت کو جانیں اور آرزو کریں گے۔

جی ہاں یہ وہ ناموافق حالات تھے جنہوں نے امام حسنؑ کو معاویہ سے صلح کی طرف بڑھایا۔ امام حسنؑ نے بہت ہی دانشمندانہ فیصلہ کیا۔ ۲۵ سال سے عالم اسلام جس انتشار و افتراق میں مبتلا تھا اس نے مسلمانوں کو دین اور دینی حکومت کی جانبداری سے دور کر دیا تھا۔ حکومت شام کا استحکام ‘مسلمانوں کا انتشار و افتراق ہی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی سیاسی شکست کا باعث بنے۔

اسلام کے جمہوری نظام کی جگہ مطلق العنانیت کا آغاز معاویہ کی امام حسنؑ سے صلح کے بعد ہوئی۔ امور مملکت کی باگ ڈور مکمل طور پر معاویہ نے سنبھال لی۔

عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابیہ، جیسے خائن اور دنیا پرست افراد کو مال و دولت اور مقام کا لالچ دے کر معاویہ نے اپنے گرد جمع کر لیا۔ معاویہ نے بہت سے آزاد منش اور اصلاح احوال کے خواہشمند افراد کو قتل کروایا۔ اور ایسے ہی متعدد افراد جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے۔ عمومی دہشت ایجاد کر کے لوگوں کے اموال کو تاراج کر کے عیش و عشرت کا سامان مہیا کیا۔ بنو امیہ کے جلاد صفت افراد کو عوام پر ظلم و ستم کے لئے کھلی چھوٹ دیکر لوگوں پر مسلط کر دیا گیا جو چاہیں بولیں، جو چاہیں کریں (فعال مایشاقوال مایرید)۔ آئین حکومت اسلامی کو کلی طور پر متغیر کر کے ایک استبدادی سلطنت میں تبدیل کر دیا اور تقریباً ۲۰ سال کے تسلط میں دقیق نقشہ بندی اور موثر تبلیغات کے ذریعہ دوام بخشا۔

معاویہ کے دور میں اس کے ہاتھ دو خطرناک ترین امور پایۂ تکمیل کو پہنچے جن کی داغ بیل گزشتہ لوگوں کے عمل نے ڈالی تھی۔ انہی دو امور نے جامعہ اسلامی کو معرض سقوط میں ڈال دیا۔ اور انہی دو کی بدولت آخر کار امام حسینؑ کو قیام کرنا پڑا۔

اولاً: رسول اکرمؐ کی عترت و اہل بیتؑ جو کہ حامیان دین تھے اور قرآن کے ہمدوش تھے ان کو اسلام سے کلی طور پر حذف کر دیا گیا۔

دوم: جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی نظام حکومت میں یکسر تغیر پیدا کر کے استبدادی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔

اب ہم ان دو بڑے خطروں کا مفصل تجزیہ کریں گے۔

ا۔ اہل بیت پیغمبر کو اسلام سے حذف کر دیا گیا:

اہل بیت پیغمبرؐ کو نظر انداز کرنے اور ان کی قدر و منزلت کم کرنے کا کام

حضرت ابو بکر کے دور سے ہی تدریجاً شروع کر دیا گیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اہل بیت کا جو احترام تھا اسے کم کرنے میں خلفاء نے بہت ہی شد و مد سے کام کیا تھا۔ امور خلافت سے حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کو دور رکھنے کے لئے خاص طور پر نقشہ بندی کی جاتی رہی تھی اور ان کے بجائے منافقوں اور ان لوگوں کو جو اسلام کے خلاف جنگیں لڑتے رہے تھے اور آج خوف سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے اہل بیت کی جگہ دی جا رہی تھی اور جعل کردہ حدیث "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" ۱؎۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی احادیث کی جھوٹی نسبت رسول اللہ سے دے کر عموم صحابہ کا اعتبار و احترام پیدا کیا جا رہا تھا۔ اس طرح ان افراد کو امور خلافت میں مشیر اور اہم عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ان جعلی احادیث کے ذریعے معاویہ اور اس جیسے لوگوں کو زیادہ مضبوط بنایا گیا۔ حتی کہ مسلمانوں کے بعض نامور افراد بھی جنگ صفین میں شک و تردد میں پڑ گئے کہ آیا معاویہ حق پر ہے یا علیؑ۔

نصر بن مزاحم کتاب "صفین" میں نقل کرتا ہے کہ جنگ صفین کے دوران عبداللہ بن مسعود چار سو (۴۰۰) ساتھی تھے جن میں ربیع بن خثیم بھی تھے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا یا علیؑ ہم آپ کے مقام و منصب اور فضیلت کو جانتے ہیں لیکن آپ کی معاویہ سے جنگ نے ہمیں شک میں گرفتار کر دیا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس لئے آپ ہمیں یہاں کے بجائے کسی بھی سرحد پر بھیج دیجئے۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے بعض ساتھیوں نے یہ کہا: یا علیؑ ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کے ہم رکاب ہو کر معاویہ سے نہیں

۱؎۔ میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی پیروی کر لو گے نجات پاؤ گے۔

لڑیں گے بلکہ ہم سب ساتھی الگ پڑاوٗ ڈالیں گے اور دیکھیں گے کہ دو گروہ میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ پس جس کسی گروہ کو بھی گمراہی اور حرام کاموں کو کرتا دیکھیں گے ہم اس سے جنگ کریں گے ؂۱۔

خزیمہ بن ثابت انصاری جنہیں رسول خداؐ نے (صاحب دو شہادت کا) لقب دیا تھا۔ جنگ صفین میں موجود تھے لیکن انہوں نے اقدام جنگ نہیں کیا کیونکہ وہ معاویہ کے حق و ناحق پر ہونے میں شک میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن جب اہل شام نے جناب عمار یاسر کو شہید کر دیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری حضرت علیؑ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا آج مجھ پر ثابت ہو گیا کہ معاویہ اور اس کے ساتھی گمراہ ہیں۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ عمار کو ایک گروہ ستمگر قتل کرے گا۔ واپس اپنے خیمے میں گئے غسل کیا اور میدان جنگ میں آئے، جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

ایک اور شخص اسماء بن حکم فزاری نقل کرتا ہے کہ ہم لوگ جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کے پرچم تلے جمع تھے۔ دوپہر کے وقت ایک سرخ کپڑے کے سائبان کے نیچے آرام کر رہے تھے کہ ایک شخص صفوں کو چیرتا ہوا ہماری طرف آیا اور پوچھا کہ تم میں سے عمار یاسر کون ہے؟ جناب عمار یاسر نے اپنا تعارف کروایا تو وہ شخص بولا میرا ایک سوال ہے آیا ان سب کے سامنے بیان کروں یا خلوت میں؟ جناب عمار یاسر نے کہا جیسے تمہاری مرضی۔ وہ بولا کہ سب کے سامنے بہتر ہے۔ تب وہ کہنے لگا کہ جب میں حضرت علیؑ کے لشکر میں شامل ہونے کو گھر سے نکلا تھا تو مجھے اپنے حق پر ہونے میں کاملاً یقین تھا اور معاویہ اور اہل شام کی ضلالت

؂۱۔ کتاب صفین ص ۶۲ ط ایران۔

مجھ پر واضح وروشن تھی۔ میں اپنے اس عقیدہ پر کل رات تک باقی تھا۔ لیکن گزشتہ شب جب ہمارے موذن نے اذان کہی تو اہل شام کے موذن نے بھی اذان دی۔ ہم لوگوں نے ایک ہی طرح نماز پڑھی' ایک طرح دعا مانگی' ہم دونوں فریقین کا خدا ایک' رسولؐ ایک' قرآن ایک ہی ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو تمام رات سوچتا رہا کہ یہ کیا ہے؟ پھر بقیہ رات میری ایسی پریشانی میں گزری کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

صبح ہوئی تو میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس گیا اور رات بھر کی اپنی کیفیت انہیں بیان کی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا جاؤ عمار یاسر سے ملاقات کرو اور جو وہ کہے اس پر عمل کرو۔ اب آپ بتایئے کہ حق کیا ہے؟

جناب عمار یاسرؓ نے کہا تم اس سیاہ پرچم والے کو پہچانتے ہو جو ہمارے مدّ مقابل ہے۔ یہ عمرو بن عاص کا پرچم ہے۔ میں جو کہ عمار یاسرؓ ہوں میں نے رسول اللہؐ کی ہمراہی میں اسی سیاہ پرچم دار کے مقابلے میں تین بار جنگ کی ہے اور یہ چوتھی بار ہے۔ یہ شخص ان تینوں جنگوں میں بھی کفر پر تھا اور کفار کے ساتھ تھا اور اب بھی اسی حالت پر باقی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

آیا تم نے یا تمھارے والد نے جنگ بدر' احد' حنین کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ جناب عمار یاسرؓ نے کہا ان تمام میدانوں میں ہمارا پرچموں کا مرکز وہی جناب رسول خداؐ کا پرچم تھا اور یہ اس وقت بھی مشرکین میں تھا اور اب بھی انہی کے زیر پرچم ہے۔ کہا تم اہل شام کے لشکریوں کو دیکھ رہے ہو خدا کی قسم یہ سب جو معاویہ کے ساتھ آئے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کاش بصورت ایک جسم ہوتے اور میں ان کو ایک ہی وار سے قتل کر دیتا۔ خدا کی قسم ان کا خون

بہانا ایک چڑیا (گوریا) کے خون سے زیادہ حلال ہے۔

پھر عمار یاسرؓ نے کہا یہ لوگ ہمیں اپنی تلواروں سے ماریں گے تاکہ تم جیسے شک و تردد میں مبتلا ہو جاؤ کہ اگر یہ باطل تھے تو کیوں غالب ہوئے۔ لیکن خدا کی قسم مکھی کی آنکھ میں گرنے والے تنکے جتنی بھی ان میں حقانیت نہیں ہے۔

(کتاب صفین ص ۱۶۶۔ ۱۶۷ ط ایران)

یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں اہل بیت رسولؐ جو قدر و منزلت محو ہو چکی تھی یہاں تک کہ مسلمان معاویہ اور اس جیسے افراد کے باطل ہونے اور حضرت علیؑ کی حقانیت کے بارے میں تردد میں گرفتار ہو گئے تھے۔

معاویہ نے مملکت اسلامی پر قبضہ کیا اور اپنے لئے میدان خالی دیکھا تو مخالفت اہل بیتؑ اور ان کے فضائل لوگوں کے دلوں سے ہٹانے کو اپنا معمول بنالیا' بقول ابن ابی الحدید معاویہ نے اپنے تمام عمال اور حکام کو اس مضمون کا فرمان بھیجا:

"ہر اس فرد کے لئے کوئی امان نہیں جو ابو تراب اور ان کے خاندان کے فضائل بیان کرے" (شرح ابن ابی الحدید خطبہ ۲۰۰)

نیز یہ بھی منقول ہے کہ تمام مساجد کے خطیبوں کو حکم دیا گیا: "منبروں سے حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ ناروا باتوں کو نسبت دی جائے"۔ پس اس حکم کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے خاندان پر سب و شتم کیا جانے لگا۔ معاویہ نے کوفہ وبصرہ کی حکومت زیاد ابن ابیہ کو دے دی۔ اس نے شیعیان علی ابن ابیطالبؑ کو ہر قریہ' گلی' کوچہ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا[۱]۔ ان کے ہاتھ پیر

۱۔ معاویہ کے زمانے میں مقتولین شیعہ کی تعداد ۴۰ ہزار سے اوپر تھی۔ ۱۰ ہزار فقط عراق سے نقل ہیں۔

کٹوادیئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیریں۔ اور انہیں سولی دے دی۔ یہاں تک کہ اس نے اتنے شیعہ قتل کیئے کہ دوستداران علیؑ سے کوئی مشہور فرد باقی نہ رہا۔ معاویہ نے اپنے تمام حاکموں کو پیغام بھیجا :

"اگر کسی کے شیعہ علیؑ واہل بیت رسولؐ ہونے کا پتہ چل جائے تو اس کی گواہی کسی معاملے میں قبول نہ کی جائے اور اگر کوئی علیؑ کی کسی فضیلت کو حدیث رسولؐ سے بیان کرے تو فوراً اس کی رد میں ایک حدیث جعل کرواکر بیان کردی جائے"۔

ایک دوسرے فرمان میں اس نے لکھا :

"انظروا الی من قامت البیّنة انه یحب علیاً واهل بیته فامحوه من الدیوان و اسقطوا عطائه و رزقه"۔

"توجہ رہے کہ اگر کسی کے لئے ثابت ہو جائے کہ وہ شیعۂ علیؑ ہے تو اس کا نام فوراً دیوان سے کاٹ دیا جائے اور اس کے حقوق و عطا کو ختم کردیا جائے"۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۳۔ ص ۴۲ط بیروت)

اسی فرمان کے ساتھ دوسرا حکم تھا کہ اگر کسی پر شبہ ہو جائے کہ وہ اہل بیت کا دوست ہے تو اس کے گھر کو تباہ وبرباد کرکے اسے شکنجے میں کس دیا جائے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۳۔ ص ۴۲ط بیروت)

معاویہ کے ان تمام پروپیگنڈے اور فرامین کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے کو ایک عبادت سمجھنے لگے اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ اگر ایک دن علیؑ کو ناسزا کہنا بھول جاتے تھے تو اگلے دن اس کی قضا کرتے تھے۔ یہ تمام

واقعات اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ معاویہ اور اس کے تابع کے اہداف میں سے ایک یہ تھا کہ علیؑ کے مکتب اور ان کے خاندان کو مسلمانوں کے دلوں سے باہر نکال دیں بلکہ اسلام سے اس طرح سے مطلق حزف کر دیں تا کہ کل کے آنے والے لوگ یہ جانیں کہ علیؑ اور ان کے خاندان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ معاویہ کے ان اقدامات اور فرامین کے نقصان دہ اور تباہ کن نتائج کا دامن بہت وسیع ہے۔ ذیل کا واقعہ جو سید ابن طاؤس رحمۃ اللہ نے ''فرحۃ الغریٰ'' میں نقل کیا ہے، غور طلب ہے۔

کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی اود کا ایک شخص جو اپنے بیٹوں اور غلاموں کو حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے کی خصوصاً تعلیم دیتا تھا۔ حجاج بن یوسف کے دربار میں آیا۔ حجاج اس سے بڑی خشونت اور سختی سے پیش آیا تو اس نے حجاج سے کہا: اے حجاج ہم سے اس طرح گفتگو نہ کرو کہ ہم صاحبان فضیلت ہیں۔ حجاج نے پوچھا: کیا ہیں تمھارے فضائل؟ تو وہ بولا:

> ''اے حجاج ہمارے قبیلے کا دستور ہے کہ جب کوئی جوان شادی کرنا چاہتا ہے تو لڑکی سے پوچھتا ہے کہ تم علیؑ کو دوست رکھتی ہو، اسے نیکی کے ساتھ یاد کرتی ہو۔ اگر وہ جواب مثبت دے اس سے ہرگز شادی نہیں کی جاتی''۔

حجاج نے کہا اور تمھاری کیا فضیلت ہے؟

اس نے کہا:

''اے حجاج ہمارے قبیلہ میں کسی بیٹے کا نام علیؑ حسنؑ، حسینؑ، نہیں اور نہ ہی کسی بیٹی کا نام فاطمہؑ ہے۔ اور سنو جب حسینؑ عراق آرہے تھے تو

ہمارے قبیلے کی ایک عورت نے منت مانی کہ اگر خدا حسینؑ کو قتل کر دے تو میں ۱۰ اونٹ کی قربانی کروں گی اور جب حسینؑ قتل ہوئے تو اس نے اپنی نذر پوری کی۔ ہمارے قبیلے کے ایک فرد کو کہا گیا کہ علیؑ سے بیزاری کا اظہار کرو تو اس نے کہا میں اس کی اولاد سے بھی بیزاری کرتا ہوں"۔

(فرحہ الغریٰ ص ۱۳۔ ۱۴ط نجف اشرف)

یہ واقعہ اگرچہ عبدالملک بن مروان کے زمانے کا ہے لیکن اس بات سے سمجھ میں آتا ہے کہ معاویہ کی اس نحوست آمیز مہم اور دشمنی علیؑ کے ثمرات کہاں تک پہنچے تھے۔ واقعاً اگر امام حسینؑ قیام نہ کرتے اور اپنی شہادت کے ذریعے بنو امیہ کو رسوا نہ کرتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور محبوب خدا جناب رسول اکرمؐ کے نام پر کیا گزرتی۔ یقیناً نام اہل بیت رسولؐ و آل رسولؐ دلوں سے بالکل محو ہو جاتا۔

۲۔ دوسرا خطرہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے معاویہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کلی طور پر تبدیل ہو گئی اور اس کی جگہ ایک مستبد خاندانی سلطنت نے لے لی۔ خلافت اسلامی کو ایک استبدادی حکومت میں تبدیل کرنا ایک ایسا بڑا خطرہ تھا کہ امام حسینؑ نے معاویہ کی زندگی ہی میں مکہ میں ایک اجتماع میں (جبکہ معاویہ کے جاسوس نگرانی کر رہے تھے) اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"مجھے ڈر ہے کہ معاویہ کے اعمال کے اثر سے دین اسلام فرسودہ ہو چکا ہے اور بالآخر اس کی دھجیاں بکھیر گیا۔"

(احتجاج طبرسی ص ۱۵۲ فصل احتجاجات امام حسینؑ)

امامؑ کے اس خطبے کی تفصیل آئندہ صفحات میں دیکھیں گے۔

سلطنت معاویہ میں ظالموں کے ہاتھ لمبے ہوتے گئے اور ستم زدہ کی دادرسی کم ہوتی گئی۔ آزادی کے پرستاروں اور پرہیزگاروں کا خون' حق کی طرفداری اور علیؑ کے خاندان کی دوستی میں بہایا گیا۔ معاویہ نے شریعت اسلامی کے برخلاف زنازادہ زیاد کو اپنا بھائی بنالیا اور منبر شام سے اسے ابوسفیان کا بیٹا کہا۔

یونس بن عبید اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: "اے معاویہ رسول اللہ ؐ کا حکم ہے کہ بیٹے پر حق کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کی ماں اس کے عقد میں رہ چکی ہو۔ زناکار کو اولاد پر کوئی حق نہیں ہوتا۔ لیکن تم زناکار کو اس کا باپ قرار دے رہے ہو"۔ معاویہ نے کہا: اے یونس بخدا اگر خاموش نہ ہوا تو تیرے سر پر بہت بڑی بلا نازل کروں گا"۔

(تاریخ یعقوبی ج ۷ ص ۱۵۸۔ مروج الذہب ج ۲۔ ص ۷۵۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۴۔ ص ۶۹)

معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر دلوایا' پرہیزگار اور پاک طینت افراد مثلاً حجر بن عدی' عمرو بن حمق' صیفی بن نسیل وغیرہ کو شہید کروایا۔ لوگوں سے شخصی آزادی سلب کرلی۔ مندرجہ ذیل واقعے معاویہ کے دل میں بیٹھے ہوئے کینہ کو سمجھنے کے لئے قابل غور ہیں۔

مسعودی نے مروج الذہب میں مامون عباسی کے حالات لکھتے ہوئے نقل کیا ہے کہ ۲۱۲ ہجری میں ایک دن مامون کا منادی اعلان کر رہا تھا:

"اے لوگو ہر اس فرد کے لئے پناہ نہیں جو معاویہ کو نیکی اور اچھائی سے یاد کرے گا یا اس کو کسی بھی صحابہ پر مقدم مانے گا"۔

اس اعلان کے سنتے ہی لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور اس کی علت و سبب جاننے کے لئے کوشاں ہوئے۔ بالآخر علت معلوم ہوئی جو مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے مطرف سے منقول ہے :

"میں اور میرے والد شام میں معاویہ کے مہمان تھے۔ میرے والد روزانہ اس کے دربار میں جاتے تھے واپسی پر ہمیشہ معاویہ کی دانشمندی اور تدبر کی تعریف کرتے۔ لیکن ایک رات جب وہ واپس آئے تو خلاف معمول بہت غمگین اور پریشان تھے۔ میں سمجھا کہ کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے سبب پوچھا تو وہ بولے : میرے فرزند! میں اس وقت زمانے کے پلید ترین آدمی کے پاس سے آرہا ہوں۔ میں نے کہا مگر ہوا کیا ہے؟ تو یوں کہنے لگے : آج جب میں نے معاویہ سے اکیلے میں ملاقات کی تو کہا کہ اے معاویہ اب تو ہم سب کی مدد سے تم اپنے آرزوؤں کو پا چکے ہو، اب آخر عمر میں لوگوں سے عدالت کے ساتھ پیش آؤ، نیکوکاری عمل میں لاؤ، خاندان بنی ہاشم کے ساتھ اس قدر برا رویّہ نہ رکھو صلۂ رحمی کرو۔ خدا کی قسم اب ان میں ذرا سی بھی قدرت باقی نہیں رہی کہ تم ان کی طرف سے خوف رکھو۔ تو معاویہ نے یوں جواب دیا :

"ھیہات ھیہات مغیرہ بن شعبہ! سنو ابوبکر کو خلافت ملی انہوں نے عدل کو اختیار کیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ مر گئے اور ان کا نام بھی درمیان سے گیا۔ مگر کوئی ابوبکر کا ذکر نہیں۔ پھر خلافت عمر کو ملی۔ دس سال تک وہ اس مسند پر رہے اور پھر وہ بھی چلے گئے، پھر عثمان جو سب کے اعتبار سے بے مثال تھے انہیں خلافت مل گئی لیکن یکے بعد دیگرے یہ

سب اس دنیا سے چلے گئے اور ان کے نام کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ لیکن برادر ہاشم (رسول خدا) محمدؐ کے نام ہر روز پانچ دفعہ عالم اسلام میں یوں ندا کی جاتی ہے:

"اشهدان محمد أرسول الله"

اے مغیرہ بے مادر! ان تین خلفاء کے بعد بھی یہ نام محمدؐ اسی طرح زندہ ہے۔ اب بتاؤ کونسا عمل ہو کہ جس کے ذریعہ یہ نام محمدؐ بھی دفن کر دیا جائے اور نابود ہو جائے۔

"فای عمل یبقیٰ مع هذالا اُم لك والله الادفناً دفنا"۔

ماموں نے جب یہ واقعہ سنا تو اس اعلان کا حکم دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ آئندہ تمام خطیب منبروں سے معاویہ پر لعنت کریں۔[۱]

ان واقعات سے ہم جان سکتے ہیں کہ معاویہ اور آل ابو سفیان اسلام اور نام محمدؐ کی بقا کے کس قدر مخالف تھے۔ پس اگر امام حسینؑ قیام نہ کرتے، اسیران اہل بیت اطہارؑ اپنے موثر خطبات سے بنو امیہ کو رسوا نہ کرتے، انہیں دنیا کے سامنے بے نقاب نہ کر دیتے، اور حضرت امام حسینؑ آئندہ بنو امیہ کے خلاف قائم کردہ تحریکوں کے قائد و امام نہ ہوتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس دنیا میں اسلام مبین کا کیا انجام ہوتا۔

یزید کی بالجبر بیعت

معاویہ نے آخری موثر ترین ضربت جو پیکر اسلام پر لگائی وہ یزید کی بالجبر بیعت

---

[۱]۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴۱ ط مصر سال ۱۳۴۶۔ قرمانی نے اخبار الدول میں اس اعلان کو لکھا ہے لیکن اس کی علت کو بیان نہیں کیا۔

تھی۔اس نے اپنے نالائق اور پست ترین بیٹے یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ خلافت اسلامی کو اپنی خاندانی موروثی قرار دے دیا۔ معاویہ یہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے بعد مسلمان یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔ پس اگر یزید کو اپنا جانشین بنانا ہے تو فرشتۂ اجل کے آنے سے پہلے لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لے لے۔ پس اس نے اپنی اس دلی خواہش و مقصد کے لئے ابتداً حضرت امام حسنؑ اور پھر سعد بن ابی وقاص کو زہر دلوایا[۱]۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید بھی اسی راہ پر قربان ہو گیا[۲]۔ مغیرہ بن شعبہ نے اپنے عہدے و منصب کے استحکام کے لئے معاویہ کو رائے دی کہ یزید کو اپنا جانشین بنادو۔ مغیرہ کی اس بات سے جو کہ معاویہ کی دیرینہ آرزو تھی بہت خوش ہوا اور بولا : سبحان اللہ ! یزید تمہارے بھائی کا بیٹا ہے اور مغیرہ تم جو کام شروع کرتے ہو اسے انجام تک ضرور پہنچاتے ہو۔ پس تم کو خدا کی قسم کوفہ واپس جاؤ اور اپنے اس کام کو انجام تک پہنچادو۔ پھر اس نے والیٔ بصرہ زیاد کو خط لکھا کہ مغیرہ کوفہ میں لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لے رہا ہے۔ تم اس کے چچا ہو تو تمھارے لئے مناسب تر ہے کہ اپنے بھتیجے کے لئے یہ کام انجام دو۔ پس جیسے ہی تمہیں میرا خط ملے بصرہ کے لوگوں کو جمع کر کے ان سے یزید کے لئے بیعت لے لو۔

زیاد نے اپنے ایک معتمد کو معاویہ کے پاس بھیجا اور یہ سفارش کی کہ :

"اے امیر المومنین یزید کو کتے بازی، بندر بازی کا شوق ہے وہ ہمیشہ شراب کے نشے میں دھت رہتا ہے، رنگا رنگ لباس پہن کر صبح سے رات تک

---

[۱]۔ مقاتل الطالبین ص ۷

[۲]۔ الغدیر ج ۱۰ ص ۲۳۳

ناچ گانے اور دف کی محفلوں میں مگن رہتا ہے۔ اگر ہم نے لوگوں سے اس کے لئے بیعت چاہی تو لوگ ہم سے کیا کہیں گے درحالیکہ حسینؑ بن علیؑ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر جیسے افراد لوگوں کے درمیان ابھی زندہ ہیں۔ آپ یزید سے کہیئے کہ وہ سال دو سال ان افراد کے اخلاق وعادات کو اپنا لے تاکہ بعد میں شاید ہم لوگوں سے اس کے لئے بیعت لے سکیں"

معاویہ نے جب یہ پیغام سنا تو بہت برہم ہوا اور چیخ کر بولا ٹف ہے مجھ پر کہ میں نے یہ سب تجھ سے سنا۔ پھر بولا میں نے سنا ہے کہ زیاد کے حواری اسے کہتے ہیں کہ معاویہ کے بعد خلافت تمہاری ہے۔ خدا کی قسم میں اسے اپنا بھائی نہیں بناتا میں اسے اس کی ماں سمیہ اور باپ عبید کی طرف لوٹا دوں گا[۱]۔

اشرفی کی تھیلیاں ہر زمانے کا سب سے بڑا جادو ہیں اور مخالفت کی ہر فکر کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔ لوگوں کی جیب بھری جانے لگیں۔ معاویہ نے ایک لاکھ درہم عبداللہ بن عمر کو زبان بندی کے لئے بھیجے، عبداللہ بن عمر نے یہ رقم لے لی لیکن پھر بھی یزید کی بیعت کی مخالفت کی[۲]۔ معاویہ نے بیعت یزید کے لئے ابتداء مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں سے کی۔ جب وہاں بیعت لے لی گئی تو اس نے مدینہ کا رخ کیا۔ معاویہ سمجھ گیا کہ مدینہ بقیہ تمام شہروں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس لئے آخر میں مروان بن حکم سے کہا کہ اہل مدینہ سے بیعت لو۔ لوگوں نے بیعت سے انکار کیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کہا: "اے مروان تم جھوٹے ہو معاویہ بھی

---

[۱]۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۶۰

[۲]۔ کامل ابن اثیر ج ۳۔ ص ۲۵۰

جھوٹا ہے تم لوگ امت جناب رسول خداؐ کے ساتھ کسی نیکی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ تم لوگ اس خلافت کو مثل روم ہرقلی حکومت بنانا چاہتے ہو تاکہ ایک ہرقل مرے دوسرا ہرقل اس کی جگہ بیٹھے۔ امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر نے بھی مخالفت کی۔

(عقائد الفرید ج ۲۔ ص ۲۱۵)

ادھر معاویہ حج کے ارادے شام سے نکلا اور مدینہ آیا' مدینہ میں حسینؑ ابن علی' عبدالرحمٰن بن ابی بکر' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے درشتی اور غصہ سے بات کی۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے یزید کی لیاقت اور شائستگی کے بارہ میں سخن رانی کی اور کہا سوا تم لوگوں کے تمام مسلمانوں نے اس کی بیعت کرلی ہے۔ معاویہ نے کہا میں نے مدینہ کی اہمیت کے پیش نظر اس شہر کو تاخیر دی۔ پس تم لوگ یزید کی بیعت کرلو۔ امام حسینؑ کھڑے ہوئے معاویہ' کی بات کو قطع کرتے ہوئے فرمایا:

''خدا کی قسم تم اس کو جس کا باپ یزید کے باپ سے اور جس کی ماں یزید کی ماں سے اور وہ شخص یزید سے بہتر و شائستہ ہے اور لائق خلافت ہے پس پشت ڈال رہے ہو' اور یزید جیسے نالائق کی بیعت کے لئے کہہ رہے ہو۔ معاویہ نے کہا اے حسینؑ یہ تم اپنے آپ کو کہہ رہے ہو۔ امامؑ نے فرمایا جی ہاں یقیناً۔ معاویہ بولا جہاں تک تمہاری والدہ کا تعلق ہے تو صحیح ہے کہ فاطمہؑ بنت محمدؐ الرسول اللہ ہیں اور ان کی دینداری اور خدادوستی سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے پس وہ یزید کی ماں سے بہتر ہیں۔ لیکن جہاں تک تمہارے باپ علیؑ کا تعلق ہے تو خدا نے یزید کے باپ کو تمہارے

باپ پر برتری دی۔ امامؑ نے فرمایا: اے معاویہ تمھاری یہ نادانی بس تم پر ختم ہے کہ تم نے اس دنیائے فانی کی لذتوں کو آخرت کی ابدی نعمات پر ترجیح دی ہے"۔ معاویہ نے کہا کہ اے حسینؑ! یزید تم سے بہتر ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "اے معاویہ تمہارا یہ قول جھوٹ اور بہتان ہے۔ آیا یزید جیسا شراب خور عیش و عشرت کا دلدادہ، آوارہ طبیعت مجھ سے بہتر ہے؟"

معاویہ نے ان تمام باتوں کو بہ کمال بے شرمی سنا اور ڈھٹائی سے مدینہ کے مسلمانوں کے سامنے امامؑ سے گفتگو کی اور اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے نزدیک حق اور حقیقت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس گفتگو کے بعد وہ پھر یزید کی بیعت کے لئے لوگوں کے سامنے یزید کی تعریف کرنے لگا۔ (امامۃ والسیاسۃ ج ا۔ ص ۱۸۸)

معاویہ چند دن مدینہ میں رہا اس دوران یہ یزید کی بیعت لینے کے لئے مقدمات میں مصروف رہا۔ جہاں تک امام حسینؑ اور بقیہ تین افراد کے بیعت سے انکار کی بات تھی اس نے ان کے لئے ایک ترکیب سوچی۔ پس جب بیعت لینے کا وقت آیا تو اس نے ان چاروں افراد کے پیچھے دو دو شمشیر زن کھڑے کرا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ جب میں یزید کی بیعت کے لئے لوگوں سے کہوں تو اگر ان چار افراد کی زبان سے کوئی بھی آواز و حرف نکلے خواہ وہ تصدیق کا ہو یا میری تکذیب کا ان کا سر قلم کر دینا۔ اس حکم کے بعد وہ منبر پر گیا اور کہنے لگا اے لوگو! یہ افراد جو کل تک یزید کی بیعت کے مخالف تھے اب وہ بھی یزید کی بیعت پر راضی ہیں پس تم بھی بیعت کر لو جب لوگوں نے یہ سنا تو بیعت کر لی۔ اور یوں معاویہ کا یہ مقصد بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

(ہما مصدر ج ا۔ ص ۱۹۰۔ کامل ابن اثیر ج ۳۔ ص ۲۵۲ کامل میں یہ نقل ہے کہ یہ کام مکہ میں ہوا)۔

انسان کے روپ میں حیوان

تمام مورخین متفق ہیں کہ یزید حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہونے کے لائق نہ تھا۔ یزید عیش و عشرت کی زندگی کا دلدادہ تھا۔ ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا۔ اس کی راتیں مستی اور دن خمار میں بسر ہوتے تھے۔ وہ غیر از شراب اور معشوق کچھ نہ جانتا تھا۔ طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ وہ لہو لعب، فسق و فجور سے ملول ہوتا اور تھکتا نہ تھا

(علی ودو فرزندش۔ ص ۲۶۲)

علی بن حسین مسعودی نقل کرتے ہیں :

یزید موسیقی، ہوا وہوس کا دلدادہ مرد تھا۔ وہ عیاش مرد تھا۔ وہ کتے باز، بندر باز اور چیتے باز تھا اور ان سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ عیش و طرب اور مے گساری کی محفل سجاتا تھا۔ قتل امام حسینؑ کے بعد ایک دن شراب کی ایک محفل میں اس نے ابن زیاد کو اپنے دائیں طرف بٹھایا اور ساقی سے کہا :" مجھے شراب کا وہ جام دو جو میری نرم ہڈیوں کو سیراب کردے۔ اور ابن زیاد کو بھی ایسا ایک جام دو کہ یہ میرا امین و رازدار ہے۔ میری حکومت کی بنیاد اور میرا جہاد اسی کے دم قدم سے ہے"۔

یزید کے اشعار جن کا ترجمہ اوپر بیان ہوا یہ تھے :

"اسقنی شربة تروی مشاشی

ثم صل فاسق مثلها بن زیاد

صاحب السرو الامانة عندی

ولتسدید مغنمی و جهادی

پھر رقاصاؤں سے کہا کہ رقص و گانا شروع کرو۔ یزید کا یہ فسق و فجور اس کے

عمّال اور حاکموں میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ اور وہ بھی ان گناہوں کے عادی ہو گئے تھے۔ اور یہ بے پروائی' بے دینی امت اسلام میں بھی سرایت کر گئی' اس کی خلافت کے زمانے میں گانا بجانا' ناچ اور شراب خوری مکہ' مدینہ تک کے معمول بن گئے۔ اسباب لہو ولعب عام تھے۔ لوگوں نے کھلم کھلا شراب پینا شروع کر دی تھی۔

دار الخلافہ میں یزید نے ایک بندر پال رکھا تھا جس کا نام ابو قیس رکھا تھا۔ یزید اس کو اپنے دربار میں ساتھ لے کر آتا تھا۔ دربار میں اس بندر کو جو انتہائی غلیظ اور خبیث تھا ایک قالین پر اپنے سامنے بٹھاتا تھا۔ اکثر' یزید اس بندر کو ایک گدھی پر سوار کرواتا جس پر زین کسی ہوتی اور اس کی لگام اس بندر کے ہاتھ میں ہوتی اور اس طرح یہ بندر گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا۔ ایک بار یہ بندر اس دوڑ کو جیت گیا۔ اس بندر نے حریر کا لباس پہنا ہوا تھا اور سر پر ریشم کی رنگا رنگ ٹوپی پہن رکھی تھی۔

اصل یہ ہے کہ یزید اس امت کے لئے فرعون کی طرح تھا بلکہ فرعون تو اس سے بہت عالی اور منصف حکمراں تھا۔ (مروج الذہب ج ۲۔ ص ۹۴)

یہ تو یزید کے بارے میں مسعودی کا قول ہے: یہ تھا ملت اسلامیہ کیلئے معاویہ کا تحفہ جسے اس نے کمال بے شرمی سے شائستہ بتا کر خلافت پر بٹھادیا تھا اور امام حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار سے یوں بدکلامی کی تھی کہ اے حسینؑ یزید تم سے زیادہ لائق خلافت ہے۔

یعقوبی لکھتا ہے جب عبد اللہ بن عمر سے یزید کی بیعت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے یوں جواب دیا اس کی بیعت کروں جو بندر باز' کتے باز ہے' شراب خوار ہے اور اعلانیہ فسق وفجور کے علاوہ اسے کوئی کام نہیں۔ میں خدا کے حضور اس کی بیعت کا کیا جواز پیش کروں گا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۶۵)

معاویہ نے یزید کو روم کے شہروں کی فتح کے لئے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں جانے والے لشکر کے ہمراہ اس خیال سے روانہ کیا کہ شاید یزید ساتھ جاکر کوئی ایسا کام کرسکے جس سے اس کا نام بھی مجاہدین کی فہرست میں آجائے اور اس طرح یزید بھی لوگوں کے دلوں میں کوئی مقام بنالے۔ غذقذونہ کے مقام پر مسلمان بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ اس جگہ ایک کلیسابنام دیر مران تھا۔ یزید اپنی بیوی ام کلثوم کے ساتھ اس دیر میں عیش و نوش میں مشغول تھا۔ جب اس کو اطلاع دی گئی کہ لشکر کے سپاہی چیچک اور بخار میں گرفتار ہو گئے ہیں تو زن و شراب سے نہ تھکنے والے نے انتہائی بے توجہی سے ان اشعار کو پڑھا۔

ماان ابالی بمالاقت جموعهم　　　بالغذ قذونة من حمی ومن موم
اذا انکات علی الانماط فی غرف　　　بدیرمران عندی ام کلثوم

مجھے کیا غم غذو قذونۃ میں لوگوں کے سروں پر بخار و چیچک جیسی بلا نے حملہ کر دیا میں تو دیر مران میں تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوں اور میری اُم کلثوم میری آغوش میں ہے:

یہ شہوت و نفس کا غلام جسے عیش و عشرت، شراب و معشوق کے علاوہ کوئی ہدف نہ تھا شراب کا وصف یوں بیان کرتا ہے:

شمیسة کرم برجها قعرد نها　　　ومشرقها الساقی ومغربها فمی
اذا نزلت من دنها فی زجاجة　　　حکت نفراً بین الحطیم وزمزم
فان حرمت یوما علی دین احمد　　　فخذها علی دین المسیح بن مریم۔[۱]

---

[۱]۔ تتمۃ المنتھی ج ۱۔ ص ۶۵ دوسرا شعر محقق محترم آقای غفاری کی کتاب مقدمہ بررسی تاریخ عاشوراء سے نقل ہوا ہے۔

یزید نے شراب کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا : میرا آفتاب انگور ہے' اس کا برج شراب کے خمار کی تہ میں ہے اور اس کا مشرق ساقی کا ہاتھ اور مغرب میرا منہ ہے اور جب شراب کو کوزے سے جام میں اُنڈیلتے ہیں تو اس کے بلبلے ان حاجیوں کی طرح ہیں جو میان حطیم کعبہ اور چاہ زمزم ہرولہ کرتے ہوئے دوڑتے ہیں وہ کہتا ہے اگر شراب دین محمدؐ میں حرام ہے تو اسے دین مسیح پر تیار کرو اور پی جاؤ' یزید نے اپنے ہم پیالہ مے گساروں کو ترغیب دلاتے ہوئے کہا :

معشر الندمان قوموا واسمعوا صوت الاغانی

واشربوا کاس مدام واترکوا ذکر المعانی

شغلتنی نعمة العبدان عن صوت الاذان

وتعوضت عن الحور عجوزاً فی الدنان ۔ ۱

اے میرے ساتھیو اٹھو اور کیف آور نغموں کو سنو' جام پہ جام پیتے جاؤ مذاکرات علمی و معانی کو ترک کر دو۔ ان سازوں سے جو نغمے نکلتے ہیں وہ مجھے ندائے اللہ اکبر سے دور لے جاتے ہیں۔ میں شراب کی تہہ کے بلبلے کو حوران بہشتی کا نعم البدل سمجھتا ہوں۔ یہ موسیقی کی ہیجان انگیز آوازیں اور دل لبھانے والا رقص اور ان رقاصاؤں کے نازک و متناسب بدن موج شہوت کو تیز کر دیتے ہیں۔ یہ شراب کا سرخ پیالہ میرے لئے کافی ہے' نہ مجھے حوران جنت چاہئے نہ کوئی اور۔

ابن اثیر لکھتا ہے کہ مدینہ کے حکمران نے مدینہ کے چند لوگوں کو دربار یزید میں بھیجا۔ یزید نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ لیکن یہ لوگ واپس آنے کے بعد یزید پر لعنت کرتے تھے اور کہتے تھے : ہم

۱۔ تذکرۃ سبط ابن جوزی ص ۶۴ ا باب ۹

اس مرد کے پاس سے آئے ہیں جو بے دین ہے اور شراب پیتا ہے۔ وہ رقص و سرور کی محفلیں سجاتا ہے۔ کتے باز ہے اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ چور اُچکے اس کے نزدیک عزت دار ہیں۔ اے لوگو جان لو ہم نے اسے خلافت سے خارج کر دیا ہے۔
(کامل ج ۳۔ ص ۳۰۷)

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی۔ یزید کے قائم کردہ حکمران کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔ عبداللہ بن حنظلہ جو باغیوں کا سردار تھا کہتا تھا خدا کی قسم ہم یزید سے بغاوت نہ کرتے لیکن ہم نے دیکھا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے۔ یزید وہ فرد ہے جس سے اسکی بہن بیٹی اور ماں بھی محفوظ نہیں۔ وہ شراب پیتا ہے اور اولاد پیغمبر کو قتل کرتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم یزید کے وہ کفر آمیز کلمات و اشعار جو اس نے اہل بیت کے دربار میں داخلہ کے وقت پڑھے انشاء اللہ پیش کریں گے۔

یہ تھی اس انسان نما حیوان کی شکل و صورت جس کو جبراً ملت اسلامی کے سر پر مسلط کر دیا گیا تھا۔

تمام ناپاکیاں یزید کے وجود میں جمع ہو گئیں تھیں اور یقیناً شیطان رجیم اس کی چوکھٹ کے بوسے لیتا ہو گا۔ اس حیوان نما انسان کو رسولؐ خدا کا جانشین اور جہان اسلام کا سرپرست بنا دیا گیا تھا۔ یہ ذلیل آدمی جس کے اعصاب کثرت شراب نوشی سے مفلوج ہو چکے تھے اسلام کی شریعت بزرگ کو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اگر حسینؑ ابن علیؑ خاموش بیٹھ جاتے یا یزید کی بیعت کر کے اس کے مددگار بن جاتے تو اسلام کا فاتحہ پڑھ لیا گیا ہوتا۔ رسولؐ خدا کی تمام زحمتیں رائیگان چلی جاتیں اور اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ قیام امام حسینؑ کے نتائج کی بحث کے دوران

ہم دیکھیں گے کہ شہادت امام حسینؑ نے کس طرح تاریخ کارخ موڑا اور بنو امیہ کو مطلقاً اسلام سے جدا ظاہر کر دکھایا۔

ابھی تک ہم نے حضرت عمرؓ کے زمانے سے بیعت یزید تک کے حوادث سے آگاہی حاصل کی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ سید الشہداءؑ نے ان تمام حوادث پر کیا عکس العمل پیش کیا۔ اور ان سے نمٹنے کے لئے کیا اقدامات کئے۔

معاویہ کے دور حکومت میں امام حسینؑ کا موقف

امام حسینؑ کے حالات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ کے دور حکومت میں امام حسینؑ مسلسل آل ابوسفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام کی فکر میں تھے۔ آپ ہمیشہ معاویہ اور اس کے عمال کی جاری کردہ بدعتوں پر تنقید کرتے رہتے تھے۔ لیکن امام حسنؑ کا معاہدۂ صلح اور خود معاویہ کا وجود اس سلسلے میں رکاوٹ تھا۔ اسی لئے امام حسینؑ کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

چونکہ یہ مطالب خود ایک مستقل موضوع بحث ہیں اس لئے آئندہ صفحات میں ان پر طویل بحث کی جائے گی۔

ابن قتیبہ کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" میں نقل کرتا ہے کہ امام حسنؑ کے معاہدۂ صلح کے وقت سلیمان بن صرد جو بزرگان شیعہ سے تھے کوفہ میں موجود نہ تھے۔ کوفہ آنے پر انہیں اس معاہدہ کا پتا چلا اور انہوں نے دیکھا کہ امام حسنؑ خاندان رسالت کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے گئے ہیں۔ سلیمان بن صرد مدینہ آئے اور انہوں نے امام حسنؑ سے عرض کی کہ پیمان صلح کو توڑ دیجئے اور معاویہ کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ امام حسنؑ نے ان کی اس تجویز کو رد کرتے ہوئے فرمایا: "جب تک معاویہ زندہ ہے اس طرح کے کام میں مصلحت نہیں"

سلیمان جب یہاں سے ناامید ہو گئے تو وہ امام حسینؑ کے پاس آئے اور وہ جو امام حسنؑ سے چاہتے تھے امام حسینؑ سے عرض کیا امام حسینؑ نے فرمایا :

"ولیکن کل رجلٌ منکم حلساً من احلاس بیته مادام معاویه حیا فانها بیعة کنت والله لنها کار ها فان هلك معاویة نظر ناو نظرتم ورا ینا و را یتم"۔ [۱۰]

"جب تک معاویہ زندہ ہے خاموش رہو اور کسی طرح کا کوئی اقدام نہ کرنا یہ بیعت جو معاویہ کے ساتھ ہے خدا کی قسم میں اس سے خوش نہیں ہوں۔ ہاں جب معاویہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا تو میں اور تم اقدامات کا جائزہ لے کر عمل کریں گے اور اپنے ارادوں کو ضرور پالیں گے"۔

اس گفتگو کی ابتداء میں امام حسینؑ نے فرمایا کہ جب تک معاویہ زندہ ہے مسلح قیام کی کسی بھی طرح مصلحت نہیں ہے۔ اور پھر معاویہ کے اس معاہدہ صلح کے لئے اپنی ناراضگی کو بیان کیا۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام حسینؑ نے وجود معاویہ کو قیام و جنگ کے لئے رکاوٹ کیوں قرار دیا؟ اور پھر اس معاہدہ کو جو آپ کے بھائی امام حسنؑ کے ہاتھوں انجام پایا مکروہ کیوں قرار دیا۔

اصل میں معاویہ کی زندگی میں قیام نہ کرنے کی ایک وجہ حالات کی ناسازگاری تھی۔ قصاص خون عثمان کا جوش ابھی تک جاری تھا اور فقط مخصوص محبان اہل بیت ہی اس کی اصلیت سے واقف تھے۔ وگرنہ معاویہ نے بظاہر خون عثمان کے قصاص کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کی اکثریت کو یہ یقین دلوایا تھا کہ اس کا مقصد سوائے قصاص کچھ نہیں۔ لوگ معاویہ کی در پردہ سازشوں اور سیاسی مقاصد

۱۰۔ الامامہ والسیاسۃ ص ۱۶۵

سے آگاہ نہ تھے۔ معاویہ نے اپنے مضبوط ذرائع ابلاغ سے لوگوں کو یقین دلوادیا تھا کہ خاندان علیؑ نے بغاوت کے اس فتنہ کو ہوا دے کر بنو امیہ کے خلاف یہ شورش برپا کروائی ہے اس طرح معاویہ نے خود کو طالب حق، صلح پسند، امن و آشتی کا دلدادہ ظاہر کیا ہوا تھا۔

بعبارت دیگر صلح امام حسنؑ کا وہ سبب جو بیان ہو چکا ہے ابھی باقی تھا۔ ایک طویل مدت درکار تھی کہ عوام اس ظالم اور مطلق العنان حکومت کے ظلم و ستم کا مزہ چکھ لیں تاکہ انہیں امام حسینؑ جیسے پاک طینت عظیم انسان کی قدر و اہمیت کا اندازہ ہو اور وہ ان کے اس مقدس مشن کی روشنی میں آل ابو سفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف امام کے ساتھ جدوجہد جاری رکھ سکیں۔

جی ہاں دور معاویہ جنگ کے لئے ذرا بھی سازگار نہ تھا اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین میں سے ایک فرد یوں لکھتا ہے کہ: "اگر اس دور میں امام حسینؑ، امام حسنؑ کی جگہ ہوتے تو وہ بھی معاویہ سے صلح کرتے اور جس دور میں امام حسینؑ نے قیام و جنگ کی اگر امام حسنؑ ہوتے تو آپ بھی بر علیہ یزید قیام ہی کرتے۔" [۱۰]

امام حسینؑ اگر دور معاویہ میں اپنے مشن کا آغاز کر دیتے تو معاویہ اپنی عیارانہ تدبیروں اور وسائل سے امام حسینؑ کو نہ صرف شہید کروا دیتا بلکہ امام کے خون ناحق پر پردہ بھی ڈال دیتا۔ لیکن آہستہ آہستہ حالات موافق سے موافق تر ہوتے گئے کیونکہ اس مدت میں مسلمانوں نے بنو امیہ کی اس ظالم اور مطلق العنان حکومت کے ظلم و ستم کا مزہ چکھ لیا۔ اس ظالم حکومت کے دور میں عوام الناس کی

۱۰۔ یہ قول مرحوم سید ھبۃ الدین شہرستانی کا ہے۔ جو مجلہ نور دانش میں نقل ہوا۔

آزادی کا سلب ہونا' انتشار اور افتراق' بیت المال کی تاراجی اور اس کا نفع بنوامیہ میں استعمال ہونا اور اس خلافت کو اپنی موروثی ملکیت بنا لینا لوگوں پر واضح کر گیا کہ معاویہ کی حکومت ایک باطل پرست حکومت ہے اور معاویہ کا حق سے کوئی تعلق نہیں۔ اب مسلمان اس ظالم و جابر اور ناجائز طریقے قائم ہونے والی حکومت کی نابودی کے لئے نہ صرف دل میں آرزو رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس کی نیست و نابودی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

اس طرح یزید کے دور حکومت تک حالات مکمل طور پر قیام امام حسینؑ کے لئے استوار ہو چکے تھے۔ پس امام حسینؑ نے قیام کیا اور کربلا کا یہ خونین واقعہ پیش آیا جس نے حکومت آل ابو سفیان کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔

معاویہ کو انقلاب کی راہ میں رکاوٹ قرار دینے کی ایک دوسری وجہ معاہدہ صلح کا احترام بھی تھا جو امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان طے پایا۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کی پیروی کرتے ہوئے اور مصلحت وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس معاہدہ کی موافقیت ظاہر کی تھی۔ درعین حال کہ امام حسینؑ اس معاہدے سے خوش نہ تھے لیکن پھر بھی مصلحتاً اس کا احترام کرتے تھے [۱]۔ اور یہ بات اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے ایک بزرگ ترین شیعہ عالم ہیں نقل کرتے ہیں :

جب امام حسنؑ کا وصال ہوا تو شیعیان عراق معاویہ کے خلاف قیام کرنے کی فکر میں ہوئے۔ انہوں نے ایک خط امام حسینؑ کی طرف روانہ کیا جسمیں تحریر تھا

---

[۱]۔ امام اس معاہدہ صلح سے ناخوش رہنے کی غرض پر عنقریب پر بحث ہو گی۔

کہ ہم معاویہ کو خلافت سے ہٹا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔امامؑ نے اس بات سے منع کیا اور فرمایا:

"میرے اور معاویہ کے درمیان ایک معاہدہ ہے پس جب تک اس کی مدت تمام نہیں ہو جاتی میں اس کو توڑنا روا ہے۔ہاں جب معاویہ اس دنیا سے چلا جائے گا تو میں اس کام کے بارے میں اپنا مصمم ارادہ بتاؤں گا۔"[۱]

یاد رہے جو افراد مقرب بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ انسانیت کے اصولوں اور عقل و فکر کے تقاضوں کا احترام کرتے اور پابند ہوتے ہیں۔ان کی شخصیت اخلاق حسنہ، فضائل انسانی، اور صفات حمیدہ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ناپسندیدہ اخلاق، اور خلاف انسانی اعمال کا ان سے مطلقاً کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ مثلاً پیغمبر اسلامؐ کی تمام جنگوں میں یہ عادت رہی کہ آپ جب بھی کبھی رات کو دشمن کے پڑاؤ پر پہنچے تو آپ نے حملہ نہ کیا۔ آپؐ حکم دیتے تھے کہ صبح تک حملہ نہ کیا جائے۔ آپؐ کی صفات حسنہ اور اعلیٰ عادات میں سے یہ ایک عادت تھی کہ آپؐ پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ افراد جو آرام سے رات کو سو رہے ہیں اور جنگ کے لئے تیار نہیں ان پر حملہ کیا جائے۔[۲]

معاویہ نے جنگ صفین میں جب پانی پر قبضہ کر لیا تو حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ عمرو بن عاص نے اس کی مخالفت کی کہ اے معاویہ یہ کام غیر انسانی ہے اس کو چھوڑ دو۔ لیکن معاویہ جو نہر پر قبضے کو اپنی فتح سمجھ رہا تھا نہ مانا۔الغرض علیؑ کے لشکر نے تھوڑی سی جنگ کے بعد پانی پر قبضہ کر لیا۔اب نہر ان کے پاس تھی۔

---

[۱] ارشاد مفیدؒ۔ ص ۱۸۲۔ اعلام الوریٰ۔ ص ۲۲۰

[۲] جنایات تاریخ ج ۱۔ ص ۸

معاویہ اس صورت حال پر بڑا پریشان ہوا کہ ممکن ہے حضرت علیؑ بھی اس کو فتح و غلبہ جانتے ہوئے شامیوں پر پانی بند کر دیں۔ عمرو بن عاص جو عرب کا چالاک اور عیار ترین فرد تھا اور جس نے جنگ صفین کے اور حکمیت کے ذریعے ملت اسلامیہ کو دھوکہ دیا وہ حضرت علیؑ کی فطرت و طبیعت سے واقف تھا اس نے معاویہ کو اطمینان دلایا کہ علیؑ تمھاری طرح پانی بند نہیں کریں گے۔ [1]

عمرو بن عاص کی یہ پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ امام کے ساتھیوں نے چاہا کہ وہ بھی معاویہ کے لشکریوں پر پانی بند کر دیں لیکن اس بے مثال اور اعلیٰ شخصیت کے مالک حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں کو وہ جواب دیا جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے:

"کلا لست امنع عنهم صاعاً احله الله علیهم"۔ [2]

"ہرگز پانی جسے خدا نے ان کے لئے حلال قرار دیا ہے میں ان پر بند نہ کروں گا"۔

اسی طرح صفین کی خون ریز اور خطرناک لڑائی کے دوران عمرو بن عاص اور حضرت علیؑ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ جب اس نے حضرت علیؑ کو پہچانا تو بے انتہا خوفزدہ ہوا۔ اس کے پاس سوا اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو برہنہ کر دے تاکہ حضرت علیؑ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور وہ بھاگ کر جان بچا لے۔ پس اس نے اپنی اس ترکیب پر عمل کیا۔ امام علیؑ نے جب اسے اس حالت برہنگی اور بے چارگی میں دیکھا تو آپؑ نے آنکھیں بند کر کے منہ کو پھیر لیا۔ مؤلف کے نزدیک جو مرد اپنی جان بچانے کے لئے اس شرمناک ترین طریقے کو اپنائے جو عام مردوں سے بھی بعید ہے ایسے شخص کو قتل کرنا ایک شجاع اور اعلی انسان کے لئے کوئی بہادری و

---

[1]۔ تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۳۴

[2]۔ نهضة الحسین تالیف شہرستانی۔ ص ۱۷

جرأت نہیں۔

خاصان خدا کے اخلاق حسنہ کے یہ چند نمونے ہیں جو بیان کئے گئے۔ اسی لئے امام حسینؑ نے کوفہ کے شیعوں کو عہد شکنی کے موضوع کے جواب میں منع کیا اور فرمایا :

”میرے اور معاویہ کے درمیان جو معاہدہ ہے میں اس کو نہیں توڑوں گا“۔

یقیناً ایفائے عہد انسانیت کے اصولوں میں سے ایک اور اخلاقی فضیلت ہے اور امامؑ کے لئے لازم تھا کہ وہ وعدہ وفا ہو۔

امام حسینؑ اور مصالحۂ امام حسنؑ

جو صلح امام حسنؑ کے ہاتھوں انجام پایا تھا اسے امام حسینؑ نے مکروہ کیوں جانا اور آپؑ نے سلیمان بن صرد سے کیوں فرمایا میں اس بیعت پر راضی نہ تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے نظریے کے خلاف تھے ؟

امام حسینؑ کا اس سخن سے مراد دراصل مصالحہ اور معاویہ کو مسلمانوں کے سر پر آزاد چھوڑ دینا تھا ؟

معاویہ کو مسلمانوں کے سروں پر مسلط کرنا نہ صرف امام حسینؑ بلکہ آپ کے برادر محترم امام حسنؑ حتی کہ عام مسلمانوں کی نگاہ میں بھی مکروہ و ناپسندیدہ تھا جو معاویہ کی عیارانہ اور شیطنت پسند طبیعت سے واقف تھے۔ لیکن چونکہ قبلاً ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت اسی میں تھی کہ ان حالات میں اس معاہدہ کو قبول کیا جائے اور خلافت اسلامی کی جگہ بنو امیہ کی سلطنت کو دے دی جائے۔ صلح کو ترک کرنا اور جنگ کو جاری رکھنا ہرگز فائدہ نہ رکھتا تھا۔

یہ تمام حقائق امام حسینؑ سے پوشیدہ نہ تھے' اس بناء پر امام حسینؑ نے اصل معاہدۂ صلح سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس کو قبول کیا اور اس کی تائید کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں صلح امام حسنؑ پر امام حسینؑ کے موقف کے بارے میں اشتباہات پیدا ہوئے اور انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جو اصل مطلب و حقیقت سے دور ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم ان مطالب کی طرف توجہ کریں تاکہ حقیقت امر واضح ہو جائے۔

طٰہٰ حسین عرب کے ایک مشہور محقق اور دانشمند لکھتے ہیں: بعض راویوں کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ سے متفق نہ تھے اور اس معاہدہ صلح پر مائل نہ تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی امام حسنؑ سے بہت اصرار کیا کہ صلح نہ کریں اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' لیکن امام حسنؑ نے ان کی بات نہ سنی اور انہیں یہ کہا کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔[1]

اسی طرح کا ایک اور بیان ہے جو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر سے کہا میں نے مصالحت کے لئے معاویہ کو خط لکھا ہے امام حسینؑ نے کہا آپ کو خدا کا واسطہ اس طرح تو آپ معاویہ کی بد عنوانیوں اور ناجائز کاموں کی تصدیق اور اپنے والد حضرت علیؑ کی تکذیب نہ کریں۔ امام حسنؑ نے فرمایا خاموش رہو میں اس کام میں تم سے زیادہ بصیرت رکھتا ہوں۔[2]

ابن حجر عسقلانی اس گفتگو کو نزاکت کے ساتھ نقل کرتا ہے کہ امام حسنؑ نے

۱۔ علی و دو فرزندش۔ ص ۲۰۵

۲۔ تاریخ طبری ج ۴۔ ص ۱۲۲ تاریخ کامل ج ۳۔ ص ۲۰۳

اپنے بھائی امام حسینؑ کو مصالحت کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنے بھائی امام حسنؑ کو اس کام سے منع کیا۔ لیکن امام حسنؑ کے اصرار پر آخر کار وہ راضی ہو گئے۔ ۱۰

اہل سنت کے بعض مورخین نے اور بھی بڑھا چڑھا کر تحریر کیا ہے۔ ان تمام کو یہاں تحریر کرنا ضروری نہیں یہی چند نمونے کافی ہیں۔

اصل میں اس طرح کی کوئی بھی گفتگو کتب شیعہ میں مذکور نہیں اور یہ تمام ان دروغ گو راویوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی مخالفت کرتے ؟ جبکہ امام حسنؑ حجۃ خدا تھے اور ان کی اطاعت واجب تھی۔ دوسری طرف امام حسینؑ معاہدہ صلح کے اسباب وعلل سے بھی آگاہ تھے جنہوں نے امام حسنؑ کو صلح پر مجبور کیا۔ پس وہ مخالفت کیوں کرتے ؟ جبکہ امام حسنؑ نے مسلمانون کو تباہی سے بچانے اور تقاضائے عقل کے تحت اس معاہدہ کو انجام دیا تھا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام حسنؑ اس صورت حال سے دوچار تھے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خود کو خلافت سے دور کر لیں اور مسلمانوں کے خون کو عبث نہ بہنے دیں۔ کیونکہ جنگ کرنے میں سوائے بے مقصد خون ریزی کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ ہاں یہ احتمال تھا کہ بنی ہاشم اور شیعیان علیؑ کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا اور ان کی یہ شہادت اجتماعی بھی مسلمانوں کو تباہی سے نہ بچا سکتی۔

ان تمام امور کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی کے ہم خیال

۱۰۔ الاصابہ ج ۲۔ ص ۱۳ ترجمہ حضرت مجتبیٰ علیہ السلام

نہ تھے تو پھر انہوں نے سلیمان اور دوسرے بزرگان شیعہ کو مثبت جواب کیوں نہ دیا اور ان کی معاویہ کے خلاف اقدامات کی تجاویز کو معاہدہ کی خلاف ورزی کیوں قرار دیا؟ اور اگر معاہدہ صلح امام علیؑ کے کاموں کی تکذیب تھی جیسا کہ طبری نے لکھا تو امام حسینؑ ایک لحظہ بھی خاموش نہ بیٹھتے کیونکہ کسی بھی ظالم کی حمایت اور حق کی مخالفت نہ صرف یہ کہ معصیت ہے بلکہ درگاہ خداوندی میں جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔

دوسری طرف اگر معاہدہ صلح حضرت علیؑ کی سیرت (جو کہ رسول خدا(ص) ہی کی سیرت ہے) کے خلاف ہوتا تو یقیناً سیرت نبوی کے بھی خلاف ہوتا اور امام حسنؑ ایسے معاہدہ پر دستخط کر کے اسے نافذ العمل قرار نہ دیتے۔

شیعوں کے ایک نامور عالم ابن شہر آشوب نے اس سلسلے میں ایک گفتگو نقل کی ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور اسمیں دونوں بھائیوں کے مابین جو احترام تھا وہ صاف نظر آتا ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں :

جب امام حسینؑ اپنے بھائی کے ارادے سے مطلع ہوئے تو روتے ہوئے امام حسنؑ کے پاس آئے اور کہا اے بھائی وہ کونسا سبب ہے جو آپؑ نے معاویہ کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ امام حسنؑ نے جواب دیا وہ وہی علت و سبب جس نے ہمارے والد حضرت علیؑ کو گوشہ نشینی کی زندگی پر مجبور کر دیا تھا۔ سید الشہداءؑ قانع ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ ؎۱

ہم جانتے ہیں صدر اسلام میں حضرت علیؑ کی گوشہ نشینی کی دو وجوہات

؎۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴۔ ص ۳۴ ط جدید لفظ حدیث اس طرح ہے۔ فقلت مادعاك الى تسليم الخلاقة ؟ فقال الذى دعا اباك فيما تقدم

تھیں :

۱۔ حضرت علی کو ایسے مددگار میسر نہ تھے جن کے ذریعے آپ اپنے مخالفین کو نکال باہر کر سکتے۔

۲۔ مصلحت اسلام : اگر حضرت علیؑ قیام کرتے تو اس سے نہ صرف یہ کہ بے فائدہ خونریزی ہوتی بلکہ دشمنان اسلام اور منافقین کو اس داخلی افتراق اور انتشار سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل جاتا اور وہ اسلام کو نقصان پہنچا دیتے۔

انہی دو علتوں نے امام حسنؑ کو معاہدہ صلح پر آمادہ کیا۔ امام حسنؑ کو مخلص اور سچے ساتھی میسر نہ آسکے کیونکہ گزشتہ لوگوں کی غلطیوں اور خطاؤں کے اثر سے مسلمانوں کی عمومی فکر خلافت اسلامی کے حق میں نہ رہگئی اور بنو امیہ کی اس مستحکم اور ظاہری شان و شوکت والی سلطنت کو لبیک کہا۔ پس یہ امر امام حسنؑ کی سیاسی شکست کا سبب ہوا۔

انجمن مکہ :

اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام حسینؑ معاویہ کے زمانہ میں ہی اس کی باطل حکومت کے خلاف قیام کی فکر میں تھے۔ آپ معاویہ کی بدعتوں اور اس کے عمّال کے ناجائز کاموں پر مسلسل تنقید و اعتراض فرماتے تھے۔ اس بارے میں آپ کے اہم اور موثر کارناموں میں سے مکہ میں پُر شکوہ اجتماع کی تشکیل اور اس مجمع میں آپ کی وہ بیدار مغز تقریر ہے۔

طبری نے کتاب احتجاج میں نقل کیا ہے کہ معاویہ کی موت سے دو سال قبل امام حسینؑ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر کی ہمراہی میں خانۂ خدا کی زیارت کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ امام نے اس سال بنی ہاشم کے مرد و زن، اپنے

ایسے دوستوں اور شیعوں کو، مدینہ کے وہ افراد جو امام حسینؑ اور آپ کے خاندان کو جانتے تھے، تمام اصحاب رسولؐ اور ان کے فرزندوں اور تابعین کو مکہ آنے کی دعوت دی تھی۔ آپ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے منیٰ میں آپ کے گرد ہزار سے زائد افراد جمع ہو گئے تھے۔ امامؑ نے وہاں جو خطبہ دیا وہ یہ تھا:

"اما بعد فان هذه الطاغية قد صنع بنا و بشيعتنا ما قد علمتم و رائيتم وشهدتم وبلغكم واني اريد ان اسئلكم عن اشياء فان صدقت فصدقوني وان كذبت فكذبوني، اسمعوا مقالتي واكتموا[۱] قولي ثم ارجعوا الى امصاركم وقبائلكم من امنتم ووثقتم به فادعوهم الى اما تعلمون فاني اخاف ان يندرس هذاالحق ويذهب، والله متم نوره ولو كره الكافرون..."

"یہ مرد طاغی، حدود اسلامی کو پائمال کرنے والا ہے اس نے ہمارے ساتھ اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب آپ نے دیکھا ہے اور آپ کے علم میں ہے۔ میں وہ سب حقائق آپ لوگوں کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ اگر میری باتیں حقیقت پر مبنی ہوں تو میری تصدیق کریں بصورت دیگر بلا دریغ تکذیب کریں۔ مجھے سنیں اور الفاظ کو اپنے دلوں میں محفوظ کر لیں اور جب اپنے وطن اور قبیلوں کی طرف واپس جائیں تو ہر امین اور قابل بھروسہ فرد کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ کیونکہ ڈر ہے کہ یہ دین حق فرسودہ ہو جائے بلکہ سرے سے ہی ختم ہو جائے۔ خداوند عالم

---

[۱] ایک محقق کا کہنا ہے کہ ایک نسخہ میں فاکتبوا نقل ہوا ہے یعنی جو میں کہوں اس کو لکھ لو۔ مولف کا عقیدہ بھی یہ ہے کہ فاکتبوا صحیح ہے کیونکہ امام کا کلام پھیلانے کے لئے نہ چھپانے کے لئے۔

اپنے نور کو مکمل کرتا ہے چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔

اس روز امام حسینؑ نے ان تمام قرآنی آیات کی تلاوت و تفسیر فرمائی جو اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہوئیں تھیں۔ جناب علیؑ و فاطمہ سلام اللہ اور ان کی اولاد کے لئے جو کچھ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا تھا اسے بیان کیا۔ اصحاب رسولؐ نے ان سب آیات قرآنی اور احادیث رسولؐ کی تصدیق کی جی ہاں ہم نے رسول خداؐ سے آپ کے بارے میں اسی طرح سنا ہے۔ تابعین جنہوں نے رسول خداؐ کو نہیں دیکھا تھا لیکن صحابہ کرام سے اقوال رسولؐ کو سنا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں رسول خداؐ کے امین اور سچے صحابیوں نے اسی طرح اقوال رسول اللہ (ص) بتائے ہیں۔ پھر آپؑ نے یوں فرمایا:

"تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب اپنے قبیلوں میں پلٹ کر جاؤ تو امین افراد کو میرا پیغام پہنچا دینا"۔ ۱

یہ اقوال امام حسینؑ بخوبی واضح کر رہے ہیں کہ امام اس وقت کے انتظار میں تھے جب زمانہ موافق ہو جائے۔ تاکہ حالات متقاضی ہوں کہ امامؑ اسلام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اسلام اور مسلمانوں کی اکثریت کے حقوق کا دفاع کر سکیں۔ اور امامؑ کا یہ کہنا کہ شہروں اور قبیلوں میں میرا پیغام دینا اس لئے تھا کہ آئندہ آپؑ کے قیام کے لئے راہ ہموار ہو سکے نیز آپؑ نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس بھی دلایا کہ ممکن ہے بنو امیہ کی ظالم حکومت کا تسلط سقوط اسلام پر منتہی ہو۔ امام حسینؑ نے معاویہ کی جاری کردہ بدعتوں' ناجائز اور خلاف انسانی اعمال پر تنقید و اعتراض کے ذریعے مسلمانوں کے سامنے واضح کیا کہ معاویہ اور اس کے عمّال مسلمانوں

۱۔ احتجاج طبرسی۔ ص ۱۵۲ فصل احتجاجات امام حسینؑ

کے سرپرست بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ الغرض یہ اجتماع امامؑ کے قیام اور انقلاب کا پہلا قدم تھا جو مستقبل قریب میں امامؑ برپا کرنے والے تھے۔

بزرگان امامیہ میں سے حسن بن شعبہ نے چوتھی صدی ہجری میں اپنی کتاب "تحف العقول" میں امام حسینؑ سے ایک خطبہ نقل کیا ہے۔ مؤلف کو اس خطبے کے بارے میں یقینی خیال ہے کہ امام حسینؑ نے اسی اجتماع مکہ کے دوران ارشاد فرمایا ہوگا[۱]۔ اس خطبے میں امامؑ نے ظالم کے خلاف سکوت اختیار کرنے اور ظلم سہنے کے نتائج و عواقب کو بیان کرتے ہوئے قرآن کی ان آیات کی تلاوت فرمائی جو امر بالمعروف اور نہی از منکر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا:

"گزشتہ اقوام امر بالمعروف اور نہی از منکر کے ترک کرنے اور ظالم و ستمگر کے ظلم کو برداشت کرنے کی وجہ سے زوال و انحطاط کا شکار ہوئیں"۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"اے طاقتور جماعت تم وہ لوگ ہو جن کو خدا نے علم و دانش، خوبی اور خیر جوئی کے لئے شہرت دی ہے۔ خدا نے لوگوں کے دلوں پر تمہاری ہیبت طاری کر رکھی ہے۔ شریف تم سے سبق لیتا ہے اور کمزور تم کو محترم جانتا ہے۔ اور جو لوگ تمہارے ہم پایہ ہیں اور برابر ہیں تم ان پر کوئی حق نہیں رکھتے لیکن وہ تم کو خود پر مقدم رکھتے ہیں۔ لوگ جب اپنی ضروریات پوری ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو تم ان کو پورا کرتے ہو۔ تم زمین پر بادشاہوں کی طرح بارعب اور بزرگوں کی طرح محترم

---

[۱]۔ جناب علی اکبر غفاری نے بررسی تاریخ عاشورا کے مقدمے میں اس خطبے کو انجمن مکہ میں دیئے جانے والے خطبے کا اظہار ہم سے پہلے کیا ہے۔

زندگی گزراتے ہو۔ یہ مہابت اور شرافت جو تم تک پہنچی ہے اس وجہ سے ہے کہ تم انتظار نہ کرو اور خدا کی خاطر قیام کرو۔ اور دین خدا کی حمایت و مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اگر چہ تم لوگ مختصر ہو اور تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے فرائض کو ادا نہیں کیا۔

تم لوگوں نے آئمہ کے حقوق کو سبک جانا۔ تم نے کمزوروں اور بے چارے افراد کے حقوق کو ضائع کر دیا۔ اور فقط اپنے حقوق کے پیچھے گئے۔ تم نے نہ تو مال ہی اس راہ میں خرچ کیا اور نہ ہی خود کو کسی خطرے میں ڈالا نہ ہی تم نے اپنی اقوام اور خاندان سے خدا کی خاطر کوئی ناراضگی مول لی۔ آیا تم یہ آرزو رکھتے ہو کہ کل بہشت تمہاری ہو گی اور تم پیامبران خدا کے ہمسایہ ہو گے اور عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔ میں تم لوگوں کے لئے فکر مند ہوں کہ خدا نخواستہ تم لوگوں پر مصائب و عذاب نازل ہو جائیں کیونکہ تم اس عالی مقام تک پہنچے ہو جو کہ دوسروں کو میسر نہیں۔ تم لوگ خدا شناس افراد کا احترام نہیں کرتے حالانکہ خدا کے واسطہ سے لوگوں کے درمیان محترم ہوئے۔ خدا سے کئے گئے پیمان کو توڑتے ہوئے تم کو خوف نہیں آتا جبکہ اپنے آباؤ اجداد سے کئے گئے وعدوں کو توڑتے ہوئے خوف وو حشت رکھتے ہو اور بےچین رہتے ہو۔ رسول اللہ (ص) سے کئے گئے سب وعدوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ قوم کے اندھے 'گونگے' لولے اور معذور افراد کی سر پرستی کرنے والا کوئی نہیں۔ ان پر رحم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی تم لوگ اپنی قوت و توانائی کی حد تک اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہو۔ اور نہ ہی ان لوگوں کی غمخواری کرتے ہو جو اپنی ذمہ اریوں

کو احسن طور پر پورا کرتے ہیں۔
ستمگاروں اور ظالموں کے ساتھ اپنی سہل پسندی سے تعاون کرتے ہو۔
ان سب کا سبب یہ ہے کہ تم نے خدا کے اس حکم امر بالمعروف اور نہی از منکر سے غفلت اختیار کی ہوئی ہے۔ تمہارے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ تم سے علماء کے مقام کی قدر اور ان کے مراتب کے تحفظ میں مغلوب ہو گئے اے کاش تم لوگ اس بارے میں سعی و کوشش کرتے۔

امور حکومت کی باگ ڈور ان اشخاص کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جو احکام خدا کے عالم ہوں اور حرام و حلال کے امیں ہوں۔ یہ مقام جو تمہارے پاس ہوتا تھا تمہارے ہاتھوں سے چھین لیا گیا کیونکہ تم نے حق کا دامن چھوڑ دیا اور باوجود روشن اور واضح دلیل کے سنت رسولؐ اللہ میں اختلاف کر بیٹھے۔ اگر تم لوگ متحکم بہ سنت رسولؐ اللہ ہوتے 'اتباع رسولؐ میں ثابت قدم رہتے' خدا کی راہ میں مشکلات کو برداشت کرتے تو امور حکومت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں رہتی۔ لیکن تم نے ستمگاروں کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور حکومت الٰہی ان کے ہاتھوں میں دے دی۔ تاکہ وہ اپنی مرضی اور خواہشات نفسانی کے مطابق اس حکومت کے امور کو انجام دیں اور اپنے قیاس و شکوک و شبہات کو احکام حکومت الٰہی میں شامل کر دیں۔ تم لوگوں کا موت سے فرار اور اس ناپائیدار زندگی سے خوش ہونا ہی انہیں تم پر اور خلافت اسلامی پر مسلط کر گیا۔

تم نے کمزوروں کو ان کے اختیار میں دے دیا 'انہوں نے ان میں سے

بعض کو اپنا غلام بنالیا اور بعض کو اس صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا۔ وہ لوگ ملک اور حکومت میں اپنی آراء سے کام کرتے ہیں ۔(انہیں لوگوں کی ضروریات ‘ خواہشات اور خدا کے قوانین کا کوئی پاس نہیں)۔ پس اپنی ہوا وہوس کی پیروی سے انہوں نے ملت اسلامیہ کو ذلت وخواری سے دوچار کر دیا ہے۔ وہ بدکاروں کا اتباع کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں۔ ہر شہر کے خطیب ان کے کہئے کے مطابق ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ تمام مملکت اسلامی ان کے دست تصرف میں ہے‘ امت مسلمہ ان کی غلام ہو کر رہ گئی ہے اور اپنے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتے۔ یہ جابر اور دشمن گروہ ہر کمزور و ناتواں کو تنگ کئے ہوئے ہے۔ ان ظالم حکمرانوں میں سے بعض دنیا و آخرت کے مالک پر ایمان نہیں رکھتے۔

ان حالات پر حیرانی کیوں نہ ہو اور میں کیوں نہ حیران ہوں کہ یہ زمین ایک دغاباز ستمگر کے تصرف میں دے دی گئی ہے جو عوام سے جبراً خراج لینے والا ہے۔ یہ حکام مومنین پر مہربان نہیں۔ خدا گواہ ہے ہم جن حالات میں جدو جہد کر رہے ہیں یقیناً خدا روز حشر ہمارے اور ان کے درمیان انصاف کرے گا۔

پھر امامؑ نے اپنے خطبے کو اسی طرح جاری رکھتے ہوئے فرمایا :

”اے خداوندا! تو جانتا ہے میں نے جو کچھ بھی کیا وہ حکومت اور مال ودولت کے حصول کے لئے نہ تھا اور نہ ہی میری مراد اس سے اپنی بزرگی اور بڑائی جتانا تھی۔ بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تیرے اس حق کے راستے پر

لوگوں کی راہنمائی کریں اور تیرے شہروں کو تعمیر اور آباد کر دیں تاکہ یہ تیرے مظلوم اور بیچارہ بندے امن و آشتی سے زندگی گزار سکیں۔ تیرے عائد کردہ واجبات اور احکامات دنیا میں رائج ہو سکیں۔

پھر آپؑ نے حاضرین سے فرمایا:

"اے لوگو! اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور حق وانصاف کے راستے پر ہمارے ساتھ نہ آئے تو یہ ظالم و ستمگار تم پر مسلط ہو جائیں گے اور تمہارے پیغمبر کے دین مبین کی شمع کو خاموش کر دیں گے"۔ "حسبنا الله و نعم الوکیل"۔

(تحف العقول ص ۲۳۷ اس کا مکمل عربی متن کتاب کے آخر میں)

ہم قیام امام حسینؑ کے جن مطالب و مقاصد کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں امامؑ کا یہ طویل خطبہ ثبوت کے لئے کافی ہے کسی اور توضیح کی ضرورت نہیں رہتی۔

امام حسینؑ نے اس خطبے میں بنو امیہ کی جاری کردہ بدعتوں، ان کے دور میں مفاسد اجتماعی کی بھرمار، لوگوں کے مصائب و معائب میں گرفتار ہونے پر تنقید کی ہے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو ان حالات میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور ظالم و جابر حکومت کے خلاف قیام کرنے پر تیار کرنا امام کے خطبے کے اہم وروشن نکات ہیں۔ امام حسینؑ کے جملات سے معلوم ہوتا تھا کہ مخاطب ان افراد کا گروہ ہے جو لوگوں کے درمیان خیر و صلاح کے چاہنے والوں کے طور پر پہچانا جاتا ہے ان کی ذمہ داریاں عام مسلمانوں سے زیادہ تھیں۔ معلوم ہوتا ہے ان سے مراد وہی لوگ تھے جنہیں امام نے (بقول طبرسی در احتجاج) مکہ میں دعوت دی تھی اور منیٰ میں وہ ہزار سے زیادہ کی تعداد میں موجود تھے۔

معاویہ کے خط اور امامؑ کا جواب

ہم کہہ چکے ہیں کہ دور معاویہ میں امام حسینؑ حتی الامکان ساکت نہیں بیٹھے بلکہ پیہم معاویہ کی جاری کردہ بدعتوں اور ناجائز امور اور ستمگری پر تنقید واعتراض کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگرچہ معاویہ کے زبردست پروپیگنڈے کی وجہ سے تمام مملکت اسلامی حضرت امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ اور آپ کے خاندان کے خلاف ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی آپؑ نے اپنا فریضہ جاری رکھا اور چونکہ خود کو دین اسلام کی حفاظت کے لئے مامور من اللہ جانتے تھے اور اسی بنا پر آپ روز بروز بدلتے حالات پر نگاہ رکھتے تھے۔

امام حسینؑ نے اپنی امامت حقیقی کے اس دس سالہ مدت میں معاویہ کے خلاف تلوار تو نہ اٹھائی لیکن معاویہ کی توبیخ اور اس کے بدعتوں پر شدید اعتراض کرنے سے باز نہ رہے۔ آپ اس تاریک اور پرآشوب دور میں مظلوموں اور ستم زدوں کے لئے ملجاء وماوا تھے۔ دین کے طرف دار اور روشن ضمیر مسلمانوں کی نگاہیں آپ کی طرف جمی ہوئی تھیں۔

حاکم مدینہ سعید بن عاص سے اہل مدینہ خصوصاً بنی ہاشم نے یزید کی بیعت سے منع کیا تو حاکم مدینہ نے تمام حالات معاویہ کو لکھ بھیجے۔ پس معاویہ نے مندرجہ ذیل خط امام حسینؑ کو بھیجا:

"امابعد! مجھے آپکے کاموں کے متعلق اطلاع ملی۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آپ جیسا شخص ایسے اقدام کرے گا۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ کو سوائے دین کے کوئی کام نہیں۔ سب سے شائستہ آدمی وہ ہے جو اپنے کئے ہوئے پیمان کی حفاظت کرے اور معاہدے کا پاس کرے اور محترم

جانے۔ یہ آپ جیسے شرف و عظمت اور منزلت والے کے لئے خدا کی
طرف سے معمولی بات ہے۔ پس ایسے اقدامات نہ کرو جن سے تم کو
نقصان اٹھانا پڑے۔ خدا سے ڈرو اور اس امت میں فتنہ اور تفرقہ نہ ڈالو۔
اپنی اور اپنے دین اور امت کے نگران اور محافظ بنو اور ایسا کوئی کام نہ کرو
جس کی تم سے توقع نہیں کی جاتی"۔ ؎۱

اس خط میں معاویہ سے مخصوص تینوں حربے' دھوکہ' دھمکی اور تہمت نظر آتے ہیں' معاویہ نے لکھا ہے کہ بیعت یزید کے لئے آپ کی مخالفت پر میرے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ آپ کی یہ مخالفت اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جس کو محترم جاننا چاہئے ؎۲۔ میں آپ کے اس عمل کو سوائے بدامنی اور تفرقہ بازی کے کچھ نہیں کہتا۔

امام حسینؑ پسر ابو سفیان کی ان دھمکیوں میں آنے والے نہ تھے۔ اسی لئے آپؑ نے معاویہ کو اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے' سنت رسول کے پامال کرنے' لوگوں کی مصلحت کے خلاف یزید کی بیعت پر اسے سرزنش فرمائی اور مکتوب معاویہ کے جواب میں یوں تحریر فرمایا:

"امابعد! تمھارا خط مجھے ملا۔ تم نے لکھا: تمہیں ہمارے ان کاموں کی
اطلاع دی گئی جن کے لئے تمہیں مجھ سے توقع نہ تھی۔ تمہارے خیال
میں مجھے ان کاموں سے سروکار نہیں ہونا چاہئے جو تم کررہے ہو۔ یاد رکھو
خدا ہی انسان کو نیک کاموں کی طرف ہدایت کرتا ہے اور انہیں ثابت

؎۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱۔ ص ۱۷۹۔ عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔

؎۲۔ معاہدہ صلح امام حسنؑ کی طرف اشارہ ہے

قدمی سے انجام تک پہنچانے کی قوت دیتا ہے۔ تم نے لکھا کہ تمہیں میرے بارے میں اطلاع ملی۔ یہ ان چغل خوروں، تفرقہ ڈالنے والوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ ان گمراہوں اور دین سے خارج لوگوں نے جھوٹ بولا ہے۔ میں ان حالات میں تم سے جنگ اور اختلاف کی فکر میں نہیں ہوں اگرچہ بنو امیہ کے ستمگاروں کے ساتھ جنگ نہ کرنے سے میں خدا سے ڈرتا ہوں کہ تم وہ ستمگار ہو جنہوں نے حرام خدا کو حلال کیا ہوا ہے۔

اے معاویہ آیا تو وہی نہیں جس نے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو بے خطا قتل کیا۔ وہی عابد و زاہد افراد جو بدعتوں کو ناروا شمار کرتے تھے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کرتے تھے تو نے انہیں ظلم و ستم کے ساتھ مار دیا۔ جبکہ تو نے ان کے ساتھ وعدہ وعید کیا ہوا تھا۔ تو نے اس کام میں خدا پر جرأت کی ہے اور اس کے وعدوں کو ناچیز شمار کیا ہے۔ اے معاویہ آیا تو ہی نہیں جس نے عمرو بن حمق کو مارا[1]۔ وہی فرد جس کا چہرہ کثرت عبادت سے لاغر و نحیف تھا۔ تو نے اسے قتل کیا جس کو تو نے امان دی تھی۔ اور امان بھی ایسی کہ اگر بیابانوں کے ہرنوں کو دی جاتی تو وہ پہاڑوں سے اتر کر اطمینان کے ساتھ تیرے پاس آجاتے۔

آیا تو وہی نہیں جس نے زیاد ولد الحرام کو ابو سفیان سے نسبت دی اور اسے اپنا بھائی بنا لیا۔ اور تو نے کہا کہ وہ ابو سفیان کا بیٹا ہے۔ جبکہ رسول خدا نے

---

[1] عمرو بن حمق خزاعی اکابر صحابہ میں سے تھے اور حضرت علی کے بھی خاص ساتھی تھے۔ آپ کی معاویہ کے ہاتھوں شہادت اور آپ کی زوجہ کو قید رکھنے کے متعلق مفصل واقعہ تاریخ کا حصہ ہے۔

فرمایا ہے کہ بیٹا پر حق وہی رکھتا ہے جس کی ماں اس کے عقد میں ہو' زناکار کو اولاد پر کوئی حق نہیں (اس کی مقدر میں فقط پتھر ہیں)۔ اس طرح تو نے سنت رسولؐ کو ترک کیا۔ اور پھر تو نے زیاد کو اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ تاکہ وہ انہیں قتل کرے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اور انہیں کھجور کے درختوں پر سولی دیدے۔

سبحان اللہ! جیسے تو اس امت رسولؐ سے نہیں ہے اور وہ تجھ سے نہیں ہیں اور نہ ہی اس کا تجھ سے کوئی رابطہ ہے۔

آیا تو قاتل حضرمی نہیں؟ وہی فرد جس کے لئے تیرے فرمانروا نے لکھا تھا کہ وہ دین علیؑ اور آئین علیؑ پر ہے اور دین علیؑ و آئین علیؑ اسی علیؑ کے چچا زاد بھائی رسول خدا (ص) کا دین ہے۔ تو اسی دین کا نام لے کر مسند پر بیٹھا ہے اگر دین علیؑ نہ ہوتا تو تجھے اور تیرے خاندان کو یہ شرافت و بزرگی نہ ملتی کہ تمہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے خدا نے امان دی۔ وگرنہ تم انہی مصائب کو سہتے رہتے۔ (اشارہ تھا امام کا سورۂ لِایلٰف قریش) کی طرف)۔ خدا نے ہمارے واسطے سے ان تکالیف سے تم لوگوں کو امان دی اور تم لوگوں پر احسان کیا۔

تم نے لکھا ہے کہ اس قوم و ملت کو مشکلات و مصائب میں نہ ڈالو اور تفرقہ سے پرہیز کرو۔ میری نظر میں لوگوں کے لئے تمہاری حکومت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ میں اپنا' اپنے خاندان اور دین محمدؐ کا نگران رہوں۔ خدا کی قسم میرے لئے تمہارے خلاف قیام و جہاد سے بڑھکر کوئی اور فضیلت نہیں۔ اگر اس جہاد کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو اپنے

خدا کا تقرب حاصل کروں گا۔ اور اگر تیرے خلاف قیام نہ کروں تو اپنے خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ خدا سے دعا کرتا ہون کہ جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہے مجھے اسکی توفیق عنایت فرمادے۔

تم نے خط میں لکھا کہ اگر آپ میرے خلاف سازش کریں گے تو میں بھی آپ کے خلاف سازش کروں گا۔ اے معاویہ! جہاں تک تم سے ہو سکے میرے خلاف حیلہ و سازش کرو کیونکہ نیک اور صالح افراد کے خلاف سازشیں کرنا کوئی نئی بات نہیں، یہ تو معمول گزشتگان ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمہاری سازشوں سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ تم خود نقصان اٹھاؤ گے اور سوائے اپنے اعمال کے ضائع کرنے کے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پس جتنا کر سکتے ہو میرے خلاف سازش کرو۔

اے معاویہ! خدا سے ڈرو جان لو کہ خدا کے پاس سب کا اعمال نامہ ہے جسمیں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا جاتا ہے۔ خدا ہر ایک کا حساب کرے گا۔ جان لو کہ خدا تمہارے ان اعمال کو نہ بخشے گا کہ تم لوگوں کو گمراہ کرتے ہو، ان پر تہمت والزام لگاتے ہو اور اس لڑکے کو مسلمانوں کی امارت و حکومت دے رہے ہو جو شراب پیتا ہے اور سگ بازی کرتا ہے۔ میں تمہاری ہلاکت کے سوا کچھ نہیں دیکھ رہا۔ تم نے اپنے دین کو تباہ کر لیا ہے۔ اور اپنی رعایا کو بے چارہ اور محکوم بنالیا ہے۔ والسلام"[۱]

امام حسینؑ نے اس خط میں جیسا کہ ہم نے دیکھا معاویہ کی بد اعمالیوں اور مظالم کو بے نقاب کیا ہے۔ آپؑ نے اس کی سلطنت کو بدبختی اور فتنوں کا مرکز قرار

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ج ا۔ ص ۱۸۰۔ ۱۸۱

دیا۔ آپؑ معاویہ سے جنگ کرنے کو فضیلت اور تقرب الٰہی کا وسیلہ جانتے تھے۔ آنے والے خلیفہ یزید کو ایک شراب خوار، سگ باز لڑکے کا نام دے رہے تھے۔ زیاد ستمگر کے مظالم کو معاویہ کی بدیوں اور سیئات میں شمار فرمارہے تھے۔

المختصر امام حسینؑ کے حالات کو دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ ملتاہے کہ امام آل ابو سفیان کی حکومت سے کبھی راضی اور خوش نہ تھے۔ اور مستقلاً اس ظالمانہ حکومت کے خلاف جہاد و قیام کی کوششوں میں مصروف رہے۔ معاویہ اپنی تمام شیطنت اور عیارانہ تدبیروں سے امام حسینؑ کو یزید کی بیعت پر آمادہ نہ کر سکا۔ آخر کار اس نے یہی جانا کہ اب یزید کی بیعت کے لئے مزید اصرار کرنا اس کے حق میں بہتر نہیں اس لئے اس نے صرف نظر کیا۔ یزید کی اس ظاہری بیعت کے بعد معاویہ زیادہ مدت زندہ نہ رہا۔ معاویہ کی ہلاکت کے بعد اور یزید کے برسر اقتدار آتے ہی مملکت اسلامی کا نقشہ بدل گیا اور حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔

معاویہ کی سلطنت میں امام حسینؑ کا موقف کا باب انجام پذیر ہوا۔ اب ہم زمان یزید کے حالات و واقعات کا جائزہ لیں گے۔

قیام یا دفاع

ممکن ہے بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال آئے کہ امام حسینؑ کا واقعۂ کربلا میں یہ طرز عمل یزید کی ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام و جہاد نہ تھا بلکہ فقط اپنا دفاع تھا۔ اگر امام حسینؑ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو امامؑ گوشہ نشین ہو کر اپنی زندگی کے معمولات کو انجام دیتے رہتے اور انہیں بنو امیہ کی حکومت سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔

یہ تصور باطل و بے جا ہے اور دلائل قطعی سے ثابت ہے کہ واقعۂ کربلا میں امامؑ کا طرز عمل یزید کی ظالمانہ حکومت کے خلاف جہاد تھا بلکہ آج کی اصطلاح میں آپؑ نے انقلاب برپا کیا تھا۔ امام حسینؑ کے فرامین پر غور کریں جو فریقین نے اپنی کتاب میں تحریر کئے ہیں تو یہ مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ انقلاب و جہاد تھا۔

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ معاویہ کو اس کی بداعمالیوں، مخلوق خدا کو آزار پہنچانے، احکام الٰہی کو پس پشت ڈالنے پر امام حسینؑ مسلسل تنقید و اعتراض کا ہدف قرار دیتے رہے تھے۔ آپ کے اور معاویہ کے درمیان خطوط و اعتراضات کا سلسلہ

جاری تھا۔ اجتماع مکہ میں آپ کا وہ شرربار خطبہ آنے والے جہاد کے لئے حالات کو سازگار کرنا تھا۔ حتیٰ کہ معاویہ کیلئے یمن سے براہ مدینہ شام کو جانے والا وہ مال، و اسباب ضبط کر کے خاندان بنی ہاشم میں بانٹ دیا تھا اور پھر آپؑ نے معاویہ کو ایک عتاب آمیز خط لکھا۔

(بررسی تاریخ عاشوراص ۱۳ انقل از ابن ابی الحدید)

اس سے حکایت ہے کہ امام انقلاب و قیام کی فکر میں تھے وگرنہ آپؑ ایسا کام نہ کرتے۔ ہم شروع میں ان دلائل و ثبوت کو پیش کریں گے جس میں ضمناً امام حسینؑ کے اس انقلاب کی طرف اشارہ ہے اور بعد میں ان دلائل پر بحث کریں گے جو صریحاً امام کے مقصد کو واضح کرتے ہیں۔ اور یہ ترتیب ہم نے امام کے فرامین سے اخذ کی ہے۔ کیونکہ امام حسینؑ جیسے جیسے جہاد کی طرف بڑھ رہے تھے آپؑ اپنے مقصد کو روشن اور واضح فرما رہے تھے۔ مثلاً ۵ ارجب ۶۰ ہجری میں جب معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوا' یزید بر سر اقتدار آیا تو اس نے سب سے پہلا کام ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ امام حسینؑ سے بیعت لے۔ اس نے تحریر کیا کہ اس کام میں تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔ ولید نے آنے والے مبہم اور غیر یقینی حالات کو دیکھتے ہوئے رات کے وقت امام حسینؑ کے پاس اپنا خادم بھیجا اور آپکو دارالامارہ میں بلایا۔

امام حسینؑ نے اپنے خاندان سے چند افراد کو بلایا اور انہیں مسلح ہونے کو فرمایا۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ ولید کا مجھے اس وقت بلوانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مجھے کسی ایسے کام کے لئے کہے گا جو میں نہ کروں گا۔ پس اس صورت میں مجھے اس کی طرف سے اطمینان نہیں۔ تم لوگ میرے ہمراہ رہنا۔ جب میں

دارالامارہ میں داخل ہو جاؤں تم لوگ دروازے پر توقف کرنا، اگر میری آواز بلند ہو تو فوراً داخل ہو کر ان کے شر سے میرا دفاع کرنا۔

امام حسینؑ ولید کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے آپکا استقبال کیا۔ مرگ معاویہ کی خبر دی۔ یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور یزید کی بیعت کے لئے کہا۔ مروان بن حکم بھی وہاں ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ امامؑ نے ولید سے فرمایا: میرا خیال ہے تم چاہو گے کہ میں لوگوں کے سامنے یزید کی بیعت کروں۔ ولید نے کہا جی ہاں۔ امامؑ نے فرمایا تو پھر تمہیں صبح کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھو میں کیا فیصلہ کرتا ہوں۔ ولید نے کہا بہتر ہے۔ تشریف لے جایئے۔ کل اس سلسلے میں جو اجتماع ہو وہاں ضرور تشریف لایئے گا۔

مروان بن حکم فوری عمل کا قائل تھا۔ اس نے ولید سے کہا خدا کی قسم اگر حسین بن علیؑ اس دروازے سے باہر نکل گئے تو پھر ہرگز بیعت نہ کریں گے۔ یہ موقع پھر تمہارے ہاتھ نہ آئے گا۔ انہیں قید کر لو اور جانے نہ دو۔ ان سے ابھی بیعت لو وگرنہ قتل کر دو۔ امام حسینؑ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ چہرۂ مبارک پر غصّہ کے علامات ظاہر ہو چکے تھے۔ آپؑ نے فرمایا: اے ابن زرقا! (نیلی آنکھوں والی عورت کے فرزند) تو مجھے مارنا چاہتا ہے یا ولید؟ خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا اور گناہگار ہوا۔ یہ کہہ کر آپؑ ولید کے پاس سے باہر چلے گئے۔

(ارشاد مفیدؒ ص ۲۰۷۔ تاریخ طبری ج ۴۔ ص ۲۵۱ ترجمہ از ارشاد)

سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ آپ نے ولید کو یوں جواب دیا:

"اے ولید یزید وہ فرد ہے جو شراب خوار، قاتل ہے وہ عادتاً فسق و فجور پر عمل پیرا ہے مجھ جیسا آدمی اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔ کل کا انتظار کرو

صبح دیکھیں گے میں یا وہ کون بیعت و خلافت کیلئے مناسب تر ہے"۔

(لھوف ص ۱۳)

امام کی واپسی کے بعد مروان نے ولید سے کہا تم نے میری تجویز پر عمل نہیں کیا، خدا کی قسم اب وہ تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے اور نہ تمہیں موقع ملے گا۔ ولید نے کہا : مروان تم مجھے اس کام کے لئے کہہ رہے ہو جس سے میرا دین تباہ ہو جائے خدا کی قسم میں سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں امام حسینؑ کو قتل کروں خواہ مجھے دنیا کی تمام مال و دولت دے دی جائے۔ (ارشادِ مفیدؒ۔ ص ۱۸۲)

حکومت یزید سے یہ امامؑ کی پہلی برخورد تھی۔ چونکہ امام کسی بھی صورت میں یزید کی بیعت پر تیار نہ تھے اس لئے امامؑ نے سختی سے منع کر دیا اور ایک دن کے وقفے یعنی شب شنبہ ۲۹ رجب ۶۰ ہجری کو آپؑ مدینہ سے باہر نکلے اور مکہ معظّمہ کی راہ لی۔ آپؑ نے جو وصیت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو تحریر فرمائی اس سے پتا چلتا ہے کہ مدینہ سے خروج آپؑ کے اس عظیم انقلاب کے لئے پہلا اقدام تھا۔

سبط ابن جوزی نقل کرتا ہے ولید بن عتبہ کو امام حسینؑ سے نرم رویّہ رکھنے پر معزول کر دیا گیا اور عمرو بن سعید اشدق اس کی جگہ حاکم مدینہ بنا۔

(تذکرۃ سبط ابن جوزی۔ ص ۱۳۵)

امام حسینؑ مکہ روانگی سے ایک دن قبل اپنی رہائش گاہ سے باہر تشریف لائے تاکہ حکومت کے اقدامات اور حالات سے مطلع ہوں۔ راستے میں مروان بن حکم سے ملاقات ہو گئی۔ مروان نے کہا : "اے ابا عبداللہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں میری نصیحت سن لیجئے"۔ امام نے فرمایا دیکھوں کیا کہنا چاہتے ہو؟

مروان بولا : آپؑ یزید کی بیعت کرلیں اسمیں آپؑ کے دین اور دنیا دونوں کی

صلاح ہے۔

جیسے کسی شخص پر مصیبت آپڑی ہو' امام نے فرمایا:

"انا لله وانا اليه راجعون وعلى الاسلام السلام اذقد بليت الامة براع مثل يزيد ولقد سمعت جدى رسول الله يقول الخلافة محرمة على آل ابى سفيان"۔(لہوف ص ۱۳۔ نفس المہموم ص ۳۵)

"ضروری ہے کہ ہم اسلام کو خداحافظ کردیں اور اس پر فاتحہ پڑھ لیں کیونکہ ملت اسلامی کی باگ ڈور یزید جیسے فرد کے ہاتھ ہوگئی ہے۔ میں نے اپنے جد رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "خلافت آل ابو سفیان پر حرام ہے اور انہیں اس کا کوئی حق نہیں"۔

توجہ رہے کہ عرب کا دستور ہے کہ وہ جب کسی سے ملاقات کرتے تو سلام کرتے' اسی طرح جب کسی کو رخصت کرتے تو سلام کرتے' منقول ہے کہ امام حسینؑ جب وداع آخر کو آئے تو آپؐ نے سلام کیا تھا "علیکن منی سلام" اسی طرح خط کو کلمہ والسلام پر ختم کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ کے اکثر خطوط والسلام پر ختم ہوئے ہیں۔ اسی طرح نماز کے آخر میں سلام ہے جس کے ذریعے ختم نماز کو بیان کیا جاتا ہے۔

امامؑ کے اس جملے سے جو آپؑ نے فرمایا "اسلام کو میرا سلام" یعنی امام نے قطعی ارادہ کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کردیا تھا اور وہ کونسی چیزیں وحالات تھے جو امام کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ امام حسینؑ ایسے آدمی نہ تھے کہ کسی کام کو سرسری نظر سے دیکھتے اور نہ ان کے نتائج سے غافل ہونے والے تھے اور نہ ہی آپؑ عوام کی مصلحت سے چشم پوشی کرنے والے تھے۔ آپؑ نے مروان کو سمجھادیا کہ یزید کی

حکومت و سربراہی فقط اسلام کی تباہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پس کہا اسلام کو الوداع کہہ دینا چاہیئے۔ یہ یزید کی حکومت ایک مصیبت ہے جو مسلمانوں پر نازل ہو گئی ہے۔ آپؑ نے رسول خداؐ کی حدیث کے ذریعے بیان کیا کہ یزید کی بیعت کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس کی اس غاصبانہ حکومت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسول خداؐ نے خلافت کو آل ابو سفیان کے لئے حرام قرار دیا ہے۔

امام حسینؑ کا خط بنی ہاشم کے نام

اور بھائی محمد حنفیہ کے نام وصیت

امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام جو وصیت نامہ اور بنو ہاشم کے نام خط تحریر فرمایا ان دونوں سے امامؑ کے قیام کی علت' وجوہات اور حکومت وقت کے خلاف امامؑ کے عزائم واضح وروشن ہوتے ہیں۔

امام جبؑ مدینے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام' جو ایک متقی' شجاع' پرہیزگار انسان تھے اور آپکی امامت کے معتقد تھے' وصیت نامہ تحریر کیا۔ اسمیں آپؑ نے نہ صرف اپنے قیام کا اعلان کیا بلکہ اس اقدام کی علت اور وجوہات کو بھی بیان فرمایا۔ آپؑ نے جس راہ کو اختیار کیا اس کے مقاصد اور ساتھ میں باطل کی پیروی نہ کرنے اور خواہشات نفسانی سے بچنے کی توفیق عنایت کرنے والے عقائد حقہ کو بھی واضح کیا۔ آپؑ نے بیان فرمایا کہ اس تحریک اور قیام کی غرض امر بالمعروف' نہی از منکر' اپنے جد رسول اللہؐ اور اپنے والد علی مرتضیٰ کی روش کی احیاء کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کے وصیت نامہ کا عربی متن یہ ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

هذا ما اوصی به الحسین بن علی بن ابیطالب الی اخیه محمد المعروف یابن حنفیه' ان الحسین یشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له وان محمداً عبده و رسوله جاء بالحق من عندالحق وان الجنة حق والنار حق وان الساعة آتیة لا ریب فیها و ان الله یبعث من فی القبور وانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی صلی الله علیه واله 'ارید ان امر بالمروف وانهی عن المنکر' واسیر بسیرة جدی وابی' علی بن ابیطالب فمن قبلنی بقبول الحق فالله اولی بالحق 'ومن رد علی اصبر حتی یقضی الله بینی وبین القوم بالحق و هو خیرالحاکمین وهذه وصیتی یااخی الیك وما توفیقی الا بالله علیه توکلت والیه انیب۔

(بحار۔ج ۴۴۔ص ۳۲۹۔ط جدید۔ نفس المہموم ص ۳۸ بروایت مناقب ابن شہر آشوب کے مطابق امام نے بالکل یہی بات (لم اخرج اشد ولا بطرا لی الله فالله اولی بالحق) عبداللہ بن عباس سے اس وقت کہی جب آپ کو عراق جانے سے وہ منع فرمارہے تھے)

ترجمہ :

خدا کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ یہ وہ وصیت ہے جو حسین بن علی اپنے بھائی محمد معروف بہ یابن حنفیہ کو تحریر کررہے ہیں۔ حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ غیر از خدا کوئی موجود پرستش کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے اور

اس کا کوئی مثل نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ مصطفیٰ خدا کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں۔ آپ خدا کی طرف سے دین حق لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ بہشت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت کا آنا بر حق ہے اور اس کے آنے میں کوئی ابہام نہیں۔ یقیناً اس دن تمام انسانوں کو جنہیں دفن کر دیا گیا ہے قبروں سے زندہ کرے گا۔

میں حسینؑ بن علیؑ سر کشی و بغاوت یا فساد اور ستم گاری کے لئے باہر نہیں آ رہا ہوں بلکہ اس تحریک و قیام سے میری غرض فقط یہ ہے کہ اپنے جد کی امت کی اصلاح کروں۔ میں چاہتا ہوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اس امت کو افتراق و انتشار سے بچاؤں۔ اپنے جد محمد مصطفیٰؐ اور اپنے والد علی مرتضیٰؑ کی روش اور سنت اور طور طریقوں کو دوبارہ رائج کروں۔ جس کسی نے میری اس دعوت اور ہدف کو قبول کر لیا کیا ہی خوب ہو گا۔ خداوند حق کو قبول کرنے والا ہے۔ اور جس نے قبول نہ کیا اور میرا ساتھ نہ دیا اور اس نے ظالموں کا ساتھ دیا اور میری مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا پھر بھی میں صبر سے کام لوں گا۔ اور اپنی راہ پر استقامت کے ساتھ قائم رہوں گا اگرچہ مجھے تنہا اس راہ کو اختیار کرنا پڑے میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں گا۔ تاکہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان انصاف کرے اور خدائے متعال بہترین منصف ہے۔ اے میرے بھائی یہ میری وصیت تمہارے لئے ہے۔ میں جز خداوند کسی سے توفیق کا طالب نہیں اور تنہا اس پر ہی توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جا رہا ہوں۔

اپنے اس وصیت نامے میں امام حسینؑ نے اپنے عقائد حقہ کا اعتراف و اقرار

کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ جانتے تھے ان کو مارنے کو دینی اور قانونی رنگ دیا جائے گا یعنی ان کو مارنے کے لئے قانونی جواز استوار کریں گے۔ یقیناً قاتلین دنیا کے سامنے یہ بیان کریں گے کہ حسینؑ بن علی نے خلیفہ حق کے خلاف خروج کیا تھا اور ان کا قتل کیا جانا واجب تھا۔ یعنی صاف لفظوں میں (العیاذباللہ) یہ الزام لگایا جائے گا کہ چونکہ خلیفہ حق کے خلاف تھے اس لئے دین سے خارج تھے۔ اسی لئے امامؑ نے اپنے عقائد حقہ کا اعتراف واقرار پیش کیا اور بتایا کہ میں معتقد ہوں خدا کی وحدانیت کا، رسولؐ کی رسالت اور انبیاء وقیامت پر یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے اس دن پرہیز گاروں کو جزا اور بد عنوان اور بدکاروں کو سزا دینے کا وعدہ کیا ہے۔

اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ بنوامیہ کے سیاہ کار اور ستمگار اپنی رسوائیوں اور خلاف شرع کاموں کی پردہ پوشی کے لئے کسی طرح کے کاموں سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جسد مطہر امام حسینؑ کو اور اسی طرح آپؑ کے انصار کے اجساد کو کربلا میں دفن نہ کیا۔ آیا ان کی غرض (العیاذ اللہ) جز اس مطلب کے کچھ اور تھی کہ یہ لوگ دین سے خارج تھے۔

احتمال ہے کہ وصیت نامے میں عقائد حقہ کو بیان کرنے سے امام کی غرض یہ بتانا تھا کہ آج یہی اصول خطرے میں ہیں اور اگر دستور یہی چلتے رہے تو نوبت یہاں تک آسکتی ہے کہ ارباب اختیار اصول دین میں بھی تغیر و تبدل سے باز نہ آئیں گے۔ درحقیقت آپکا یہ قیام اس اصول کی حفاظت اور مبانی واساس اسلام ہے جن پر مسلمانوں کے تمام مذہبی اور اجتماعی کاموں کا دارومدار ہے۔

سید الشہداءؑ نے اولاً اسلام کے اعتراف صریح کے ذریعے اپنے اس اقدام

کے مقصد کو بر ملا واضح کیا کہ آپ کے اس قیام کا مقصد اپنے جد رسول اللہؐ اور والد علی مرتضیٰؑ کی سنت و روش کا احیاء' جامعہ کی اصلاح' نیکیوں کی ترویج نیز فساد اور تباہ کاری سے مسلمانوں کو بچانا ہے۔ یہ قیام ہر گز خواہشات نفسانی کی پیروی' خود خواہی کے سبب اور بغاوت پر مبنی نہیں ہے۔

امامؑ کے اس فرمان سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ دو اصول امر بالمعروف و نہی عن المنکر جامعہ میں ضامن حق و عدالت ہیں اور اس دور میں رسول اللہ صل اللہ علیہ آولہٖ کا لایا ہوا آئین زندگی اس طرح معرض سقوط میں تھا کہ محکم و شدید تحریک و قیام کے بغیر اصلاح کی امید نہیں رہ گئی تھی۔ اور جو اجتماعی فساد دامنگیر تھا بجز امام حسینؑ کے عظیم انقلاب اور کوئی علاج نہ تھا۔ وصیت نامہ کے آخر میں آپؑ نے لکھا کہ میں اپنے کام کو انجام تک پہنچانے میں ہر طرح کے حوادث کا سامنا کرنے کیلئے عزم راسخ رکھتا ہوں اور اس راہ میں خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے توفیق کا طالب ہوں۔

بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ امامؑ کے پاس زندہ رہنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے آپؑ نے شہادت کی راہ اپنائی۔ آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ نے یزید کی بیعت اگر کر بھی لی تو بھی آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا پس اپنا تن شہادت کے لئے دیدیا۔ یہ کہنا اور لکھنا بھی صریحاً غلطی ہے۔ اگر امام حسینؑ کے ارشادات کا بغور مطالعہ کی زحمت کی جائے اور تحقیق کی جائے تو ایسا بے بنیاد اور باطل خیال دل میں آہی نہیں سکتا ہے۔

سید الشہداءؑ نے خود اپنے اس اقدام و قیام کی علت کو روشن کیا ہے کہ میں امر بالمعروف' نہی از منکر کے احیاء کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔ میں نے اپنے جد

رسول اللہؐ اور اپنے والد علی مرتضیٰؑ کی سنت وروش کو زندہ کرنے کے لئے یہ عظیم اقدام کیا ہے۔ میرے اس قیام کا مقصد امت اسلامی کے امور کی اصلاح ہے۔ انہیں نابودی اور موت کے خطرے سے نجات دلانا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میرے لئے زندہ رہنے کے راستے بند ہوگئے ہیں تو میں نے شہادت کے راستے کو اپنا لیا ہے اور اصولاً کس لئے امام حسینؑ کے زندہ رہنے کے راستے نہیں تھے ؟ کیا یزید بیعت اور سکوت کے علاوہ دوسری چیز چاہتا تھا ؟ اگر امامؑ بیعت کر لیتے اور اس کی مخالفت ترک کرتے تو پھر کونسے عوامل تھے کہ امامؑ کے زندہ رہنے میں مانع ہوتے۔

محمد بن ابیطالب رسائل کلینی میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے جانے لگے تو آپؑ نے ایک خط بنو ہاشم کے نام یوں تحریر فرمایا تھا :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من الحسین بن علی الی بنی ھاشم ۔ اما بعد فانہ من لحق لی منکم استشھد ومن تخلف عنی لم یبلغ الفتح والسلام۔

(بحار۔ ج ۴۴۔ ص ۳۳۰۔ ط جدید لہوف میں سید بن طاؤس نے اس خط کو امام علیہ السلام کے حالات میں اس وقت درج کیا ہے جب آپ مدینہ سے جا چکے تھے لیکن علامہ مجلسی کی بحار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ خط مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔)

خدا کے نام سے جو بڑا رحمان ورحیم ہے۔ یہ خط ہے حسین بن علی کی جانب سے بنو ہاشم کے نام۔ امابعد : تم میں سے جو بھی مجھ سے الحاق کرے اور

میرے ساتھ آئے، مارا جائے گا اور شہید ہو گا اور جو پیچھے رہ گیا وہ فتح و پیروزی کو نہیں پہنچے گا۔

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ نے اپنے قیام کا آغاز کر دیا تھا اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپؑ اور آپؑ کے ساتھی اس راہ میں شہید ہو جائیں گے۔ اسی لئے آپ نے بنو ہاشم کو اپنی مدد کے لئے دعوت دی تا کہ وہ اپنی جان سے امت اسلامی کو مرگ اور نابودی کے عظیم خطرہ سے رہائی بخشیں۔ آئندہ ہمیں معلوم ہو گا کہ امام علیہ السلام بنو امیہ کے ہاتھوں اپنی شہادت کا یقین رکھتے تھے۔ اور اس علم کے ہوتے ہوئے کہ آپ مارے جائیں گے آپؑ نے قیام کیا۔

امامؑ کا خط اہل بصرہ کے نام

امام علیہ السلام نے جو خطوط تحریر کئے ہیں ان میں سے ایک خط اہل بصرہ کے نام بھی تحریر کیا۔ یہ خط بہت ہی توجہ و دقت کا طالب ہے کیونکہ اس میں امام حسینؑ نے واضح اور صریح الفاظ میں اپنے قیام کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ہم اس خط کو جو فقط امامؑ کے انقلاب کا اعلان ہے تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ اس خط میں امامؑ نے بصرہ کے شرفاء و صاحب نفاذ افراد کو مخاطب کر کے یوں فرمایا:

"اما بعد فان الله اصفی محمد صلی الله علیه وآله وسلم علی خلقه و اکرمه بنبوته واختاره لرسالته ثم قبضه الله الیه وقد نصح لعباده و بلغ ما ارسل به صلی الله علیه وآله وسلم ولنا واهله واولیائه واصیائه و ورثه واحق الناس بمقامه فی الناس' فاستاثر علینا قومنا بذلك فضینا و کرهنا الفرقه واحببنا العافیة .ونحن نعلم انا احق بذلك ' الحق 'المستحق علینا فمن تولاه ...... وقد بعثت

رسولی الیکم بھذا الکتاب و انا ادعوکم الی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فان السنۃ قد امیتت وان البدعۃ قد احییت وان تسمعوا قولی وتطیعموا امری اھدکم سبیل الرشاد والسلام علیکم ورحمۃ اللہ"۔

"امابعد! خدا نے محمدؐ کو عہدۂ رسالت پر فائز کیا اور اپنا نبی بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اور جب انہوں نے بندگان خدا کو پیام الٰہی پہنچادیا، انہیں خدا کے احکام بتادیئے، بعد میں خدا نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلالیا۔ ہم اہل بیت رسولؐ اُن کے نزدیکی، دوست اور ان کے وصی ووارث تھے اور انکے مقام اور جانشینی کیلئے ہر ایک سے زیادہ شائستہ تھے، لیکن قوم نے اس مقام کو خود کے لئے مختص کرلیا، اور ہم نے اس کے پیش نظر کہ امت کے درمیان تفرقہ اور اختلاف نہو، اپنے حق سے چشم پوشی کی درعین حال کہ ہم یقین رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ جو مسند خلافت پر آیا ہے ہم اس سے کہیں زیادہ اس مقام کے سزاوار ہیں۔

اب میں جو کہ حسینؑ بن علی ہوں اس خط کے ساتھ اپنا نمائندہ تمہارے پاس بھیج رہاہوں اور تم سب کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دیتاہوں، اس لئے کہ رسولخدا (ص) کی سنت وروش کو ختم کردیا گیاہے اور اس پر عمل نہیں ہورہا اور ان کی جگہ بدعتوں نے لے لی ہے۔ اگر میری دعوت کو قبول کرتے ہو اور میرے فرمان کی اطاعت کرتے ہو تو سعادت ونجات کی طرف میں تمہاری رہبری کررہاہوں"۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۶ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۸)

یہ خط بھی گزشتہ وصیت نامے کی طرح ایک قطعی جواب ہے ان لوگوں کے لئے جو امام حسینؑ کے اس قیام پر دفاع کا احتمال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ امام کو حکومت اور اس کے کاموں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ خط جو امامؑ نے اہل بصرہ کو ان کی کسی دعوت و تجویز کے بغیر لکھا تھا اس کو فقط انقلابی تحریک و قیام کے اعلان کے علاوہ کس معنی پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

اس خط کی ابتداء آپ نے رسولؐ کی رسالت کے ذکر سے کیا۔ اور یاد دلایا کہ میں، میرا بھائی، میرے والد نبی اکرم کی جانشینی اور مسلمانوں کی سرپرستی کے لئے سب سے زیادہ سزاوار رہے ہیں۔ لیکن دوسروں نے ماضی میں انکے حق کو ناحق غصب کیا اور ناحق مسند خلافت پر جا بیٹھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ گزشتہ حکمرانوں کے ہاتھوں ہی نظام اسلامی متغیر ہو چکا ہے اور اب قوانین اسلام کی جگہ بدعتیں لے چکی ہیں۔ پھر آپؑ نے اہل بصرہ کو خدا اور سنت رسولؐ کی طرف بلاتے ہوئے اپنی مدد کے لئے دعوت دی۔ آپؑ نے راہ مستقیم کی نشاندہی فرمائی اور اسلام کے یگانہ وفادار اور حجت خدا ہونے کی حیثیت سے اپنی اطاعت کو مسلمانوں کے فائدے اور ہاتھ سے کھوئی ہوئی سعادت کے حصول کے لئے ضروری قرار دیا۔

امام حسینؑ جب مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو مکہ کے حاکم عمرو بن سعید نے آپ کو امان نامہ بھجوایا کہ شاید اس طرح امام مکہ واپس آجائیں، اس نے آپ کو اس تفرقے اور مخالفت سے خوف دلایا۔ امام علیہ السلام نے اسے یوں جواب تحریر فرمایا:

امابعد جو شخص لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیکیوں کو انجام دیتا ہے

اور یہ کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ایسا آدمی خدا اور رسولؐ سے دشمنی یا مخالفت نہیں کرتا ہے۔

یہ خط بھی صراحت سے کہہ رہا ہے کہ امامؑ لوگوں کو خدا کی طرف اور اپنی طرف بلانے والے اور ظالم و گناہگار حکومت کے خاتمے کے لئے انقلاب برپا کرنے اٹھے تھے۔

(اس خط کو عبدالوہاب نجار نے حاشیہ کامل ابن اثیر میں تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۷ پر نقل کیا ہے۔ اما بعد فانه لم یشاقق الله ورسوله من دعا الی الله عزوجل وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین۔)

امام حسینؑ کا خطبہ اور قیام کا سبب

امام حسینؑ نے کربلا میں وارد ہونے سے پہلے بیضہ نامی مقام پر اپنے ساتھیوں اور حر کے لشکریوں کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اپنی اس تحریک کے علل کو پہلے سے زیادہ روشن فرمایا۔ آپ نے حاضرین کو سمجھایا کہ ان حالات میں میری ایک ذمہ داری ہے اور مجھے چاہئے کہ اس کی تکمیل کروں۔ آج امت مسلمہ میں سے کوئی شخص اس قیام و انقلاب کے لئے مجھ سے زیادہ شائستہ نہیں ہے۔ ہم اس خطبے کو پہلے طبری سے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا ترجمہ اور اسکے نکات کا جائزہ لیں گے۔

"فحمدلله واثنی علیه ثم قال ایهاالناس ان رسول الله صل الله علیه وآله وسلم قال : من رائی سلطاناً جائراًمستحلا لحرم الله ' ناکثاً لعهدالله' مخالفاً لسنة رسول اللهؐ 'یعمل فی عبادالله بالاثم والعدوان فلم یغییر ما علیه بفعل ولا قول کان حقاً علی الله ان

يدخله مدخله' ان هولا ء قد لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن واظهروا الفساد' وعطلوا الحدود 'واستاثروا بالغيىء واحلو احرام الله' وحرمواحلاله وانا الحق من غير وقد اتتنى كتبكم وقدمت على رسلكم ببيعتكم انكم لا لتسلمونى ' ولا تخذلونى 'فان قمتم على بيعتكم تصيبو ارشدكم فاناالحسين بن على وابن فاطمة بنت رسول الله نفسى مع انفسكم واهلى مع اهلكم فلكم فى اسوة......"

(قرآن پاک میں لفظ سلطان غلبہ اور ثبوت کے معنوں میں آیا ہے اس خطبے میں اس لفظ سے امامؑ کی مراد غالب و مقتدر حکومت ہے بادشاہ کے لئے سلطان کا لفظ چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوا۔)

ترجمہ :

"یعنی اے لوگو رسول خدا(ص) نے فرمایا: جو کوئی بھی یہ دیکھے کہ کسی حکومت نے ظلم و ستم کو اپنا پیشہ بنالیا ہے اور قوانین الٰہی سے تجاوز کرتی ہے 'خدا سے کیئے گئے وعدوں کا پاس نہیں کرتی' رسولخدا(ص) کی سنت کی مخالفت کی جاتی ہے' لوگوں کے درمیان گناہ' ظلم وجور سے سلوک روا رکھا جاتا ہے پس اگر ایسی حکومت کے ظلم اور ناجائز کاموں پر کوئی بھی اپنی گفتار و عمل کے ذریعے اعتراض نہیں کرتا اور اس کو ان کاموں سے نہیں روکتا خدا کو حق ہے کہ وہ اس شخص کو بھی اس ظالم وستمگار حکومت کے عمّال میں شمار کرے اور دونوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ :

جان لو کہ یہ لوگ (یزید اور اس کے عمّال) شیطان کی پیروی کر رہے ہیں

اور اس سے جدا نہیں ہوتے' انہوں نے خدا کی اطاعت کو پس پشت ڈال دیا ہے' یہ الٰہی دستور کو اہمیت نہیں دیتے ہیں' یہ لوگ اعلانیہ اسلام کو تباہ کر رہے ہیں یہ حدود الٰہی معطل کر چکے ہیں' مسلمانوں کے مال اور بیت المال کو فقط اپنی ملکیت جانتے ہیں' حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کر دیا گیا ہے۔ میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ شائستہ ہوں کہ یزید کو اس کے ان کاموں سے روکوں۔ آپ لوگوں کے خطوط مجھ تک پہنچے اور آپ کے نمائندے میرے پاس آئے انہوں نے آپ لوگوں کی بیعت کو میرے لئے بیان کیا' آپ لوگوں نے لکھا تھا کہ آپ مجھ کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے اور میری مدد سے کبھی ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ اگر اب بھی اپنی بیعت پر قائم ہو تو خوشبختی و سعادت تک ضرور پہنچیں گے۔ میں حسینؑ ابن علیؑ و ابن فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ ہوں۔ اس راہ جہاد و قیام میں آپ کے ساتھ رہوں گا میری عورتیں اور بچے آپ کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہیں آپ لوگوں کو بھی چاہئے کہ اس قیام میں میری پیروی کریں"۔

(تاریخ طبری ج ۴۔ ص ۳۰۴)

دوسرے ارشادات کی طرح امام حسینؑ کے اس خطبے میں بھی قیام کے راز اور تحریک کی روح روشن وعیاں ہے۔ آپؑ نے ابتداً رسولخدا (ص) کی حدیث سے ستدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ظالم وستمگار حکومت کے خلاف جنگ کرنا ہر فرد کا فرض ہے چنانچہ اس کو نظر انداز کرنا اور تساہلی برتنا خدا کے غضب کا مورد ہونا ہے اور خدا کے نزدیک اس فرد کی جگہ اس ظالم کے ساتھ ہوگی۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

"ولا تطیعوا امرالمسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون"۔

"مسرفین کے فرامین کی اطاعت نہ کرو کیونکہ یہ لوگ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"۔(انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق)

(سورۂ شعراء آیت ۱۵۱، ۱۵۲)

قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق فتنہ و فساد کرتے ہیں ان لوگوں کے خلاف تعرض اور جنگ کی راہ کھلی ہوئی ہے۔(سورۂ شوریٰ آیت ۴۲)

اس کے بعد امامؑ نے آل ابی سفیان کی خیانتوں اور گناہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صریحاً فرمایا یہ لوگ خدا کی اطاعت سے منہ موڑ کر شیطانی افکار اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ سوائے فتنہ و فساد، حدود الٰہی کا تعطل، بیت المال کی تاراجی اور مسلمانوں کے مال کا دنیا کے عیش میں استعمال کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نہ تو حلال و حرام خدا کو اقعت دیتے ہیں نہ ہی لوگوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ بیت المال جو مسلمانوں کی ملکیت ہے، وہ مسلمین کی فلاح و بہبود اور اصلاح احوال کے لئے خرچ ہونا چاہئے۔ حلال و حرام خدا اور قوانین الٰہی کا نہ صرف یہ کہ احترام ہو بلکہ ہمیشہ ان پر عمل ہونا چاہئے۔ معاشرے سے فساد ختم کرنا چاہئے۔ لیکن حکومت جس کی یہ تمام ذمہ داریاں ہیں وہ ان تمام فرائض سے

غافل ہے اور ان کے خلاف عمل کر رہی ہے۔

اب ان حالات میں مجھ حسینؑ بن علیؑ سے شائستہ تر کوئی شخص نہیں کہ دین الٰہی کی مدد کے لئے کھڑا ہو جاؤں اور ملت اسلام کے سقوط کے اسباب کو درمیان سے نکال پھینکوں۔

ان باتوں سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ امام حسینؑ کا یزید اور معاویہ سے نماز، روزہ اور مسجد پر اختلاف نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ نے ظلم واستبداد کو اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا۔ اسلام کے قوانین جو فرد اور کل معاشرے کی سعادت کے ضامن تھے انہیں پائمال کر دیا تھا۔ امام حسینؑ کا ہدف اسلام کے صحیح احکام کا اجراء، اقتصادی مساوات کا قائم کرنا، اور عدل وانصاف کا رائج کرنا تھا۔ امامؑ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر حکومت و مملکت دین کے رنگ کو نہ اپنائیں اور دینی روش اختیار نہ کریں تو یہ نتائج مطلوبہ کبھی بھی ہاتھ نہ آئیں گے۔

اسی بنا پر آپؑ نے بیت المال کی تاراجی، حدود الٰہی کی پائمالی، حلال و حرام الٰہی کی خلاف ورزی کو اپنے بیان میں واضح فرمایا کہ یہی حکومت کے اعمال میرے قیام وانقلاب کا سبب ہیں۔

اس کے بعد اپنا حسب ونسب بیان فرمایا کہ میں فرزند علیؑ، فرزند فاطمہؑ بنت رسولؐ خدا ہوں، اس جہاد مقدس میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ میرے اہل بیت تمہارے اہل بیت کے ساتھ ہیں۔ میں اپنے دوستوں اور اہل خاندان کے ساتھ اس مقدس مشن کی تکمیل کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ تم لوگوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے امامؑ کی پیروی کرو اور فرزند پیغمبر کی مدد سے دریغ نہ کرو۔

جی ہاں حقیقت یہ ہے کہ یہ حسینؑ بن علیؑ ہی تھے جن کو اس دن کے لئے بچا کر

رکھا تھا۔ درعین حال کہ اس وقت عبداللہ بن عباسؓ، محمدؒ بن حنفیہ، مسلم بن عقیلؓ، عباسؑ بن علیؑ جیسی بزرگوار اور پرہیزگار شخصیتیں موجود تھیں، لیکن کربلا کے قیام کے لئے حسینؑ جیسی شخصیت درکار تھی۔ کیونکہ یہ تحریک وہ تھی جو آئندہ آنے والی ہر تحریک انقلاب کا آغاز تھی۔ اور اسی انقلاب کی بدولت امام حسینؑ نے بنو امیہ کی اسلام سے دوری اور جدائی کو واضح کیا۔

یہ کام فقط حسینؑ بن علیؑ کا ہی تھا کہ خود امامؑ نے بھی فرمایا کہ اس میدان عمل کے لئے میں شائستہ ترین شخصیت ہوں اگر حسین بن علیؑ کی جگہ کوئی اور شخص قیام کرتا تو جو نتائج جہانِ بشریت پر آج انقلاب حسینی نے عائد کئے ہیں اس کا سواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی نظر نہ آتے۔

امام حسینؑ ایک ایسی دنیا دیکھ رہے تھے جو ظلمت و تاریکی سے پر تھی۔ جہاں ناپسندیدہ عادتیں اور معاشرہ میں بدعتیں بطور معمول اور رسم جاری تھیں۔ یہ دنیا وہ تھی جہاں نور رسولخدا(ص) کی شمع خاموش ہو رہی تھی، خداپرستی، فضیلت و تقویٰ، اپنا اعتبار کھو رہے تھے۔ امامؑ ان تمام حوادث سے یکے بعد دیگرے دوچار ہوئے تھے۔ پس امامؑ نے ارادہ کر لیا اور عزم راسخ کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف پیش رفت کی۔

کتاب تذکرۃ میں سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جب امامؑ مکہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے اور درمیان راہ آپؑ بنو عامر کے باغات کے پاس سے گزرے تو آپؑ کی ملاقات شاعر فرزدق سے ہوئی۔ یہ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ تھی۔ فرزدق کا نام تاریخ اسلام میں بہت مشہور ہے۔ اس نے امامؑ سے کہا کہ اے فرزند رسولخدا(ص) آپؑ کہاں جارہے ہیں؟ کیوں آپ اتنی عجلت میں اعمال حج کو

ترک کر کے حرم سے جا رہے ہیں ؟ آپؑ نے فرمایا کہ اگر جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔ پھر امام نے فرزدق سے پوچھا کہ تم جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ آئے ان (اہل کوفہ) کو کس حال میں چھوڑ کر آ رہے ہو۔ فرزدق نے جواب دیا کہ میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ ان کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ اے فرزند رسولؐ آپؑ کو خدا کی قسم ہے کہ آپؑ اس راہ کو چھوڑ دیں۔ امامؑ نے فرمایا : اے فرزدق بنو امیہ نے شیطان کی راہ اپنائی ہوئی ہے' انہوں نے خدا کی اطاعت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس اسلامی معاشرے کو فاسد اور تباہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ حدود الٰہی کو معطل کر رہے ہیں۔ شراب نوشی کرتے ہیں' مسلمانوں کے خزانے کو فقط اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ میں اس وقت شائستہ ترین فرد ہوں کہ دین خدا کی حمایت اور شریعت اسلام کو عزت و وقار دینے کے لئے راہ خدا میں جہاد کروں تا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ رفعت واضح حاصل کر لے۔

(تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳۸ باب ۹)

اپنی تحریک کی حکمت اور فلسفہ جو امامؑ نے فرزدق سے بیان فرمایا وہی ہے جو آپؑ نے حُر کے ساتھیوں اور سپاہیوں سے اپنے نہضت کے قیام کو بیان فرمایا تھا۔

طبری اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی روایت کے مطابق امام حسینؑ نے منزل (شراف) میں اپنے ساتھیوں اور حُر کے لشکریوں کے ساتھ نماز پڑھی' دونوں طرف کے لوگوں نے نماز ظہر و عصر امام کی اقتداء میں ادا کی۔ نماز کے بعد آپؑ نے نمازیوں کی طرف رخ کیا اور حمد ثناء الٰہی کے بعد فرمایا :

"ایھا الناس اگر تم دل میں خوف الٰہی رکھتے ہو' اور حق کو اہل حق کی ملکیت جانتے ہو تو یہ کام خدا کو بہت خوش کر دے گا۔ ہم اہل بیت رسولخدا (ص)

تمہارے پیشوا اور سرپرست ہونے کے لئے شائستہ اور مناسب ترین افراد ہیں۔ یہ لوگ جو آج برسر اقتدار ہیں اور تم پر مسلط ہیں اس منصب کے اہل نہیں۔ انہوں نے تم پر ظلم و ستم اور تعدی کو روا رکھا ہوا ہے۔ اگر تم لوگوں کو ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے اور تمہاری رائے ان بھیجے ہوئے خطوں اور نمائندوں کے خلاف ہو گئی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

حر بن یزید نے کہا کہ خدا کی قسم میں ان خطوط کے بھیجے جانے سے قطعی ناواقف ہوں۔ امامؑ نے اپنے ایک ساتھی عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ خطوط لاؤ۔ عقبہ دو بڑے خرجین اٹھا لائے اور حر اور ان کے لشکر کے سامنے الٹ دیا۔ حر نے جب یہ خطوط دیکھے تو بولا کہ ہم نے ایک بھی خط نہیں لکھا، ہمیں تو بس مامور کیا گیا تھا کہ ہم جیسے ہی آپؑ سے ملاقات کریں تو آپ کو نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔ امامؑ نے فرمایا اس کام سے تیری موت تیرے نزدیک آگئی ہے۔ پھر امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ واپس لوٹ چلو۔ حر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپؑ کے واپس پلٹنے میں سد راہ ہوا۔ کافی کشمکش اور بحث کے بعد آخر کار اس راہ کو اپنایا گیا جو نہ تو راہ کوفہ تھی اور نہ ہی راہ مدینہ۔

دوران سفر حر اپنے خیال کے مطابق خیر خواہی کے انداز میں امامؑ سے کہتا رہا کہ اے امامؑ آپؑ کو خدا کی قسم جنگ نہ کیجئے گا۔ اگر جنگ ہوئی تو آپؑ مارے جائیں گے۔

امام نے ناراضگی سے فرمایا: اے حر آیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا

میرے مرنے سے تم خوشحال ہو جاؤ گے ؟ اور تمھاری مشکلیں حل ہو جائیں گی ؟ میں تمھارے لئے اس مرد اویسی کی بات کو دھراؤں گا جو اس نے کہی تھی۔ جب وہ رسولخداؐ کی مدد کے لئے جارہا تھا تو اس کے چچازاد بھائی نے کہا کہاں جارہے ہو ؟ مارے جاؤ گے تو اس نے اپنے چچازاد بھائی کو جواب دیا تھا کہ میں اس راہ پر ضرور جاؤں گا کیونکہ جوان مردوں کو مرنے سے کوئی عار نہیں ہوتی۔ جو جوانمرد نیک نیت رکھتا اور مسلمان ہے وہ جہاد کرتا ہے اور اپنی جان سے نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے' ظالموں اور ستم گاروں سے کنارہ کرتا ہے' گناہگاروں اور ناپاک لوگوں کی مخالفت کرتا ہے' پس اگر اس عالم اور ان حالات میں میں زندہ رہا تو مجھے کوئی پشیمانی نہ ہوگی اور اگر اس راہ میں مارا جاؤں تو کوئی ملامت و شرمندگی نہ ہوگی کیونکہ انسان کی ذلت و رسوائی کے لئے یہی کافی ہے کہ ان حالات میں وہ زندہ رہے۔

(ارشاد مفید ص ۲۰۷' ۲۰۸۔ تاریخ طبری ج ۴۔ ص ۳۰۳' ۳۰۴)

اس مردِ اویسی کے اشعار اس طرح ہیں :

سامضی وما بالموت عار علی الفتی — اذا ما نوی حقاً و جاهد مسلماً

وواسی الرجال الصالحین بنفسه — وفاروق مثبوراً و خالف مجرماً

فان عشت لم اندم وان مت لم الم — کفی بك ذلان تعیش و ترغماً

(تاریخ طبری میں آخری شعر نقل نہیں ہوا ہے اور بعض کلمات میں ارشاد سے اختلاف ہے۔ یہ اشعار ارشاد سے نقل کئے گئے ہیں)۔

ان تمام حالات واقعات و ارشادات امامؑ کو آل ابی سفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام کے علاوہ کن معنوں میں لیا جاسکتا ہے ؟ آیا ان تمام قطعی ارشادات کے ساتھ یہ ادعا کیا جاسکتا ہے کہ امام حسینؑ کا یہ جہاد فقط دفاعی تھا۔ آیا امامؑ کا ان

تمام حالات سے بے خبر رہ کر اور معاشرے کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے گوشہ نشین ہو جانا اور زندگی گزارنا ممکن تھا؟ آیا آپؑ بنوامیہ کے غارت گروں کے ہاتھوں آئین محمد مصطفیؐ کی بے حرمتی پر نگاہ نہ رکھتے تھے؟ اور کیا آپؑ نے ان کے مقابل فقط دفاعی جنگ کی تھی؟

سید ابن طاؤس و طبری نقل کرتے ہیں: امام حسینؑ جب مکہ سے عراق کی طرف چلے تو مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر مقام تنعیم میں ایک کاروان ملا جو یزید کے لئے تحائف یمن سے شام لے جارہا تھا۔ جن میں زیور اور خصوصی رنگ تھے جو کپڑوں کو رنگنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ امامؑ نے اس قافلے کا سارا مال ضبط کر لیا۔ پھر اونٹوں کے مالکوں اور ساربانوں سے فرمایا: جو ہمارے ساتھ عراق آنا چاہتا ہے آجائے ہم اسے وہاں تک کا پورا کرایہ دیں گے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر کوئی یہاں سے ہی جدا ہونا چاہتا ہے تو یہاں تک کا کرایہ ہم سے لے لے۔ بعض ساربان امامؑ کے ساتھ ہو لیئے اور بعض نے وہیں سے واپسی اختیار کر لی۔

(لہوف ص ۱۴ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۰)

امامؑ کا یہ عمل بے شک اس بات کا غماز ہے کہ امامؑ نے یزید اور اس کی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا ورنہ امامؑ اس کام کو نہ کرتے۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے امام حسینؑ کی فرزدق سے ایک اور گفتگو نقل کی ہے جو سبط ابن جوزی سے مختلف ہے۔ آپؑ کے ارشادات وہی ہیں جو آپؑ نے حر بن یزید سے فرمائے تھے۔ اس گفتگو کا خلاصہ یوں ہے۔ میں نے اس کام کو اپنے سامنے رکھا ہے اگر میں اپنے مقصد کو پا گیا تو بہت بہتر لیکن اگر قضائے الٰہی اس کے علاوہ

ہے تو بھی جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ ہلاک نہیں ہوتے۔ اس گفتگو کی تفصیل درج ذیل ہے:

فرزدق شاعر یہ کہتا ہے: میں ۶۰ ہجری میں اپنی والدہ کو حج کے لئے لے گیا۔ جب میں اپنی ماں کے اونٹ کو کھینچتا ہوا سرزمین حرم میں وارد ہوا تو میں نے امام حسینؑ کو دیکھا کہ شمشیر و سپر کے ساتھ مکہ سے باہر آرہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کے اونٹوں کی قطار ہے؟ بتایا گیا کہ حسینؑ بن علیؑ کی ہے۔ میں نزدیک گیا سلام کیا اور کہا خدا آپکی مراد و آرزوئیں اور جو آپ پسند کرتے ہیں بر لائے۔ میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں۔ اے فرزند رسولؐ آپؑ نے اتنی عجلت کیوں فرمائی کہ اعمال حج انجام دینے سے قبل حرم سے باہر تشریف لے جارہے ہیں؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ اگر جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔ پھر مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا ایک عرب ہوں۔ خدا کی قسم امام نے مجھ سے اس سے زیادہ چھان بین نہ کی۔ ہاں یہ فرمایا کہ اہل کوفہ کی مجھے خبر دو۔ میں نے عرض کی آپؑ اس سے پوچھ رہے ہیں جو اہل کوفہ کے حالات سے خوب آگاہ ہے۔ لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپؑ کے خلاف ہیں۔ قضا و قدر خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا:

"صدقت لله الامرو کل یوم هوفی شأن' ان نزل القضاء بما نحب ونرضی فنحمدالله علی نعمائه وهوالمستعان علی اداء الشکر ' وان حال القضاء دون الرجاء فلم یبعد من کان الحق نیته والتقویٰ سریرته"۔

"سچ کہا تم نے تمام امور خداوند عالم کے دست قدرت میں ہیں۔ اور ہر

روزوہ ان کی انجام دہی میں لگا ہوا ہے۔ اگر حکم اور قضاء الٰہی ہماری مرضی کے مطابق ہو گیا تو ہم اس کی نعمات کا شکر ادا کریں گے اور توفیق شکر بھی اسی سے ہے' اگر فرمان الٰہی ہماری امید کے راستے بند کر دیتی ہے تو پھر بھی جس کی نیت حق ہو اور جس کا باطن تقویٰ و پرہیزگاری ہو وہ ہلاک نہیں ہوتا"۔

(ارشاد مفید ص ۲۰۱۔ یہ واقعہ تاریخ طبری ج ۴۔ ص ۲۹۰ تھوڑا فرق کے ساتھ نقل ہوا ہے)

فرزدق کہتا ہے میں نے حج و نذر کے بعض مسائل امامؑ سے دریافت کئے۔ امامؑ نے جواب مرحمت فرمائے اور اپنے مرکب کو آگے بڑھایا اور تشریف لے گئے۔ اس گفتگو سے بھی امامؑ کے قیام کے اسباب واضح ہوتے ہیں۔

محترم قارئین! اس فصل میں جان گئے ہونگے کہ امام حسینؑ نے بنو امیہ کی حکومت کے خلاف قیام کیا۔ آپکے اس عمل کا احتمال دفاع پر کرنا محض اشتباہ' معلومات کی کمی اور آنحضرت کے کلمات پر غور نہ کرنا ہے۔ ایک انصاف پسند محقق اگر دقت و توجہ کے ساتھ اس فصل کا مطالعہ کرے تو ہماری ہر بات کی تصدیق کرے گا۔

سید الشہداء نے دنیائے بشریت کو جو درس ابدی دیا' اسلام اور کلمہ حق کی سربلندی کے لئے جو تکالیف برداشت کیں اور یہ مقدس تحریک جو انسانیت کی آبرو بن گئی جس نے آدمیت کی تاریخ کو روسفید کر دیا اسی صورت میں اپنی اس غیر معمولی عزت و عظمت کا دنیا میں تحفظ کر سکتی ہے کہ جب باطل کے خلاف قیام حق اور ظلم و جور کے خلاف عدالت کا قیام کرے اور یہی خوشبختی ہے۔ لیکن اگر

تحقیق کئے بغیر اپنے گزشتگان کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے طور طریقوں کو اپناتے ہوئے (جو صدیوں سے امامؑ کے خلاف سرگرم عمل ہیں) امامؑ کے قیام کو دیکھیں گے تو اس مجاہد امامؑ کے عمل کو دفاع پر محمول کر دینگے اور اس طرح امامؑ نے جو تکالیف برداشت کیں اور جو طاقت فرسا حوادث کا سامنا انسانیت کو بچانے کے لئے کیا انہیں خطرے میں ڈال دیں گے۔

جنگِ تضاد

امام علیہ السلام کے قیام سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ امامؑ عالی مقام اور بنو امیہ کے درمیان کیا اختلافات تھے۔ اس مطلب کی مکمل تحلیل ضروری ہے جس کے بغیر قیام حسینی کی حقیقت کا انکشاف ناممکن ہوگا۔ اس مطلب کو واضح کرنے کے لئے تحقیق کے ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں اگرچہ گزشتہ ابواب میں بھی کم وبیش اس پر بحث ہوئی ہے اور کتاب کے دیباچہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

جب شیعیان علیؑ مستقل اور پائیدار حکومت کے مالک ہوئے اور ان کو اطمینان و آسودگی حاصل ہوئی تو ان میں ظلم و استبداد کے خلاف قیام کرنے کا جذبہ تدریجاً کم ہوتا گیا۔ اور وہ تمام کوششیں اور مبارزات بھول گئے جو انہوں نے اموی اور عباسی خلفاء اور ان کے بعد کے دور میں کئے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے حاکموں کے لئے ایک نوع کی الفت پیدا ہوگئی۔ کیونکہ یہ بنو امیہ و عباسی حاکموں کی طرح ان کے آئمہ کو بے ادبی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ وہ لوگ جن کی سرکوبی کا حکم امام حسینؑ کے مقدس مشن نے دیا تھا انہیں حسینؑ کا طرفدار اور یزید کا

مخالف جان لیا گیا تھا حالانکہ یہ لوگ عملی لحاظ سے یزید ہی کی مثل کام انجام دے رہے تھے۔ اس محبت والفت کی وجہ سے ان صاحبان حکومت کے ہر ظلم اور ناجائز کاموں پر نظر نہ رکھی گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کے قیام کے اسباب و علل پر دھند چھا گئی اور شیعوں نے گمان کیا کہ امام حسینؑ نے اس لئے قیام کیا تھا کہ لوگ نماز قضا نہ کریں، غیبت نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، وغیرہ، وغیرہ......

یہ لوگ اس بات سے غافل ہو گئے کہ امامؑ کا یزید سے اختلاف ان مسائل پر نہیں تھا بلکہ اس قسم کے کام عوام میں ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر حکام صالح اور نیکو کار ہوں تو اصلاح خود ہی ہو جاتی ہے۔ جی ہاں حدیث رسولؐ ہے کہ :

"الناس علی دین ملوکھم"۔

"لوگ اپنے حاکموں کے دین پر ہوتے ہیں"۔

اس نکتہ کے ذکر سے ہم غافل نہوں کہ دور یزید میں لوگ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، حج کرتے تھے، مسجدیں باقی تھیں اور آباد تھیں اور کوئی بھی حتیٰ کہ یزید اور اسکے تابع نے بھی لوگوں کو ان کاموں سے نہیں روکا۔ اصل یہ ہے کہ ظالم اور ستمگار حکام کا مقصد ان کاموں کے علاوہ کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے مذہبی اور انفرادی عمل کی مخالفت نہیں کرتے جب تک وہ ان کے اہداف کے لئے مضر نہ ہوں حتیٰ کہ ظالم حکمران کسی مسجد کی تعمیر یا کسی امام زادہؒ کے مقبرہ کی تعمیر کے ذریعے عوام کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو دین کا حامی و طرفدار ظاہر کرتے ہیں۔

امام حسینؑ اور بنو امیہ کے درمیان موارد اختلاف امامؑ کے ارشادات اور اس زمانے کے اصلاح طلب افراد کے اقوال سے واضح ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف

شیوۂ حکومت اسلامی اور اجتماعی معاملات تھے۔ کیونکہ بنو امیہ نے حکومت اسلامی کو کلی طور پر متغیر کر دیا تھا۔ انہوں نے دوسروں کی روش اور استبداد کو اختیار کیا۔ قوانین الٰہی کو یکسر پائمال کر ڈالا اور سنت رسولخدا (ص) سے بے اعتنائی برتی۔ لوگوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات سے مکمل طور پر محروم کر کے انہیں اپنے خونی پنجوں میں جکڑ لیا تھا۔ دین اور ملت اسلامیہ کی اصلاح ان کی نظر میں بچوں کے کھیل سے زیادہ نہ تھی۔ وہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لائے تھے جو تیرو تار' انسانی ہمدردی سے خالی' ناپسندیدہ اور بری عادات سے پُر تھا۔

ان کے مقابل امام حسینؑ کا یہ دعویٰ تھا کہ سیاست اور حکومت ضروری ہے کہ دین کے تابع ہوں۔ مظلوم عوام کی تقدیر ظالم وستمگار حکام کے ہاتھ میں نہ ہو۔ لوگوں کے مال یعنی بیت المال سے عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ عدالت اجتماعی کو وجود میں لائیں اور قانون کا اطلاق سب کے لئے یکساں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ حدود الٰہی کے تعطل' بیت المال کی تاراجی' امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے منہ موڑنا' لوگوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرنا اور فحاشی کے کاموں کی ترویج کو اپنے ارشادات میں اپنی اس تحریک انقلاب کے اسباب کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

رسول خدا (ص) سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اذابلغ بنو ابی العاص ثلثین رجلا جعلوا مال الله درلا وعباده خولا ودینه دخلا"۔

"جب ابی العاص (پسر امیہ) کے بیٹوں کی تعداد تیس (۳۰) ہو جائے گی تو یہ لوگ مال خدا کو اپنے لئے مخصوص کرلیں گے خدا کے بندوں کو اپنا

غلام بنا کر مال تجارت بنالیں گے اور دین خدا کو سرمایۂ مکرو فریب قرار دیں گے"۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۰۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۵۶۴)

یہ تین اصل بنیادیں ہیں استبدادی حکومت کی۔ استبدادی حکومت وہ ہے جس میں بیت المال اپنے نور نظر اور اپنے کارندوں کے سپرد کر کے تاراج کیا جاتا ہے۔ عوام کے اختیارات کلی طور پر سلب کر دئے جاتے ہیں اور انہیں بالکل غلاموں کی طرح مجبور بنادیا جاتا ہے۔ حکومت اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے ان سے جیسے چاہے کام لیتی ہے اور دین اور مقدسات کے نام پر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

ابو العاص جس کا نام حدیث شریف میں آیا ہے امیہ بن عبد شمس کا بیٹا ہے اور سارے بنو امیہ اس کے بیٹے ہیں۔ حدیث نبی اکرمؐ کا اطلاق حضرت عثمانؓ، معاویہ اور یزید کے دور پر ہوتا ہے۔ یہ تینوں بنو امیہ سے تھے جنہوں نے جگہ پر قبضہ کیا اور آل ابی سفیان کی حکومت اور مملکت کی تشکیل اصلاً ان تین سے ہوئی اور انہی کے ذریعے اسلامی جامعہ کو آستانۂ سقوط پر کھینچ لائے۔ امام حسینؑ اسلامی و الٰہی قوانین کے اجراء کے حامی تھے آپؑ نے اس ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام کر کے جناب محمد مصطفیؐ کے آئین پاک کو ان اموی تباہ کاروں کے دست برد سے محفوظ کیا۔

تاریخ کی ان کتابوں سے جن میں امامؑ بزرگوار اور اس مفاد پرست یزید کے حالات تحریر کئے گئے ہیں یہ مطالب اور مواد اختلاف بخوبی واضح ہوتے ہیں۔ ان حقائق کے علاوہ بھی مندرجہ ذیل حقائق دقت طلب ہیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ، طبری اور ابن اثیر نے اپنی کتب تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ کے مرنے اور

یزید کے تخت نشین ہونے کے بعد کوفہ کے شیعوں نے امام حسینؑ کو اس طرح خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط سلیمان بن صرد، مسیّب بن نجبہ، رفاعہ شداد بجلی، حبیب ابن مظاہر اور کوفہ کے دیگر شیعیان مسلمان اور باایمان، حسینؑ بن علیؑ کے نام تحریر کرتے ہیں۔ آپ پر ہمارا سلام ہو۔ خدا کی حمد و ثنا ہے کہ اس ذات واجب الوجود کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ ہم سب آپ کے ہم زبان ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپؑ کے کینہ پرور اور ظالم دشمن کو ختم کیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچا۔ وہ دشمن جو اس قوم پر مسلط تھا اور جبراً اس نے ناحق حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی ہوئی تھی۔ جس نے امت کے خزانے کو غصب کیا اور امت کی رضا کے بغیر ان کا حاکم بن بیٹھا۔ بعد میں اس نے قوم کے نیک اور پرہیز گار لوگوں کو قتل کیا اور ان کا نام و نشان مٹادیا۔ بدکاروں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ خدا کے مال کو ستمگاروں اور دولتمندوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ رحمت خدا سے اسی طرح دور رہے جس طرح قوم ثمود خدا کی رحمت سے دور ہوئی۔ اس خط کے تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ابھی ہم اہل عراق کے لئے کوئی امام اور سرپرست نہیں ہے۔ آپؑ ہماری طرف تشریف لے آیئے شاید خدا آپؑ کے وسیلہ ہمیں حق پر مجتمع ہونے کی توفیق عنایت فرمائے"۔

(ارشاد ص ۱۸۵، طبری ج ۴۔ ص ۲۶۱۔ کامل ج ۳ ص ۲۶۶)

اس خط سے جہاں بیت المال کی تاراجی، آزاد اور نیک لوگوں کے قتل،

بدکاروں کی آزادی کا پتا چلتا ہے وہاں یہ ایسی حکومت تھی جو لوگوں کی رضایت کے بغیر ان کے سر پر سوار اور مسلط تھی۔ اس خط سے سمجھ میں آتا ہے کہ اصل اختلاف ان مسائل کی بنا پر تھا اور آخری عبارت بتا رہی ہے کہ حکومت الٰہی اور ظالمانہ حکومت کے مابین اختلاف اور تنازعہ تھا۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے تحریر کیا ہے کہ امامؑ نے بصرہ والوں کو ایک خط تحریر فرمایا تھا اور اپنی مدد کی دعوت دی تھی۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں جب امامؑ کا خط اہل بصرہ کو ملا تو یزید بن مسعود نے قبائل بنی تمیم، بنی حظلہ اور بنی سعد کو ایک مجلس میں جمع کیا اور ان سے کہا تمہاری نظر میں میری شرافت اور موقعیت کس حد تک ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آپ ہماری قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں۔ آپ ہمارے لئے باعث افتخار ہیں۔ شرافت اور بزرگواری کا نمونہ ہیں جس پر ہمیں فخر ہے۔ تو یزید بن مسعود نے کہا: میں نے تم سب کو ایک کام کے لئے جمع کیا ہے اور تم سے اس کا مشورہ چاہتا ہوں۔ سب نے کہا: خدا کی قسم آپ فرمایئے ہم بھی جو صلاح ہو گی اس کو عرض کریں گے۔ کہیں تاکہ ہم سنیں۔ یزید بن مسعود نے کہا:

یہ جان لو کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ ایسا نہیں کہ ہم اس کے موت پر ملول و رنجیدہ ہوں۔ جان لو کہ ستمگری اور گناہ کا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ اور ظلم کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں۔ معاویہ نے اپنے مرنے سے پہلے لوگوں سے یزید کے لئے جبراً بیعت لے لی ہے اور اس کا خیال تھا کہ اس کو محکم اور استوار کر گیا ہے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ معاویہ نے یزید کی بیعت کے لئے کوششیں کیں، مشورے کئے

لیکن جب اسے بھرپور کامیابی نظر نہ آئی تو بعد میں خاموشی اختیار کرلی۔
اب اس کا یہ شراب خوار فاسق و فاجر بے غیرت بیٹا خلافت کا مدعی ہے اور مسلمانوں کی مرضی کے خلاف مسند حکومت پر قابض ہو گیا ہے۔ وہ ایک احمق، نادان شخص ہے جو احکام الٰہی نہیں جانتا یہانتک کہ اپنا مقام بھی نہیں جانتا۔ خدا کی قسم ایسے شخص کے خلاف جنگ کرنا مشرکین کے خلاف دین اور خدا کے لئے جنگ کرنے سے بھی بہتر ہے۔
دوسری طرف حسین بن علیؑ فرزند رسولؐ ہیں جن کی شرافت و فضیلت میں کوئی ان کا ثانی نہیں۔ آپؑ کے فضائل و مناقب، علم و دانش اور مرتبے کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ امر خلافت کے لئے شائستہ تر ہیں۔ آپؑ کا درخشندہ ماضی اور رسولخدا (ص) سے آپکی قرابت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپؑ ہر چھوٹے بڑے پر توجہ دیتے ہیں اور سب پر مہربان ہیں۔ وہ عظیم و سچے پیشوا ہیں اور لائق سرپرست ہیں۔ آپ لوگ خدا کے نور کو دیکھنے کے بعد اندھے نہ بن جائیں اور کسی راہ کو بھی بغیر دلیل اختیار نہ کریں۔ آپ کے قبیلے کے صخر بن قیس نے جنگ جمل میں حضرت علیؑ کا ساتھ نہیں دیا، یہ ہمارے لئے آج تک شرم و عار بنا ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم فرزند رسولؐ کی مدد کر کے اس داغ کو دھو دیں۔"

(لہوف ص ۲۳۔۲۴)

یزید بن مسعود کی یہ تقریر بھی اس زمانے کے دوسرے آزاد اور صالح افراد کی مانند ہے۔ اس سے یزید ابن معاویہ کا خلافت کے لئے نااہل ہونا، مرگ معاویہ سے بنیاد ظلم کا متزلزل ہونا، ثابت ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ اسلامی

عدالت سب کے حق میں رائج کرنے، ہر چھوٹے بڑے کو توجہ اور اس کے اعتنا کے لئے اور جامعہ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے سب سے زیادہ مناسب اور شائستہ امام حسینؑ ہیں۔ یاد رہے کہ ان دونوں رقیبوں کے درمیان جنگ تضاد ایک حد تک اس سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

ایک اور نمونہ امام حسینؑ کی منزل ذی حسم پر وہ تقریر ہے جس میں امامؑ نے زمانے کے حالات کی تشریح اپنے ساتھیوں سے فرمائی۔ امامؑ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"معاملہ یہاں تک آپہنچا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ دنیا کے حالات خراب سے خراب تر ہو گئے ہیں، دنیا نے ناآشنائی کو اپنایا ہوا ہے، خوبیوں کو پس پشت ڈال کر زوال کی طرف رخ کئے تیزی سے گزر رہا ہے۔ اور اس دنیا کے ظرف میں ذلیل و پست زندگی گزارنے اور اس کی تلخیت کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ آج کی دنیا اس چراگاہ کی مانند ہے جس میں سوائے نقصان دہ گھاس کے کچھ نہیں اگتا۔ آیا نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا؟ اور باطل سے پرہیز اختیار نہیں کیا جاتا؟ یقیناً ان حالات میں صاحب ایمان مرد موت کی تمنا کرے۔ میں حسین بن علیؑ آج موت کو سعادت و خوش بختی سمجھتا ہوں۔ ستمگاروں کے ساتھ زندگی بسر کرنا میرے لئے سوائے دل گرفتگی اور ملال کچھ نہیں جانتا۔ لوگ اس دنیا کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ دین ان کے لئے کھائے ہوئے طعام کی مانند ہے۔ اگر زندگی سکون سے گزرتی ہو تو دین کی پابندی کرتے ہیں اگر امتحان و آزمائش میں گرفتار ہو جائیں تو دیندار افراد بہت ہی کم ہو جاتے ہیں"۔

(تحف العقول ص ۲۴۵ طبع جدید۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۵۰ تھوڑی کمی اور فرق کے ساتھ عربی متن کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔)

ایک بار پھر امام علیہ السلام کے ان برجستہ جملوں پر غور کریں۔ آپؑ فرمارہے ہیں کہ زندگی ان حالات میں میرے لئے بہت ہی ناگوار ہے 'میں موت کو سعادت اور خوش بختی جانتا ہوں۔ آج کی دنیاوہ چراگاہ ہے جسمیں سوائے نقصان دہ گھاس کے کچھ بھی نہیں اگتا۔ ان حالات میں صاحب ایمان کو چاہئے کہ موت کی تمنا کرے۔ (خود کو خدا کیلئے موت کی نظر کرے)۔

امامؑ نے ان تمام علتوں کو ایک جملے میں پیش کر دیا۔ آیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور برائیوں اور گناہوں سے پرہیز اختیار نہیں کیا جارہا یعنی یہ وہ زمانہ ہے جسمیں جامعہ کی زندگی کا محور شریعت اور خدا نہیں۔ جامعہ اپنے حقیقی محور حق و عدالت سے منحرف ہو کر ظلم و ستم کے محور پر گھوم رہا ہے۔ جہان اسلامی بنوامیہ کے کام میں مشغول ہے اور حکومت ظلم و ستم کے مدار پر گردش کررہی ہے یہ زندگی برداشت کے قابل نہیں۔ صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ظلم و ستم کی فضا اور اس ظالم حکومت کو متغیر کرے اور اس کی ان ناانصافیوں کو درمیان سے ختم کردے۔ یا چاہئے کہ قیام کرے اور مارا جائے۔ تاکہ وہ ان دلخراش اور افسوس ناک مناظر کو دیکھنے کے کرب سے نجات پاسکے۔

جی ہاں جن لوگوں کی روح 'جامعہ کی روح سے متصل ہوتی ہے وہ اپنی خوشی اور غم اپنے معاشرے کے افراد کی خوشی اور غم میں دیکھتے ہیں۔ ابو الفرج اصفہانی ایک سادات علوی بنام محمد بن ابراہیم کے حالات لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ کوفہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت تجارتی قافلے کے

پیچھے کھڑی تھی۔ اس قافلے سے جو کھجور وغیرہ گرتی تھی جمع کر کے ایک پھٹے پرانے جامہ میں جمع کر رہی تھی۔ محمد ابن ابراہیم اس عورت کے پاس گئے اور کہا کہ ان کھجوروں کا کیا کرو گی ؟ اس عورت نے جواب دیا کہ میرے یہاں کوئی مرد نہیں ہے جو میرے لئے نان و نفقہ مہیا کرے' میری بیٹیاں ایسی ہیں کہ اپنی کفالت نہیں کر سکتیں' پس میں یہ کام کرتی ہوں اور اس طرح اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ بھرتی ہوں۔ محمد بن ابراہیم نے یہ سنا تو بہت روئے اور کہا کہ تم جیسے ہی لوگ ہیں جن کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں مجبور ہوں کہ کل ہی قیام کروں اور میرا خون بہادیا جائے۔

(مقاتل الطالبین ص ۲۲۱ ط مصر ترجمہ محمد بن ابراہیم بن اسماعیل)

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں' ظالم اور ستمگاروں کے درمیان زندگی باعث شرمندگی و ملامت ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کے حالات تحریر کئے ہیں وہ بنو امیہ اور آل ابی سفیان کی حکومت کو جاننے کے لئے بہترین نمونہ ہے' یہود میں سے ایک گروہ اس بات کا معتقد تھا کہ اگر غیر یہود کے ساتھ خیانت کی جائے تو وہ جوابدہ نہ ہوں گے اور غیر یہود افراد کا مال یہودیوں پر حلال ہے۔ خدا نے ان کی اس بات کو قرآن میں نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے :

"قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل "۔

(سورۂ آل عمران ۷۵ قرآن میں یہ عقیدہ اہل کتاب (یہود و نصاری) کے نام سے بیان ہوا ہے یہود کے لئے مخصوص نہیں۔)

ان یہودیوں کی طرح بنو امیہ کا بھی ایمان نہ ہونے اور اپنی خود پسندی کی وجہ

سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یہی رویّہ تھا کہ ان مسلمانوں کی بہ نسبت بہت ہی عزت والے ہیں اور یہودیوں کیطرح وہ بھی یہ کہتے تھے کہ ان کے لئے غیر بنو امیہ کا مال حلال ہے اور وہ کسی غیر بنو امیہ کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ ان کے اعمال اس بات کو قولاً اس طرح پیش کرتے تھے یعنی ان کے اعمال کے مطابق آیہ قرآنی یوں ہو سکتی ہے۔

"لیس علیھم فی المسلمین سبیل"۔

پس جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس کے مطابق امام حسینؑ اور بنو امیہ کے درمیان اختلاف حکومت کا دینی ہونا تھا۔ دوسرے لفظوں میں امام حسینؑ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی زندگی اور حکومت دونوں میں رسولؐ اللہ کی سیرت و روش کو اپنائیں اور دونوں جہاں میں سعادتمند ہو جائیں۔ لیکن بنو امیہ چاہتے تھے کہ وہ حقیقت اسلام اور شریعت اسلام سے کاملاً بے توجہی اختیار کرتے ہوئے اپنی خواہشات' ہوا' ہوس کے ذریعے حکومت کریں اور زندگی گزاریں خواہ اس میں مسلمانوں کے حقوق ہمیشہ پامال ہی کیوں نہ ہوں۔

ہم نے اس فصل کے شروع میں اور کتاب کے مقدمے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ کیا علتیں ہیں جن کی بنا پر لوگوں نے امام حسینؑ کے مقدس قیام کو فقط مہنگائی ختم کرنے اور غیبت و جھوٹ کی روک تھام اور نماز وغیرہ کی پابندی کرنے کا سبب بیان کیا ہے۔

کیا امام حسینؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے؟

یہ ایک مستقل بحث ہے۔ اس میں دو مطالب اہم ہیں ہم ان دونوں پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ وہ مطالب درج ذیل ہیں:

(۱) امام علیہ السلام کا قیام تقیہ کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا ہے۔
(۲) قرآنی حکم کہ "اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو" کے ساتھ امامؑ کا قیام کیسے تطابق پیدا کرے گا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ امام حسینؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے تو تاریخ اور روایات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ بنو امیہ کے ہاتھوں اپنی شہادت کا یقین رکھتے تھے اور آپؑ نے اس شہادت سے آگاہ ہونے کے باوجود قیام و انقلاب کے لئے قدم اٹھائے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امامؑ کو معلوم نہ تھا کہ ان کے اس قیام کا انجام کیا ہوگا وہ کاملاً اشتباہ میں ہیں کیونکہ قطع نظر اس حدیث کے کہ "جو امامؑ نہ جانتا ہو کہ اس کی زندگی کیسے گزرے گی اور اسے کن حالات و انجام سے دوچار ہونا ہوگا وہ کبھی خلق خدا پر حجت و امام نہیں ہو سکتا"۔
(کافی ج ا ص ۲۵۸ باب (ان الائمہ یعلمون متی یموتون) حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ ای امام لا یعلم ما یصیبه والی ما یصیر فلیس ذلك بحجة لله علی خلقه)

شروع سے ہی بنو ہاشم کا خاندان امام حسینؑ کی شہادت سے آگاہ تھا کیونکہ اکثر و بیشتر جناب رسول خداؐ کو یہ فرماتے سن چکے تھے "ان امتی ستقتل ابنی هذا" جلد ہی میری امت میرے اس فرزند کو قتل کردے گی۔ اس طرح کی اور بہت سی احادیث بھی اس بات کی شاہد ہیں جو شیعہ اور سنی کتب میں نقل ہوئی ہیں۔

نمونہ کے لئے کتاب کافی تالیف کلینی علیہ الرحمۃ 'ارشاد مفید علیہ الرحمۃ' اعلام الوری تالیف طبری 'صواعق محرقہ ابن حجر اور تذکرہ سبط ابن جوزی اور دیگر کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار کی جلد ۴۴ طبع جدید کے صفحے ۲۲۳ سے ۲۶۶ تک میں

تقریباً ۱۷ احادیث اس بارے میں نقل کی ہیں۔ اب ہم ان میں سے بعض مواقع کا ذکر کریں گے جہاں امام حسینؑ نے اپنی شہادت اور مارے جانے کی تصریح فرمائی ہے۔ سید ابن طاؤس لہوف میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے چاہا کہ مکہ سے عراق سفر کریں تو آپؑ نے مسلمانوں کے مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح خطبہ دیا:

"الحمدلله ماشاء الله ولا قوة الا بالله وصلى الله على رسوله خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة ،وما اولهنى الى اسلافى اشتياق يعقوب الى يوسف ، وخيرلى مصرع انا لا قيه، كانى باوصالى تتقطعها عسلان الفلوات بين النواويس و كربلا، فيملائن منى اكراشاً جوفاً واجربة سغبالا محيص عن يوم خط بالقلم رضى الله رضانا اهل البيت، نصبر على بلائه ويوفينا اجراالصابرين ،لن تشذ عن رسول الله لحمته وهى مجموعة له فى حظيرة القدس تقربهم عينه وينجز بهم وعده من كان باذ لا فينا مهتجه وموطناً على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فاننى راحل مصبحاً انشاء الله ۔(لهوف ص ٣٥)

حمد و ثنا خداوند عالم کے لئے مخصوص ہے اور وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ خدا کے وسیلہ کے علاوہ کوئی قوت نہیں۔ خدا کی رحمت ہو جناب رسول خدا (ص) پر۔ آدم کی اولاد کے لئے خدا نے موت کو مقرر کر دیا ہے۔ موت انسان کے گلے میں جوان لڑکی کی گلوبند کی طرح ڈال دی گئی ہے۔ آدمی کیلئے مرنا ناگزیر ہے۔ میں اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ، والد علی مرتضیٰؑ

اور ماں زہراؑ' بھائی حسن مجتبیٰؑ کے دیدار کا اتنا ہی مشتاق ہوں جتنا حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کے دیدار کے متعلق تھے۔ میرے لئے خدا کی طرف سے شہادت گاہ کا انتخاب ہو چکا ہے اور میں اسکی طرف جار ہا ہوں۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بیابان عراق کے بھیڑیئے نواویس اور کربلا کے درمیان میرے بدن کے جوڑ جوڑ کو جدا کر رہے ہیں اور اپنے خالی شکموں اور زنبیلوں کو مجھ سے پر کر رہے ہیں' قضا و قدر الٰہی نے میرے لئے جس دن کو لکھ دیا ہے اس سے فرار نہیں۔

ہم اہل بیت رسول خدا(ص) اس بات پر خوش ہیں جس سے خدا خوش ہو اور جو کچھ اسے پسند ہے ہم کو بھی پسند ہے۔ خدا ہمیں جن آزمائشوں اور امتحانات میں مبتلا کرے گا ہم اس پر صبر اختیار کریں گے اور وہ ہمیں صابروں کی جزا سے نواز دے گا۔ (میں رسولخدا(ص) کے جگر کا ٹکڑا ہوں) اور رسول خدا(ص) کے جگر کا ٹکڑا ان سے جدا نہو گا۔ اور جنت میں میں اور رسول خداؐ ایک ہی جگہ پر ہوں گے' رسولؐ کی آنکھیں ہمارے دیدار سے روشن ہوں گی۔ اور ہم سے آپؐ اپنے وعدے پر وفا کریں گے۔ پس جو بھی ہمارے ساتھ جان کا نذرانہ لے کر خدا کی ملاقات کے لئے شہادت پر تیار ہو سکتا ہے وہ ہمارے ساتھ آجائے۔ انشاء اللہ ہم کل صبح یہاں سے حرکت کریں گے۔

اس خطبے میں ہم نے دیکھا کہ امامؑ نے شروع ہی میں امر شہادت اور اپنے قتل ہونے کو بیان کیا ہے اور بطور صریح بیان کر دیا کہ میرے لئے ایک قتلگاہ مقدر کر دی گئی ہے اور میں اس کی طرف جار رہا ہوں' میری آنکھوں کے سامنے جیسے یہ

مجسم ہے کہ عراق کے خونخوار' ظالم اور جفاکار درندے اپنے شکموں اور جیبوں کو رقوم سے پر کرنے کے لئے میرے جسم کو پارہ پارہ کررہے ہیں۔ آپؑ نے "خیرلی" کے لفظ سے واضح کیا کہ یہ قتل ہونا مشیت الٰہی ہے۔ یہ خدا کی طرف سے طے شدہ امر ہے۔ مجھے اس میں دخل نہیں۔ بلکہ خداوند نے ازل سے ایسا ہی چاہا ہے کہ میں اس کی راہ میں بنوامیہ کی تلواروں کی خوراک بن جاؤں۔ ہاں دین اسلام باقی رہے اور بنوامیہ کا نام نقش بر آب کی طرح مٹ جائے۔ قرآن کی مخالف قوتیں نیست و نابود ہو جائیں اور پھر امامؑ نے اس جملے "لا محیص عن یوم خط بالقلم" کے حوالے سے اس شہادت کو کار خدا اور رضائے الٰہی قرار دیا۔ جیسے امامؑ کہنا چاہ رہے تھے کہ آج معاشرے کی روش اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ باطل سے ٹکراتے ہوئے شہید ہو جانے کے علاوہ معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں ہے پھر آخر میں امامؑ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ وہی اس کام میں ہماری مدد کر سکتے ہیں جو خدا کی ملاقات کے شوق میں جان قربان کر سکتے ہوں۔ اب وقت وہ آگیا ہے کہ مال و دولت کی مدد' زبان و قلم کی تبلیغ سے کوئی فائدہ نہیں رہا۔ تنہا جان کی قربانی دینا ہوگی' صرف خدا کی راہ میں اپنے خون میں غرق ہو کر اس خرابی کا علاج ہے۔

اس خطبے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ اپنی شہادت کو جانتے تھے اور اس تمام صورت حال کا علم ہونے کے بعد ہی آپؑ نے کوفہ کی طرف رخت سفر باندھا تھا۔

طبری اور ابن اثیر تحریر کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے مکہ میں عبداللہ ابن زبیر سے گفتگو کے دوران یوں فرمایا:

"واللہ لان اقتل خارجاً منها بشبرا حب الی من ان اقتل فیها ......

ایم اللہ لو کنت فی حجر ھامة من ھذہ الھوام لا ستخرجونی حتی یقضوابی حاجتھم"

"خدا کی قسم مکہ میں قتل ہونے سے بہتر ہے کہ میں مکہ سے نکل کر ایک بالشت بھر کے فاصلے پر قتل ہو جاؤں۔ خدا کی قسم اگر میں حشرات کے بلوں میں بھی چلا جاؤں تو یہ لوگ مجھے باہر نکال کر اپنی خواہش کو پورا کریں گے (یعنی مجھے قتل کریں گے)"۔

اسی طرح کامل ابن اثیر میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم بنو امیہ کسی بھی صورت میں مجھ سے دستبردار نہیں ہونگے، یہاں تک کہ میرا خون بہادیں اور مجھے قتل کر دیں۔ لیکن جب یہ مجھے قتل کریں گے تو خدا ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے ہاتھوں یہ ذلیل و خوار ہوں گے اور ذلت و رسوائی کے گہرے گڑھے میں جا گریں گے"۔

(کامل ج ۳ ص ۲۷۶)

امام حسینؑ سے بنو امیہ فقط بیعت یزید یا اس کی حکومت کو تسلیم کروانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو یہ جانتے تھے کہ امامؑ کبھی بھی یزید کی بیعت نہ کریں گے اور امام بھی یہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے یزید کی بیعت نہ کی تو بنو امیہ اور یزید امامؑ کو قتل کرنے سے باز نہ آئیں گے۔ ان دو مقدموں کو سامنے رکھتے ہوئے نیز اس سے قبل کے خطبے میں امامؑ کے ارشاد سے روشن ہے کہ امام حسینؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے۔

مسعودی نے کتاب "اثبات الوصیۃ" میں روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ نے چاہا کہ وہ عراق کی طرف روانہ ہوں تو ام المومنین جناب ام سلمہ نے ان سے فرمایا کہ اے حسین تمہیں خدا کی قسم تم عراق کی طرف نہ جاؤ۔ امامؑ نے پوچھا کہ کیوں؟ آپ نے کہا میں نے رسولخداؐ کو فرماتے سنا ہے کہ "میرا بیٹا حسینؑ عراق میں قتل کر دیا جائے گا"۔ امامؑ نے فرمایا: "اے مادر جان میں یقیناً قتل کر دیا جاؤں گا خدا کی قضاو قدر سے فرار ناممکن ہے۔ اور نہ ہی کوئی بہانہ موت کو دور کر سکتا ہے۔ میں اپنے قتل ہونے کے دن، وقت، جگہ کو جانتا ہوں میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کس بقعہ زمین پر دفن کیا جاؤں گا"۔

(اثبات الوصیۃ ص ۱۲۶)

سید نے لہوف میں امام صادقؑ سے نقل کیا ہے: وہ رات جس کی صبح کو امامؑ کو مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہونا تھا آپکے بھائی محمد بن حنفیہ آپؑ کے پاس آئے اور کہا: اے بھائی! آپ جانتے ہیں کہ انہی اہل کوفہ نے آپکے والد اور بھائی حسن مجتبیٰ کے ساتھ دغاو فریب کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ بھی دغا کریں گے۔ اگر آپؑ مصلحت جانتے ہوں تو مکہ ہی میں ٹھہر جائیے گا۔ آپؑ یہاں لوگوں میں زیادہ عزیز ہیں اور قوی تر رہینگے۔ امامؑ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ یزید بن معاویہ مجھے اچانک دھوکے سے مکہ میں قتل کروادے گا اور میں وہ ہوں جس کے قتل کے لئے وہ قرآن کے حکم "ومن دخلہ کان آمنا" کو توڑ دے گا۔ محمد حنفیہ نے عرض کی کہ پس اس صورت میں آپؑ یمن یا کہیں اور بیابانوں میں نکل جائیے۔ اس طرح کوئی بھی آپؑ تک نہ پہنچ سکے گا۔ امامؑ نے فرمایا جو کچھ تم نے کہا اس پر سوچوں گا۔

صبح جب امام حسینؑ مکہ سے عراق کے لئے عازم ہوئے تو محمد حنفیہ آپؑ کے پاس پہنچے۔ آپؑ اپنے مرکب پر سوار ہو چکے تھے۔ محمد حنفیہ نے امامؑ کے مرکب کی لگام پکڑ کر کہا: مگر آپؑ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہاری باتوں پر سوچوں گا۔ آپؑ نے فرمایا ہاں۔ محمد حنفیہ نے کہا تو پھر اتنی عجلت میں آپؑ مکہ سے کیوں جا رہے ہیں۔ امامؑ نے جواب دیا: کل رات تمہارے چلے جانے کے بعد جب میں سویا تو خواب میں نانا جناب رسول خدا(ص) کو دیکھا کہ آپؐ مجھ سے فرما رہے تھے (یا حسین اخرج فان الله قد شاء ان یراك قتیلا) اے حسینؑ اٹھو مکہ سے باہر چلے جاؤ خدا تمہیں حق کی راہ میں شہید دیکھنا چاہتا ہے۔ محمد حنفیہ نے کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون" پھر کہا کہ اس صورت میں آپؑ عورتوں اور بچوں کو کیوں لے جا رہے ہیں؟ امام نے فرمایا رسول خداؐ نے فرمایا کہ انہیں بھی لے جاؤ کہ خدا انہیں اسیر بنا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ "وان الله قد شاء ان یراهن سبایا "۔ اس کے بعد امامؑ نے بھائی کو سلام کیا اور روانہ ہو گئے۔

(لہوف ص ۳۸۔۳۷)

یہ حدیث امام کی اپنی شہادت اور اہلبیت کی اسیری کے علم کے علاوہ یہ بھی فہمائش کرتی ہے کہ امام کی شہادت اور اہلبیت کی اسیری میں خدا کی رضا تھی۔ امامؑ نے اپنے جد کے فرامین سے یہ استنباط فرمایا کہ اگر چاہتے ہیں کہ امت اسلامی زندہ رہے تو اس عنوان کے تحت "وان الله قد شاء ان یراك قتیلا" خود قتل ہو جائیں، آپکی بہنیں اور آپکے اہلبیت اس عنوان کے تحت "ان الله قد شاء یراهن سبایا" اسیر ہوں۔ اور لوگوں کی توجہ اس طور و طریقہ کی طرف دلائیں تاکہ امت اسلامی کو ہلاکت کے خطرے سے نجات بخشیں۔

ہم نے قبلاً بھی تحریر کیا کہ امامؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت بنو ہاشم کے نام جو خط تحریر کیا تھا اسمیں بھی اپنی شہادت کی خبر دے دی تھی۔

(لہوف ص ۳۹)

جناب علیؑ المرتضیٰ کے پوتے محمد بن عمر سے بھی روایت ملتی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ میرے والد عمر بن علی آل عقیل بن ابی طالب میں سے میری نگہداشت کرنے والی خاتون سے فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے بھائی حسینؑ بن علیؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو میں انؑ کے پاس گیا وہ اس وقت تنہا تھے۔ تو میں نے کہا کہ اے ابا عبداللہ آپ کے بھائی جناب حسن مجتبیٰؑ نے مجھے اپنے والد علی مرتضیٰ سے یہ خبر دی تھی...... اتنی بات کے بعد عمر بن علی کہتے ہیں کہ مجھے ضبط کا یارا نہ رہا اور میں نے بلند آواز میں گریہ شروع کر دیا۔ آگے میری بات قطع ہو گئی۔ میرے بھائی نے مجھے سینے سے لگا کر فرمایا "میرے بھائی نے تمکو خبر دی تھی کہ میں قتل ہو جاؤں گا" میں نے کہا خدا آپکو قتل ہونے سے بچائے۔ امامؑ نے فرمایا میں تمہیں بابا علیؑ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا انہوں نے تمہیں میرے قتل کی خبر دی تھی۔ میں نے کہا جی ہاں اور پھر میں نے سوال کیا کہ آپؑ نے کیوں یزید کی بیعت نہ کی؟ امامؑ نے فرمایا میرے بابا علیؑ نے مجھے بتایا کہ جناب رسول خداؐ نے انہیں انکی اور میری شہادت کی خبر دی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ میری قبر میرے والد علیؑ کی قبر سے نزدیک ہو گی۔ اے بھائی تم جانتے ہو کہ میں اس بات سے آگاہ ہوں اور تم نے جو یزید کی بیعت کے لئے پوچھا تو سنو میں کسی صورت میں بھی ذلت و خواری کے لئے راضی نہ ہوں گا۔ ہاں ہماری والدہ فاطمۃ الزہراؑ اپنی اولاد پر ہونے والے مظالم کے لئے اپنے والد رسول خداؐ سے شکایت کریں گی اور جو بھی ہماری والدہ فاطمۃ

الزہراءؑ کو اس کی اولاد کے بارے میں اذیت دے گا وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہو گا۔

(عمر ابن علی امیر المومنین علیہ السلام کے بیٹوں میں شہدائے کربلا میں سے ہیں)

(لہوف ص ۱۵۔۱۶)

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کتاب کافی میں صحیفۂ مختومہ کے بارے میں کئی روایات نقل کی ہیں اور وہ اس بات پر دلالت رکھتی ہیں کہ امامؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے۔ (مستقی العلم من بیت آل محمدؐ) کے باب میں روایت کی ہے کہ منزل ثعلبیہ میں ایک آدمی امامؑ کی خدمت میں پہنچا اور ظاہراً اس نے امامؑ کو کوفہ کی طرف جانے سے منع کیا اور قتل کر دیئے جانے کا خوف دلایا۔ امامؑ نے پوچھا تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اہل کوفہ سے ہوں۔ امامؑ نے فرمایا اے بھائی اگر تم مدینہ میں ہوتے تو میں تمہیں جناب رسول خداؐ پر نزول وحی کے وقت جبرئیلؑ کے آنے کے اثرات اپنے گھر میں دکھاتا۔ اے کوفی بھائی جب لوگوں کے علم کا سرچشمہ ہمارے سامنے ہے تو لوگ تو جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔

(کافی ج ا ص ۳۹۸ طبع جدید)

یہ تمام دلائل و شواہد جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ثابت کرتے ہیں کہ امامؑ اپنے شہید ہونے میں کسی طرح کا شک نہ رکھتے تھے اور اپنی شہادت کے علم و آگاہی کے ساتھ ہی امامؑ نے انقلاب کے لئے قدم اٹھایا تھا۔ اور اس تمام بیان کے بعد اب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی بات جائے سخن نہیں۔ مرحوم نے کتاب ''تنزیۃ الانبیاء'' میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ یعنی اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیوں

امام حسینؑ مکہ سے اہل وعیال کو ساتھ لے کر کوفہ کی طرف چلے گئے تو اس طرح جواب دیا جائے کہ جب بھی امام معصوم کو کسی بھی بات کے لئے ظن قوی ہو جائے کہ وہ حق کو پالے گا' تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ قیام کرے' ہر چند اس راہ میں اسے زحمتیں اور مشقتیں ہی کیوں نہ اٹھانی پڑیں۔ سید بزرگوار نے اس بات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

پس گزشتہ دلائل کو دیکھتے ہوئے مرحوم سید مرتضٰی کی بات پر کوئی کلام نہیں اور ثابت ہو گیا ہے کہ امامؑ کے لئے اپنی شہادت یقین کا درجہ رکھتی تھی۔

قیام امام و تقیہ

دلائل گزشتہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ امام اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور اپنے اس قیام کے انجام کو جانتے تھے اور اس علم کے باوجود کہ شہید کئے جائیں گے آپؑ نے قیام کیا۔اب دو مسئلے پیش نظر ہیں۔

(۱) امام کا قیام تقیہ کے ساتھ کیسے سازگار ہے اور تقیہ کی بنا پر کیا لازم نہ تھا کہ امامؑ دم سادھ لیتے اور کسی گوشہ میں خاموش بیٹھ جاتے؟

(۲) یہ کہ قرآنی حکم "ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة"(اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے ساتھ امام کا قیام کس طرح مطابقت رکھتا ہے۔

یہ بات اس کتاب کے دقیق اور حساس ابواب میں سے ایک ہے۔اگر ہم خدا کی مدد سے ان دو نکات کی تحقیق میں عہدہ برا ہو گئے تو یقیناً امام کا یہ مقدس مشن ہمارے لئے بہت ہی روشن وواضح ہو جائے گا اور اس کی آب و تاب کو مزید فروغ ہو گی۔

اس مطلب کو بیان کرنے سے پہلے ایک دقیق نکتہ پر توجہ لازم ہے۔کسی ظالم

وستمگر کے خلاف قیام اور انقلاب برپا کرنا چند صدیوں قبل مکتب تشیع کے مختصات میں سے ایک تھا۔ آئمہ اہلبیت اور شیعیان خالص کے حالات کی بررسی اس مطلب پر شاہد اور سند دینے والے ہیں۔ ہمارے بعض آئمہ مثلاً حضرت علیؑ، امام حسینؑ نے ظلم وبیدادگری کے خلاف قیام کیا اور اسلامی جامعہ میں اصلاح طلبی کی روح پھونک دی۔ بقیہ آئمہ نے بھی جفاکار و ظالم حکمرانوں کے خلاف منفی رویہ اختیار کر کے اس کی تکمیل و تائید فرمائی۔

امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ ایسے حالات وافراد نہ تھے کہ امامؑ معاویہ سے جنگ کرتے۔ پس جب تک جنگ ممکن تھی کی، بالاخر جنگ سے ہاتھ اٹھالیا اور صلح کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن معاویہ سے دوسری شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی کہ وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرے گا اور کسی کو اپنے بعد جانشین مقرر نہ کرے گا۔

(مطالب السئول ابن طلحہ ص ۶۸۔ صواعق محرقہ ابن حجر ص ۱۲۴)

نیز آپ نے یہ بھی شرط رکھی کہ معاویہ خود کو امیر المومنین نہیں کہلوائے گا اور امام حسنؑ گواہی کے لئے معاویہ کے حضور پیش نہ ہوں گے اس لئے کہ معاویہ آپ کے نزدیک نہ تو امیر المومنین ہے اور نہ ہی قاضیٔ حق۔ اس کے علاوہ آپؑ نے مدینہ میں بنو امیہ کے مقابل ایک گروہ تشکیل دیا جس کے سربراہ آپ خود تھے۔

(حیاۃ الحسن تالیف باقر شریف ج ۲ ص ۱۹۲ بہ نقل تذکرہ سبط ابن جوزی۔ علی وبنوہ طٰہ حسین ص ۲۰۷ ترجمہ احمد آرام)

حضرت سجادؑ نے دمشق کی مسجد میں یزید اور بنو امیہ کی سیاہ کاریوں کو سرعام

بیان فرما کر رسوا کیا۔ آپؑ کے خطبے سے لوگوں میں بیداری کی وہ لہر اٹھی کہ لوگوں کے دلوں کو جھنجھوڑ دیا اور اس بیداری نے طوفانی دریا کی موجوں کی طرح ایسی وسعت پکڑ لی کہ آخر کار مروان بن حکم نے یزید سے کہا کہ "اہل بیت اطہار کا زیادہ دیر شام میں رہنا تمہاری حکومت کے حق میں نہیں"۔

(کامل بھائی۔ ج ۲ ص ۳۰۲ ط جدید)

یحییٰ بن ام طویل، امام سجادؑ کے ایک صحابی، کناسہ کوفہ میں باآواز بلند لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے: "اے خدا کے دوستو بنو امیہ جو کہ حضرت علیؑ کو ناسزا کہتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں جو بھی حضرت علیؑ پر سب و شتم کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ ہم آل مروان کے اعمال سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل حجاج بن یوسف کے زمانہ میں تھا جو کہ جلاد بنو امیہ کے نام سے مشہور تھا اس کے دستور کے مطابق یحییٰ کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کو کٹوا دیا گیا۔

(سفینۃ البحار ج ا۔ ہی میں دیکھیں)

امام سجادؑ نے اپنے چچا محمد حنفیہ کے ایک سوال کا جواب یوں دیا تھا: اے چچا اگر ایک حبشی غلام بھی ہمارے حق کے لئے باطل کے خلاف آواز بلند کرے تو لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اس کی مدد کریں۔

(منتخب التواریخ ص ۴۷۴)

امام صادقؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کعبہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سال ہشام بن عبد الملک اموی خلیفہ نے بھی حج میں شرکت کی تھی۔ امام صادقؑ نے اس روز لوگوں کے درمیان اپنی گفتگو میں یوں فرمایا:

"حمد و ثنا خدا کے لئے کہ اس نے محمدؐ کو لوگوں پر نبی بنا کر بھیجا اور رسولؐ

کے وسیلے سے ہمیں بھی عزت عطا کی۔ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی مخلوق پر برگزیدہ کیا۔ ہم خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے بندوں کے درمیان پسندیدہ قرار دیا۔ خوش بخت اور سعادت مند وہ شخص ہے جو ہماری پیروی کرے اور بدبخت و شقی ہے جو ہم سے دشمنی کرے اور ہماری مخالفت کرے۔ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دوست رکھتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے دشمنوں اور ہمارے دشمنوں کے دوستوں کو دوست رکھتے ہیں۔ ایسے افراد نے کیا ہمارے پروردگار کے کلام کو نہیں سنا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ خلیفہ کے بھائی مسلیمہ نے خلیفہ کو امامؑ کے اس بیان کی خبر دی۔

(دلائل الامامۃ تالیف محمد بن جریر بن رستم طبری امامی ص ۱۰۴ طبع نجف)

امام باقر علیہ السلام کو اسی ہشام بن عبد الملک نے قید کروایا اور حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ امام باقرؑ کو زہر دے دیا جائے۔

(منتھی الامال ج ۲ ص ۷۸)

سیاہ ضمیر عباسی خلیفہ منصور کے حکم سے امام صادقؑ کے گھر کو آگ لگادی گئی۔ اس نے کئی بار امام صادقؑ کو جبراً مدینہ سے عراق بلوایا' منصور نے آپؑ کو قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار کو نیام سے نکالا اور امام کے درس کو مدتوں بند رکھا اس نے لوگوں کے لئے امام کی ملاقات کو ممنوع قرار دیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۲۳۶ طبع جدید)

امام موسیٰ کاظمؑ نے چار سال ہارون عباسی کے قید خانوں میں گزارے اور آزاد دنیا سے محروم رہے۔ آخر کار امامؑ کو زہر دے کر شہید کروادیا۔ امام رضاؑ جلاوطن

ہوئے اور جوار رسول اکرمؐ سے دور شہر مرو میں لے جائے گئے۔ آپؑ کو سرخس میں مدتوں مقید رکھا گیا' آخر کار مامون عباسی نے آپ کو زہر دیا۔

نویں امام جوادؑ الائمہ نے جفاکار خلفاء کے ہاتھوں بہت مظالم اٹھائے۔ آپؑ مدینہ سے بغداد لیجائے گئے اور ایک روایت کے مطابق عباسی خلیفہ کے حکم سے آپ کو زہر دے دیا گیا۔ امام ہادیؑ اور عسکریؑ کو بھی خلفاء کے زور اور جبر نے مدینہ کو ترک کرنے پر مجبور کیا اور شہر سامراء میں آپ کو شہر بند کر دیا گیا۔ متوکل عباسی کے ہاتھوں ان آئمہ نے بہت سی تکالیف و اہانت اٹھائیں اور امام حسن عسکریؑ کو مدت تک قید خانے میں رکھا گیا۔

یہ تمام امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام آئمہ علیہم السلام بنو امیہ و بنو عباس کے ستمگاری کے مقابل کبھی آرام اور سکوت میں نہیں بیٹھے بلکہ پیہم یہ مقدس حضرات ان جفاکاروں سے برسرپیکار رہے اور ان کے خلاف فتاویٰ دیتے رہے' وگرنہ کوئی دلیل نہ تھی کہ ان ذوات مقدسہ کو اتنی مشکلات و مصائب اٹھانا پڑیں۔ جبکہ خود فروش' عالم نما لوگ اس دور کے خلفاء کو اولوالامر منکم کے مصداق قرار دیتے تھے اور اس طرح خلفاء سے یہ علماءِ سوء بھاری رقوم لیتے تھے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔

یہ صحیح ہے کہ امیر المومنینؑ' جناب حسن مجتبیٰؑ' امام حسینؑ کے سوا بقیہ آئمہ اطہار نے تلوار کے ذریعے جفاکاروں کے خلاف قیام نہیں کیا۔ کیونکہ یہ مصلحت وقت نہ تھی۔ لیکن آئمہ علیہم السلام نے ان ستمگاروں اور جفاکاروں کی کھلم کھلا مخالفت کی اور ہمیشہ صدائے احتجاج بلند کرتے رہے ان کے خلاف فتاویٰ دیتے رہے اور ان کے ناپسندیدہ کاموں پر تنقید کرتے ہوئے اتنا آگے گئے کہ اس راہ میں

آئمہؑ نے زہر کھایا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، جلاوطنی دیکھی، ذلتیں اور اہانتیں برداشت کیں۔ اصل یہ ہے کہ ان آئمہ علیہم السلام نے قیام امام حسینؑ کو اپنی اس جدوجہد کے ساتھ نہ صرف پہلے سے زیادہ وسعت بخشی بلکہ اسے زیادہ موثر بنادیا۔ اگر ان آئمہ کی یہ علمی، پر عزم اور با مقصد جدوجہد میں استقامت نہ ہوتی تو حتماً آج دین مبین اسلام اس طرح پُر مایہ نہ ہوتا۔ ہم اس بات کو بھی نہ بھولیں کہ اصحاب آئمہ کی جدوجہد اور باطل کے خلاف مبارزہ بھی دقت نظر اور تعمق کے قابل ہے۔ کون ہے جس نے حجر بن عدی، عمرو بن حمق، کمیت بن زیاد، سید حمیری کے عزم و شجاعت کی داستان نہ سنی ہو یا نہ پڑھی ہو۔

بہر حال بنو امیہ اور عباسیہ کے ادوار میں شیعیان علیؑ ہمیشہ ظلم و ظالم کے خلاف بر سرپیکار رہے اور یہ پر حرارت مذہب ہمیشہ جفاکاروں اور ستم کے خلاف جدوجہد اور مبارزہ کی ترویج کرتا رہا۔ ہاں جب شیعوں کو زمانے کے نشیب و فراز اور مدتوں کی کشمکش اور مصائب کے بعد کچھ علاقوں پر اقتدار نصیب ہوا، حاکمان وقت اس مذہب کے پیروکار بنے۔ مذہب تشیع رائج ہوا۔ حاکموں اور عوام کے درمیان جب باپ بیٹے جیسی محبت پدری کا رشتہ قائم ہوا تو اس مذہب کی یہ خصوصیت "کہ ہمیشہ ظلم و ظالم کے خلاف آواز بلند کرنا" آہستہ آہستہ صلح و آشتی میں تبدیل ہوگئی۔ بالکل اسطرح جیسے بھپرے ہوئے شیر کو آہستہ آہستہ رام کرلیا جاتا ہے تشیع بھی رام ہوگئی اور یہاں تک کہ یہ صفت ختم ہوگئی اور آگ سرد ہوگئی ۔ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثل آتش فشان تھی جو خاموش ہوگئی۔ اس آتش فشاں کے دہانے سے کبھی کبھی دھواں بلند ہوتا ہے اور اپنی آتش فشانی کا پتہ دیتا ہے۔ یہ قوم بھی ایسے ہی ہوگئی۔

نتیجتاً ان حالات کے دیر تک قائم رہنے کی وجہ سے تقیہ کے متعلق آیات وروایات ' ظالم کے خلاف جہاد و مبارزہ کا مفہوم اپنے اصل معنی سے آہستہ آہستہ منحرف ہو گیا۔ ظالموں کے خلاف سکوت اختیار کر لیا گیابلکہ ان کی حمایت کو تقیہ کے معنوں میں دیکھنا شروع کر دیا گیا۔ یہاں تک وہ لوگ جو راہ خدا اور اصلاح جامعہ کے لئے ذراسی بھی زحمات و مشکلات بر داشت نہ کر سکتے تھے حتیٰ کہ ایک نامناسب لفظ تک کبھی بر داشت نہ کیا تھا اس آیہ "ولا تلقوا باایدکم الی التهلكة" کے ذریعے خود کو حمایت دین سے سبکدوش سمجھ بیٹھے۔ اور یہ فکر اس قدر بڑھی کہ آئمہ علیہم السلام کی وہ طرز رفتار اور جدو جہد اور ظالم و ظلم کے خلاف ان کے جرائتمندانہ اقدامات لوگوں کے ذہنوں سے فراموش ہوتے گئے۔ اور علماء دین جو کہ ستمگاروں اور ظالموں کے مقابل اس مقاومت اور فریضہ کو ادا کرنے کے لئے عظیم منارہ ہیں ' انہوں نے جب بھی ظلم کے خلاف اعتراض کیا تو لوگوں نے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں سیاسی مُلّا کا خطاب دیا گیا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کی گئی۔ اس لئے کہ اب عوام کی فکر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو چکی تھی۔

اسطرح امامؑ کے قیام کے بارے میں فکری اور طریقہ کار میں انحراف کی وجہ سے لوگوں کی منحرف عادات وافکار کے ساتھ سازگار نہیں جیسے کہ امام حسینؑ کا تقیہ کے وجوب ہوتے ہوئے قیام کرنا یا ولا تلقوا باید یکم الی التهلكة کا حکم ہوتے ہوئے اپنے آپ کو شہادت تک پہنچانا یہ دونوں کیسے سازگار ہیں۔ اس طریقہ سے یہ مسئلہ زور پکڑ گیا۔

اگر ہم اس دور کے افکار کی تبدیلی ' عوام کے عادات واطوار کو نادیدہ سمجھتے

ہوئے بالکل خالی الذھن ہو کر آیات و روایات تقیہ و تہلکہ اور اس قرآنی حکم "ولا تلقوا بایدکم الی التھلکہ" کے ساتھ آئمہ کے اعمال پر غور سے توجہ کریں تو معلوم ہو گا کہ حقیقت امر اس کے علاوہ ہے۔ تقیہ 'تہلکہ' اور ظلم و ظالم کے خلاف آواز حق کا بلند کرنا' یہ تینوں اپنے اپنے مقام پر الگ الگ موضوع ہیں اور ہر ایک کی راہ کاملاً الگ ہے اور یہ ایک دوسرے سے مزاحم مسائل نہیں ہیں۔ اب ہم حق مطلب کو مزید واضح و روشن کرنے کے لئے شروع سے بیان کرتے ہیں۔

روایات تقیہ کا جائزہ

احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ظالم اور ظلم کے خلاف آواز حق کا بلند کرنا اور تقیہ دونوں جائز ہیں۔ انسان کو اختیار ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کوئی بھی راہ اپنا لے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اسے اختیار ہے کہ وہ ظالم کے خلاف قیام کرے اور خود کو راہ خدا میں قربان کر دے' شہید ہو جائے یا پھر تقیہ اختیار کرے اور خود کو قتل ہونے سے بچا لے۔ پہلی صورت میں اس نے جنت کے حصول میں جلدی کی ہے اور دوسری صورت میں خدا کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اب ہم روایات معصومینؑ کا جائزہ لیں گے۔

(۱) شیعہ اور اہل سنۃ افراد نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں حضرت عمار اور آپ کے والد یاسر اور والدہ سمیہؓ کو کفار مکہ نے اسلام لانے کے جرم میں شکنجہ میں کس دیا تھا۔ کفار مکہ ان اذیتوں اور تکالیف کے ذریعے اسلام سے دوری' بیزاری اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اور اپنے خداؤں بتوں کی پرستش کو کہتے تھے۔ جناب یاسر اور سمیہؓ نے کفار مکہ کی اس بات کو قبول نہ کیا اور ان کے شکنجے میں بدترین اذیتیں سہتے ہوئے اپنی جان راہ خدا میں قربان

کر دی لیکن جناب عمار یاسر نے انتہائی مجبوری کی حالت میں بظاہر کفار مکہ کی بات مان لی اور ان کے شکنجہ سے آزاد ہو کر خود کو قتل ہونے سے بچالیا۔

جناب رسول خداؐ ان کو مکہ کے دروں میں انہیں اذیتیں لیتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے تھے "صبراً یا آل یاسر فان موعدکم الجنة' صبراً یا آل یاسر اللهم اغفر لآل یاسر وقد فعلت"۔

(سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۳۳۷۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۳۲ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۵)

"اے آل یاسر صبر کرو یقیناً وعدہ ہے کہ تمہاری جگہ بہشت میں ہے' اے آل یاسر صبر کرو' اے خدا آل یاسر کو بخش دے اور حق ہے کہ تو نے ان کی بخشش فرمائی"۔

ایک اور روایت ہے کہ آپؐ فرماتے تھے: "اے آل عمار خوش خبری ہو کہ تمہاری جگہ بہشت میں ہے"۔

(سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۷۵)

جناب عمار یاسر نے جب کفار کے کہنے پر عمل کیا اور ان کے شکنجے سے آزاد ہوئے تو جناب رسول خداؐ کے پاس تشریف لائے اور عرض کی یارسول اللہؐ میری ماں کو شکنجے میں شدید ترین اذیت دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ اس اذیت کو سہہ نہ پائیں اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا صبر کرو اور پھر آپ نے دعا فرمائی:

"بار الٰہا یاسر خاندان کے کسی فرد کو بھی آتش جہنم سے عذاب نہ کرنا"۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۳۳)

اور پھر جناب عمار سے فرمایا کہ انہوں نے تقیہ کیا تھا' ان عادوا علیك فعد

بما قلت لهم، اگر کفار مکہ دوبارہ تمہیں اذیت دیں اور شکنجے میں کسیں تو تم تقیہ اختیار کرنا اور ان کے خداؤں کا اقرار کرلینا تاکہ اذیتوں سے نجات پاسکو۔ حضرت عمار یاسر کے تقیہ پر جناب عمار کے لئے آیہ قرآن نازل ہوئی۔

"من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره قلبه مطمئن بالايمان"۔

"جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے مگر وہ شخص جو کلمہ کفر پر مجبور کیا جائے اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو"۔

(سورۂ نحل آیت ۱۰۶۔ مجمع البیان، کشاف، اسباب النزول ص ۱۶۲۔ احکام القران ج ۲ ص ۱۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا(ص) عمار کے والد اور والدہ کے لئے جنہوں نے تقیہ نہیں کیا تھا اور کفار کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے دعا کرتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں کہ تمہاری وعدہ گاہ بہشت ہے اور یہ بھی کہ خدا نے ان دونوں کو بخش دیا ہے۔ دوسری طرف جناب عمار کے عمل تقیہ کی بھی تائید فرماتے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ اگر دوبارہ وہ تمہیں اذیّت دیں تو اذیتوں سے بچنے کے لئے پھر تقیہ اختیار کرلینا: "ان عادوا عليك فعد بما قلت لهم"۔ یعنی رسول خدا(ص) دونوں کے عمل کی تصدیق فرما رہے ہیں آپ نے نہیں فرمایا کہ تم بھی والدین کی طرح کفار کی بات نہ مانتے یہاں تک کہ قتل ہو جاتے۔ اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تمہارے والدین کو بھی تمہاری طرح تقیہ کر کے جان بچا لینا چاہئے تھی اور نہ ہی یہ کہ بعد میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ یاسر و سمیہ نے اچھا کام نہیں کیا تھا تم لوگ ایسا نہ کرنا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقیہ نہ کرنا اور خدا کی راہ میں قتل ہو جانا یا تقیہ

اختیار کرنا اور اپنی جان بچالینا دونوں عمل صحیح ہیں۔ ایک نے خود کو راہ خدا میں قربان کر دیا اور دوسرے نے خدا کے دیئے ہوئے اختیار سے فائدہ اٹھالیا اور جان بچالی۔ اگر حقیقت اس کے علاوہ ہوتی تو جناب رسول خدا (ص) دونوں کے اعمال کی تصدیق نہ فرماتے۔

(۲) کتب فریقین میں نقل ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا ان میں سے ایک سے کہا کہ آیا تم اقرار کرتے ہو کہ محمدؐ رسول خدا ہیں اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اور یہ اقرار بھی کرتے ہو کہ میں بھی رسول خدا ہوں اس نے کہا ہاں۔ پھر دوسرے کو بلویا اور اس سے پوچھا کہ تم اقرار کرتے ہو کہ محمد رسول خداؐ ہیں اس نے کہا ہاں اور کہا یہ بھی اقرار کرتے ہو کہ میں رسول خدا ہوں تو اس نے کہا میں بہرہ ہوں سنائی نہیں دے رہا۔ مسیلمہ نے اس دوسرے شخص سے تین بار سوال کیا اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا۔ آخر کار مسیلمہ کذاب نے دوسرے کو قتل کروادیا اور پہلے شخص کو چھوڑ دیا۔ ان افراد کا واقعہ جناب رسول خدا (ص) سے بیان کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جو مارا گیا وہ اپنی سچائی اور یقین پر مارا گیا۔ یقیناً برتر ہے اس پر رحمت نازل ہو اور دوسرے شخص نے خدا کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اٹھایا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس قضیہ کو تفسیر مجمع البیان 'مرآت العقول 'احکام القران' جصاص اور تفسیر کشاف وبیضاوی اور دوسری کئی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کو تقیہ اختیار کرنے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جانے دونوں طرح کا اختیار ہے' ہاں اس تفاوت کے ساتھ کہ تقیہ نہ کرنے کی فضیلت زیادہ بیان کی گئی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا تقیہ نہ کرنے والا

شہید ہونے والا سچائی اور یقین پر مارا گیا خدا اس پر رحمتیں نازل کرے۔ اگر حقیقت اس کے علاوہ ہوتی تو رسولؐ اس قتل ہو جانے والے کے عمل کی تصدیق نہ فرماتے کم از کم اپنے اصحاب سے یہی فرماتے کہ اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا پس تم لوگ اس طرح عمل نہ کرنا۔

شیخ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ اور جناب رسول خدا(ص) کی اس گفتگو کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقیہ اصل میں رخصت ہے' اختیار ہے' لیکن قتل ہونا راہ خدا میں ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

(۳) امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے کا مشہور راوی عبد اللہ بن عطا کہتا ہے کہ میں نے امام پنجمؑ سے کہا کہ یا امامؑ کوفہ کے دو افراد کو دشمنوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ امیر المومنین سے بیزاری اختیار کرو اور سب و شتم کرو۔ ایک نے قبول کیا اور نعوذ باللہ امامؑ پر سب و شتم کیا۔ دوسرے نے انکار کر دیا پس پہلے کو چھوڑ دیا گیا اور دوسرے کو قتل کر دیا گیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ جس نے امامؑ سے بیزاری کا اظہار کیا وہ یقیناً اپنے دین میں دانا و فقیہ ہے لیکن جس نے انکار کیا وہ فوراً جنت میں داخل ہو گا۔

(وسائل ج ۱۱ ص ۴۷۶ کتاب امر بالمعروف۔ کافی ج ۲ ص ۲۲۱ طبع جدید)

یہ روایت بھی تقیہ اور عدم تقیہ کے جواز کو سمجھانے کے لئے کافی ہے۔ وہ جس نے تقیہ نہ کیا اور قتل ہو گیا وہ اپنے عقیدہ پر قتل ہوا آپؑ نے فرمایا کہ وہ فوراً جنت میں داخل ہو گیا۔ توجہ رہے کہ امام نے بیان واقعہ ہی کو فرمایا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں فرمایا۔ اگر اس فرد کا کام خلاف دین ہوتا حجت خدا امام پنجم اس کی تصدیق نہ فرماتے اور اس کے جنتی ہونے کی خبر نہ دیتے بلکہ کم از کم اتنا ہی کہہ

دیتے کہ تم اس طرح نہ کرنا۔

(۴) ابو بکر حضرمی کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ قتل ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دینا آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا کہ امیر المومنین سے بیزاری کا اظہار کرنا اور سب و شتم کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ تقیہ کرنا پسندیدہ ہے کہا تم نے عمار یاسر کے لئے خدا کا قول نہیں سنا کہ خدا نے فرمایا: "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔

(وسائل ج ۱۱ ص ۴۷۹ ط جدید۔ تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۷۲ ط جدید)

(۵) خوارج کا ایک شخص ضحاک بن قیس مدتوں کوفہ پر مسلط رہا۔ وہاں اس کا حکم چلتا تھا۔ عبداللہ بن عجلان کہتا ہے میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ ضحاک بن قیس کوفہ پر مسلط ہو گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیعیان علی ابن ابی طالبؑ کو گرفتار کرے اور انہیں امیر المومنین پر سب و شتم کرنے کو کہے تو اس وقت کیا کیا جائے؟ امامؑ نے جواب دیا کہ امامؑ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ میں نے پوچھا کہ کونسا عمل آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ بیزاری کا اظہار یا قتل ہو جانا؟ امامؑ نے فرمایا کہ عمار یاسر کی تقلید کرو انہیں مکہ میں گرفتار کر لیا گیا تھا اور رسولؐ سے بیزاری کے لئے کہا گیا تو انہوں نے بیزاری کا اظہار کیا پس خدا نے ان کے اس عذر کو قرآن میں یوں نازل کر دیا: "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔

(وسائل ج ۱۱ ص ۴۷۹ ط جدید۔ تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۷۲ ط جدید)

ان دونوں روایتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقیہ کرنا اور راہ خدا میں قتل ہو جانا دونوں جائز ہیں۔ البتہ حدیث حضرمی یہ بتاتی ہے کہ حکم اولی قیام، ظالم کے خلاف

مبارزہ اور اپنے کو راہ خدا میں قتل ہونے کے لئے پیش کر دینا ہے۔ تقیہ خدا کی طرف سے دی گئی رخصت ہے اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امامؑ نے سائل کے جواب میں فرمایا ہے کہ الرخصۃ احب الی...... اور یہ ہی مطلب حدیث نبوی سے بھی ظاہر ہے کہ رسول خدا نے اس فرد کے لئے جس نے مسیلمہ کذاب کی نبوت کا اقرار کیا تھا آپ نے فرمایا: ''فقبل رخصۃ اللہ فلا تبعۃ علیہ''۔ اس نے خدا کی دی ہوئی رخصت کو قبول کیا ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور حدیث ما قبل میں امام صادقؑ نے تقیہ میں مصلحت جانی اس طرح دوستان امیر المومنینؑ کے جان و مال محفوظ ہوتے تھے اس لئے فرمایا کہ بیزاری کا اظہار کرو اور یہ میرے لئے پسندیدہ ہے۔ اگر یہ مطلب و مصلحت پیش نظر نہ ہوتا تو امامؑ کبھی بھی اس طرح بیزاری اختیار کرنے کو نہ کہتے۔

(۶) امیر المومنینؑ اور آئمہ کے اکثر اصحاب کرام مثلاً حجر بن عدی اور آپ کے ساتھی میثم تمار، رشید حجری، یحیٰ بن ام طویل وغیرہ نے تقیہ نہ کیا اور راہ خدا میں شہید ہو گئے۔ آئمہؑ نے ان کے حق میں مخصوص مواقع پر دعا فرمائی ہے کہ خدا ان پر رحمتیں نازل کرے۔ آئمہ ان کے ناموں کو احترام سے لیا کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے حتیٰ کہ امام حسینؑ نے معاویہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اے معاویہ کیا تو وہی نہیں کہ جس نے حجر بن عدی اور ان کے دوستوں کو بے جرم و خطا شہید کر دیا۔ وہ بندگان عابد و زاہد جو بدعتوں کو ناروا جانتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۱۸۰)

اگر راہ خدا میں ترک تقیہ اور شہید ہو جانا جائز نہ ہوتا تو آئمہ ان افراد کی

تعریف واحترام ہر گز نہ کرتے۔بلکہ آئمہ ان کی تکذیب کرتے اور لوگوں کو ان کی پیروی کرنے سے منع فرماتے۔ لیکن ان پاک باز نیک لوگوں کی تائید اور ان کا احترام وتعریف کرنا بڑی شرعی دلیل ہے کہ انہوں نے اس راہ شہادت کو قبول کیا اور اپنی جان کو خدا کے لئے قربان کردیا۔

ایک اور روایت میں محمد بن مروان سے منقول ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے میثم تمار کو تقیہ سے روکا جبکہ وہ جانتے تھے کہ یہ آیۃ "الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" عمار یاسر کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(کافی ج ۲ ص ۲۲۰ ط جدید)

اس روایت میں ذرا سی عدم رضایت کی بو آتی ہے در عین حال کہ یہ حدیث مجہول السند بھی ہے۔ لیکن پھر بھی امامؑ میثم تمار کے لئے خدا سے رحمت طلب فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میثم بخدا تقیہ کو جانتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے از راہ محبت ودلسوزی اس طرح فرمایا تھا ورنہ اگر تقیہ خلاف شرع ہوتا تو امام ہر گز اس طرح نہ فرماتے۔ انہی ثبوت وشواہد سے قیام ابو ذرؓ غفاری بھی ہے جو انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے زمانے میں کیا جبکہ حضرت علیؑ نے تقیہ کو اختیار کیا ہوا تھا۔ امام علیؑ نے ابو ذرؓ غفاری کی تکذیب نہ کی بلکہ ان کے عمل کی تائید فرمائی۔ اگر ابو ذرؓ قیام وتقیہ میں مخیّر نہ ہوتے تو امامؑ ان کو منع فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ تقیہ کرنا امام علیؑ کا اور قیام کرنا جناب ابو ذرؓ غفاری کا دونوں شرعی تھے اور اگر ابو ذرؓ بھی دوسروں کی طرح تقیہ ہی اختیار کرتے تو پیش خدا آپ بھی مسئول نہ ہوتے۔

اسی لئے شیخ کشی نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے میثم تمار سے فرمایا: اس وقت تم خود کو کیا پاؤ گے جب ابن زیاد بنو امیہ کا منہ بو لا بیٹا تمہیں مجھ سے بیزاری کے اظہار کے لئے کہے گا؟ میثم تمار نے جواب دیا: خدا کی قسم میں آپکے خلاف کچھ نہ کہوں گا، آپؑ سے بیزاری کا اظہار نہ کروں گا۔ امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم اس صورت میں تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ میثم تمار نے جواب دیا میں اس مصیبت پر جس کی خبر آپؑ دے رہے ہیں صبر کروں گا کہ راہ خدا میں یہ بہت معمولی ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اس شہادت کے بعد تم بہشت میں میرے ساتھ ہو گے۔

(رجال کشی ص ۷۸ ترجمہ میثم)

نیز نقل کرتے ہیں کہ: ایک دن رشید ہجری سے امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ: تم کس طرح صبر کرو گے جب ابن زیاد بنو امیہ کا منہ بو لا بیٹا تمہیں کہے گا کہ مجھ سے اظہار بیزاری کرو، مجھ پر تبرا کرو۔ اور تمہارے دونوں ہاتھوں اور پاؤں اور زبان کو کٹوادے گا۔ جناب رشید ہجری نے جواب دیا: اے امیر المومنینؑ آیا یہ تمام اذیتیں اور شکنجے سہنے کے بعد بہشت ہے۔ امامؑ نے فرمایا تم دنیا و آخرت میں میرے ساتھ ہو۔

(رجال کشی ترجمہ رشید)

اسی طرح کی گفتگو جناب حجر بن عدی کے متعلق بھی موجود ہے جبکہ معاویہ نے آپؒ کو اور آپؒ کے ساتھیوں کو قتل کروایا تھا۔ انہوں نے بھی امام علیؑ کو جواب دیا تھا: مولا اگر کسی دن مجھے کہا گیا کہ آپؑ پر تبرا کروں تو میں انکار کروں گا اور آپؑ پر تبرا نہ کروں گا۔ اس جواب پر امام علیؑ نے آپ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

یہ سب روایات اس بات پر دلیل ہیں کہ ترک تقیہ جائز ہے۔ وگرنہ

امیر المومنین کبھی بھی صاحبان ایمان حضرات کو جو کہ افتخار بشریت ہیں اس کی اجازت نہ دیتے اور یہ تمام بزرگوار شخصیات بھی تقیہ کرتے اور اس طرح راہ خدا میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچالیتے۔ بلکہ امامؑ ضرور ان افراد سے فرماتے کہ ہرگز اپنے آپ کو قتل نہ ہونے دینا بلکہ تم لوگوں پر واجب ہے کہ مجھ پر تبرا کرنا اور اس طرح مجھ سے بیزاری کا اظہار کر کے خود کو قتل ہونے سے بچالینا۔

علامہ مجلسیؒ مرآت العقول میں تحریر کرتے ہیں کہ جناب میثم تمار، رشید ہجری اور قنبر، خدا ان کے درجات بلند فرمائے، ان لوگوں سے بعید ہے کہ امام علیؑ اُن کے مارے جانے کی خبر دے اور تقیہ کا حکم فرمائے اور یہ امامؑ کی مخالفت کرتے ہوئے تقیہ نہ کریں۔ اور اگر یہ کہیں کہ امامؑ نے ان افراد کو تقیہ سے متعلق نہ بتایا تھا تو یہ اس سے بعید تر ہے بلکہ ظاہر تو یہ ہی ہے کہ یہ افراد تقیہ اور عدم تقیہ کے بارے میں خبر رکھتے تھے اور انہوں نے پر مشقت راستے کو اختیار کیا تھا۔

(مرآت العقول ج ۲ ص ۱۹۷)

(۷) ان تمام دلائل سے قطع نظر امام حسینؑ کا اپنے قیام اور اپنے شہید ہو جانے کا علم ہونا بذات خود روشن و واضح دلیل ہے کہ تقیہ کا ترک کرنا اور راہ خدا میں قتل ہو جانا جائز ہے۔ اسی طرح بقیہ آئمہؑ کا تقیہ کرنا تقیہ کے جائز ہونے پر دلیل ہے۔ امام حسینؑ نے روز عاشورا اپنے ساتھیوں سے یوں فرمایا :

"خدا نے آج کے دن مجھے اور تمہیں جان کو راہ خدا میں قربان کرنے کی اجازت دی ہے۔ ثابت قدمی اور پامردی سے جہاد کرو۔

(اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۱۲۶)

احادیث نبوی سے بھی یہی اصول وضع ہوتا ہے

الختصر طرز قیام اور روایات کی طرف رجوع کرنے سے روشن ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک ستمگاروں کے مقابل مبارزہ اور قیام' دین کی ترویج اور سعادت کو حاصل کرنے کے لئے جب وہ دیکھتا ہے کہ معاشرہ پر ہونے والے ظلم کو ختم نہیں کرواسکتا' دو میں سے کسی ایک راہ کو انتخاب کرتا ہے۔ یعنی وہ ظلم و ظالم کے خلاف عملی اقدام کرتے ہوئے اپنی جان راہ خدا میں قربان کر دیتا ہے اور یا تو تقیہ کر لیتا اور اس حال میں وہ منفی رویہّ کے ذریعے اپنی جدو جہد جاری رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض آئمہ اور شیعوں نے راہ اول یعنی شہادت کی راہ اپنائی اور بعض نے راہ دوم یعنی تقیہ کی راہ کو اختیار کیا ہے۔ یہ دونوں طرز عمل دین کی نشر و اشاعت اور اس کی بقاء کے لئے اپنی جگہ مکمل ہیں۔ تھوڑی سی توجہ سے ہم جان لیں گے کہ مصلحت اسلام ان دونوں راہوں کا تقاضا کرتی ہے۔

ہم اس حدیث نبویؐ سے اس اصول کو حاصل کر سکتے ہیں جو آپؐ نے ان دو نفر کے مسلیمہ کذاب کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور شہید ہونے کے سلسلے میں بیان فرمائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تقیہ کا ترک کرنا اور اعلائے کلمہ حق کرنا فضیلت و برتری کا حاصل ہے اور یہ ہی حکم اولیٰ ہے۔ اور تقیہ کا انجام دینار خصت اور خدا کی جانب سے رعایت و آسانی ہے۔ یا عبداللہ بن عطا کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے کہیں کہ جو بھی تقیہ کرے گا وہ اپنے دین میں دانا و فقیہ ہے اور جس شخص نے تقیہ نہیں کیا اس نے بہشت کی طرف جانے میں جلدی کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے تقیہ کو قرآن مجید میں صریحاً بیان فرمایا ہے۔ خدا کہتا ہے :

”لا یتخذالمومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلك فلیس من الله فی شی الا ان تتقوا منهم تقیه “۔

”مومن افراد کافروں کو دوست نہ بنائیں جس نے بھی ایسا کیا اس سے خدا کو کوئی سروکار نہیں (اس کا رابطہ خدا سے ٹوٹ گیا) ہے مگر یہ کہ ان کافروں سے کسی طرح کا ڈر ہے“۔

(سورۂ آل عمران آیت نمبر ۲۸۔ اتقاء یا تقیہ خوف کے وقت میں محتاط رویہ اختیار کرنا ہے اس کے بعد یہ خوف کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے آئمہ اہل بیتؑ سے منقول روایات کے مطابق یہ آیت جواز تقیہ میں ہے جیسے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۰۶ اور المیزان ج ۳ ص ۱۰۳ اور اس کے بعد)

اس آیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کا یہ عمومی حکم خوف وہراس کی بنا پر ہے۔ پس یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ انسان تقیہ اور قیام کے دوران مختار ہے۔ اس کا جواب یوں دیں گے جیسا کہ محققین نے بھی تصریح کی ہے کہ آیۂ شریفہ فقط تقیہ کے جائز ہونے کے بابت ہے نہ کہ اس کے وجوب کو بیان کر رہی ہے۔ لیکن اگر کوئی فرد تقیہ نہ کرے اور راہ خدا میں قتل ہو جائے تو اس کے لئے آیۂ کریمہ خاموش ہے اور کسی طرح کا کوئی حکم بیان نہیں کرتی۔ جبکہ دوسرے ادلۃ راہ خدا میں شہید ہونے والوں کے عمل کو نہ صرف جائز قرار دیتے ہیں بلکہ اس کی فضیلت اور حکم اولی ہونے پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں جن میں تقیہ کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ تقیہ دین آئمہ اطہار ہے اور جو بھی تقیہ نہ کرے صاحب ایمان نہیں اور تقیہ سپر مومن ہے۔

اس کا جواب یوں دیں گے کہ دوسری طرف ایسی ہی بہت سی روایات آئمہ

سے نقل ہوئی ہیں جن میں تقیہ کے ترک کرنے اور راہ خدا میں شہید ہو جانے کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ وہ جو راہ خدا میں ظالم کے خلاف جدوجہد میں شہید ہو اس کی مدح بھی کرتی ہیں۔ ہاں ان روایات میں تقیہ وجوب تقیہ سے جو قدر مسلم ہے وہ ایسے مواقع میں ہے کہ قیام اور ترک تقیہ مطلقاً کوئی فائدہ نہ پہنچاتا ہو یا ترک تقیہ میں کوئی ضرر ہو مثلاً سنت اہل بیت ختم ہو رہی ہو اور ہاں اگر تقیہ نہ کرے اور ظالم کے خلاف جدوجہد سے دین کو تھوڑا سا بھی فائدہ پہنچ رہا ہو تو پھر ایسی حالات میں فرد کو مختار قرار دیا گیا ہے کہ وہ قیام کرے یا تقیہ اختیار کرے اور ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ قیام اور راہ خدا میں جان دینے سے کسی طرح کا فائدہ نہ ہوتا ہو۔

نیز بہت سی روایات فقط وجود تقیہ کے شرعی ہونے کو ہی بیان کرتی ہیں۔ دراصل اہل سنت تقیہ کے جائز ہونے کے اس طرح قائل نہیں جس طرح اہل تشیع ہیں۔ جبکہ خوارج تقیہ کو مطلقاً حرام جانتے ہیں۔ پس آئمہ چاہتے تھے کہ ان دونوں گروہوں کے نظریات کے سامنے تقیہ کے شرعاً جائز ہونے کو بیان کیا جائے مثلا جہاں امام صادقؑ نے فرمایا "التقیه من دین الله "۔ تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ :"التقیة من دینی و دین آبائی "۔ تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔

(کافی ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۹ ط جدید حدیث ۳، ۱۲۔ وسائل ج ۱۱ ص ۴۶۴ ط جدید حدیث ۱۸)

غرض کہ روایات کا نقل ہونا تقیہ کے وجود کے اثبات میں اور اُس کو از روئے شرع جائز قرار دینا ہے۔ آئمہ اطہارؑ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ستمگاروں، دشمنان خدا اور دین کے مقابل قیام ہی ایک راستہ نہیں ہے بلکہ ایک راہ تقیہ کی بھی موجود ہے۔ ہر فرد کو اختیار ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرے، تقیہ

اختیار کر لے یا قیام کرے۔

ان تمام مطالب پر بحث کے بعد یہ نتائج سامنے آتے ہیں :

۱۔ مسلمان ستمگاروں کے مقابل ان دونوں میں سے کسی بھی ایک راہ کے اپنانے میں آزاد ہے۔ ظالموں کے خلاف قیام کرے یا تقیہ اختیار کرے۔ اگر چہ اسے علم ہو کہ اس نے قیام کیا اور تقیہ نہ کیا تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ وہ قیام کر سکتا ہے اور خود کو راہ خدا میں شہادت کے لئے پیش کر سکتا ہے۔

۲۔ اسلام کا حکم اولی یہ ہے کہ ستمگاروں اور دشمنان خدا کے خلاف قیام اور مقاومت کی جائے۔ تقیہ بعنوان رخصت اور خدا کی طرف سے ایک شرعی رعایت ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے "فقبل رخصة الله "۔ اور حدیث امام صادقؑ کا جملہ "الرخصة احب الی" سے پتہ چلتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ کی حدیث سے بھی استفادہ ہوا، نیز استثناءٔ یہ بیان کرتی ہے۔ آیت لا یتخذالمومنون الکافرین اولیاء ......الا ان تتقوا یہی سمجھاتی ہے کہ حکم اولی قیام و مقاومت ہے۔

۳۔ تقیہ کے اختیار کرنے کا وجوب وہاں ہے جہاں ترک تقیہ یعنی قیام سے کسی طرح کا فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو یا اس قیام کرنے سے دین خدا کو کسی طرح کا ضرر پہنچ سکتا ہو۔ آئمہؑ نے اہل سنت اور خوارج کے برعکس تقیہ کو صحیح اور شرعی راستہ قرار دیا ہے اور بیان فرمایا کہ تقیہ کو حرام جاننا بیجا اور غیر شرعی ہے۔ کتاب کافی اور وسائل الشیعہ کی روایات سے استفادہ کرنے سے یہ بات روشن ہو جائے گی کہ آئمہؑ نے اپنے شیعہ کو تقیہ کا حکم خلفاء بنو امیہ اور بنو عباس کے مقابلہ میں دیا تھا کیونکہ انہوں نے دین کو ضرر کا احساس کر لیا تھا۔

قیام کربلا اور جان کو ہلاکت میں نہ ڈالنے کا قرآنی حکم

مباحث گزشتہ سے واضح ہے کہ قیام کرتے ہوئے اپنی جان کو راہ خدا میں قربان کرنا حیات ابدی حاصل کرنا اور بہشت کی طرف تعجیل کرنے کا کام ہے۔ جو کوئی بھی راہ خدا میں مارا جاتا ہے اس نے تنہا اپنی جان کو ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اس نے حیات جاودانی اور فضیلت ابدی حاصل کرلی ہے۔ پس اس بناء پر اس سوال کی گنجائش نہیں رہتی کہ امام حسینؑ کا قیام اس حکم قرآنی "ولا تلقوا بایدکم الی التہلکہ" سے کس طرح مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن اس لئے کہ اس حکم قرآنی (کہ جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کا حقیقی مطلب اور اس کا صحیح اطلاق کے متعلق صورت حال واضح ہو، ہم اس پر بحث کریں گی۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن نے کہا "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ"

یعنی "خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ اس صورت میں امام حسینؑ کا قیام کرنا جبکہ آپؑ جانتے تھے کہ آپ کو شہید کردیا جائے گا کس طرح اس حکم "ولا تلقوا ......" کے ساتھ سازگار کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اب تک ہم نے جو تحقیق کی ہے اس کی بنا پر شہادت اور خدا کی راہ میں قتل ہو جانا اپنی جان کو خود ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے، ورنہ سید الشہداءؑ جو کہ حجت خدا تھے اور احکام دین سے خوب واقف تھے ہرگز یہ کام نہ کرتے اور آنحضرتؐ کا عمل تمام لوگوں کے لئے حجت ہے۔ اور اپنی جان کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو اس کیلئے قرآن کریم سے استفادہ کر کے معنی یوں نکلتے ہیں کہ مثلاً اگر کوئی شخص یا ایک گروہ تحمل یا عدم انفاق اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے کی وجہ سے دشمنوں کو اپنے اوپر مسلط کرلے اور اپنی بدبختی کے اسباب مہیا کرلے

یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کے قتل ہو جانے میں کوئی فائدہ نہ ہو یا پھر باطل کی راہ پر قتل ہو جائے۔ پس یہ ہے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا اس آیۃ قرآنی سے یہی مطلب حاصل ہوتا ہے۔ :

"وانفقو فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین"۔

"راہ خدا میں انفاق کرو اور اپنے کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو' ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرو' نیکی کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

جملہ (وانفقوا فی سبیل اللہ) اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی راہ میں انفاق نہ کرنا خصوصاً جنگ کے موقعہ پر ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اس طرح دشمنوں کے مسلط ہو جانے کا امکان اور مسلمانوں کی خواری ہے۔ آیۂ شریفہ اس وقت نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ جنگ کے دوران ہر فرد اپنی قدر استطاعت کے ساتھ جنگ کے لئے سامان مہیا کرے تاکہ مجاہدین اسلام جنگ کے سامان سے آراستہ رہیں۔ چونکہ ممکن ہے اسوقت اس انفاق میں بعض افراد تعطل سے کام لیں بلکہ ایسا کر بھی رہے تھے۔ پس خدا نے اس آیۃ کے ذریعے انہیں تنبیہ کی کہ اس راہ میں بخل اور کنجوسی انہیں ہلاکت میں ڈال دے گی۔

ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں ابو اسحٰق سبیعی سے نقل کیا ہے کہ ایک فرد نے براء بن عاذب سے پوچھا کہ اگر میں اکیلا ہی دشمن پر حملہ کر دوں اور دشمن مجھے قتل کر دے تو کیا میں نے خود کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ براء نے کہا کہ نہیں اس لئے کہ خدا اپنے رسول سے فرماتا ہے "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک"۔

راہ خدا میں جہاد کرو اور تم مکلّف نہیں ہو مگر اپنی جان کے۔ اسکے بعد براء نے کہا کہ یہ ہلاکت میں ڈالنا فقط جنگ کے موقع پر انفاق نہ کرنے سے متعلق ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۲۹)

واحدی اسباب النزول میں حکم بن عمران سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے فتح قسطنطنیہ میں اہل مصر کے سپہ سالار ایک جہنی صحابی عقبہ ابن عامر تھے اور اہل شام کے سپہ سالار فضالہ بن عبید صحابی تھے۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک آدمی نے دشمنوں کی صفوں پر آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان کی صفوں میں شگاف کر کے واپس آگیا۔ ایسے میں بعض مسلمانوں نے نعرہ لگایا کہ سبحان اللہ اس بہادر نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ ابو ایوب انصاری صحابی رسول خداؐ ہمارے ساتھ تھے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یہ آیۂ شریفہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی تم لوگوں نے اس آیہ کو دوسرے معنوں میں تاویل کرنا شروع کر دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب اسلام نے وسعت پائی تو ہم نے پوشیدہ طور پر ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ ہمارا مال ضائع ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ اب ہم اپنے مال کی طرف متوجہ ہوں اور جو بھی ضائع ہوا ہے اس کی اصلاح کریں۔ خداوند کریم نے ہماری ان باتوں کو رد کرنے کے لئے یہ آیہ نازل کی :

"وانفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکه"۔

اصل یہ ہے کہ ہلاکت مدینہ میں ٹھہرے رہنے اور جہاد کو ترک کرنے میں تھی جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ پس اس آیہ کے نزول کے بعد ہم لوگ جہاد پر جانے کے لئے تیار ہوئے۔

(اسباب النزول ص ۳۰، تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۲۹، تفسیر المیزان ج ۲ ص ۷۲)

ان دو روایتوں سے ثابت ہے کہ جہاد کا ترک کرنا نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے نہ کہ جہاد میں جانا اور راہ خدا میں قتل ہو جانا۔ توجہ رہے کہ جملہ وانفقوا فی سبیل اللہ کہنے سے ہلاکت کی حرمت ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی انفاق کے ترک کرنے سے یہ حرمت مخصوص ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی خود کو بلا وجہ ہلاکت میں ڈالے یعنی خود کو چھت سے نیچے گرادے' یا زہر کھالے تو اس آیہ کے حکم کے مطابق اس نے عمل حرام کا ارتکاب کیا۔

راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جانا موضوع کے اعتبار سے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے سے خارج ہے۔ اگر کوئی اس جہاد و شہادت کو ہلاکت جانے تو پھر یہ اغلب ہے کہ رسولؐ خدا کے وہ تمام غزوات کو بھی اسی زمرہ میں شمار کرے کیونکہ ۲۰ آدمیوں کا ۲۰۰ آدمیوں کے مقابلے پر جانا ہلاکت میں ڈالنا ہی تو ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمان الٰہی ہے کہ "اے رسول تم مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلاؤ اگرچہ تم کو صرف بیس (۲۰) صابر آدمی کیوں نہ میسر آئیں۔ یہ دو سو (۲۰۰) افراد پر بھاری ہوں گے' غالب آئیں گے اور اگر تمہیں سو (۱۰۰) افراد صبور میسر آئے تو یہ ۱۰۰۰ کفار پر غالب آئیں گے۔

(انفال آیہ نمبر ۶۵)

دراصل جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ راہ خدا میں شہید ہو جانا حیات جاودانی ہے' ہلاکت نہیں۔ خدا شہداء اسلام کے بارے میں فرماتا ہے :

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون"۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹)

آیا امام حسینؑ پر قیام اور قتل ہو جانا واجب تھا یا جائز؟

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ کوئی شخص دو میں سے ایک (قیام یا تقیہ) کے انتخاب میں آزاد ہے اور راہ خدا میں قیام اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم یہ بھی جانیں کہ آیا امام حسینؑ پر قیام کرنا جائز تھا یا واجب؟ اگر امام حسینؑ بھی بقیہ آئمہؑ کی طرح تقیہ فرماتے اور ان کی مانند منفی مبارزہ (قطع تعلق) سے ہی جہاد کرتے تو کیا پیش خدا آپؑ جوابدہ تھے؟۔

اس سوال کے جواب سے پہلے امام حسینؑ کے اصحاب کے متعلق بات کریں گے اور پھر امام حسینؑ کے قیام کا جائزہ لیں گے۔ اصحاب امام حسینؑ میں سب کو پہلے سے حکم تھا اور ان دونوں راستوں یعنی تقیہ اور جہاد اختیار کرنے کے لئے آزاد تھے۔ اس کی دلیل کے لئے شب عاشورا امام حسینؑ کی وہ گفتگو ہے جسمیں امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو کربلا سے جانے کو کہا۔ لیکن وہ لوگ نہ گئے' انہوں نے فرزند رسولؐ خدا کی معیت میں مر جانے کو زندہ رہ جانے پر ترجیح دی۔ اگر وہ لوگ جانے اور رکنے میں جو کہ تقیہ اور ترک تقیہ ہی ہے آزاد نہ ہوتے تو امامؑ ہرگز ان کو اس طرح نہ فرماتے بلکہ آپؑ یوں فرماتے کہ تم لوگوں پر واجب ہے کہ میرے ساتھ رہو اور راہ خدا میں شہید ہو جاؤ۔ یا یہ فرماتے کہ تم پر واجب ہے کہ چلے جاؤ اور خود کو قتل ہونے سے بچاؤ۔ لیکن امام حسینؑ کی ایسی کوئی بات روایت میں نہیں ملتی۔

روز عاشورا جبکہ ہر لحہ موت و شہادت امامؑ کے نزدیک تر آرہی تھی امامؑ نے اپنے ساتھیوں سے یہ فرمایا جسے مسعودی نے نقل کیا ہے:

"ان الله قد اذن فی قتلکم الیوم وقتلی ......"۔

"یعنی خدا نے آج کے دن میری اور تمہاری جانوں کو راہ خدا میں قربان کرنے کی اجازت دی ہے"۔

(اثبات الوصیۃ ص ۱۱۶)

کلمہ "اذن" اس بات کی دلیل ہے کہ تم لوگ راہ خدا میں شہید ہو جانے کے لئے خداوند کی طرف سے آزاد و مختار ہو۔

اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ نے خطرات میں گھر جانے اور حالات کے ابتر ہو جانے پر بھی اپنے ساتھیوں کو اس اختیار سے محروم نہ کیا اور فرمایا کہ تم قیام و تقیہ میں مختار ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امامؑ یوں فرماتے کہ خدا نے آج کے دن تم پر قیام و قتال واجب کیا ہے۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی کہتا ہے: روز عاشورا جب امام حسینؑ کے انصار نے جام شہادت نوش کر لیا اور بجز دو نفر کوئی نہ رہا تو میں امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا ابن رسول اللہؐ آپؑ جانتے ہیں کہ میرے اور آپؑ کے مابین یہ وعدہ تھا کہ جب تک آپؑ کے ساتھی آپؑ کے ساتھ ہیں میں بھی آپؑ کا ساتھ دوں گا اور جنگ کروں گا۔ لیکن اگر آپؑ کے ساتھی مارے گئے تو میں بھی آپؑ سے الگ ہونے اور دور جانے میں آزاد ہوں گا۔ امامؑ نے فرمایا: سچ کہا تم نے لیکن تم کس طور ان دشمنوں سے بھاگ کر نجات پاؤ گے؟ اگر جا سکتے ہو تو میری طرف سے اجازت ہے۔ آزاد ہو۔

(طبری نے مشرقی کو بہ کسر میم و قاف لکھا ہے لیکن کامل ابن اثیر میں یہ فاء کے ساتھ نقل ہوا ہے)۔

ضحاک کہتا ہے روز عاشورا میں نے دشمنان حسینؑ کے دو آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ایک کے ہاتھ کاٹے تھے۔ امام حسینؑ نے کئی بار میرے حق میں دعا فرمائی کہ

خدا تیرے ہاتھوں کو شل نہ کرے۔ خدا تیرے ہاتھوں کو نہ کاٹے' خدا تجھے اہل بیت کی مدد کرنے میں جزائے خیر دے۔ پھر مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں اپنے گھوڑے کو خیموں کے درمیان سے باہر لایا' اس کی پشت پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگائی میں نے گھوڑے کی لگامیں چھوڑ دیں گھوڑا کچھ ایسی برق رفتاری سے دوڑا کہ دشمن کے لشکریوں نے مجبوراً مجھے راستہ دے دیا اور یہاں تک کہ میں ان کے صفوں سے نکلتا چلا گیا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۹ ' ابن اثیر در کامل ج ۳ ص ۲۹۲ بطور اختصار لایا ہے)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یاران امام حسینؑ آخری وقت تک اسقدر مختار تھے اور امامؑ کا خطرات میں گھر جانا حکم میں تغیر ہونے کا سبب نہ ہوا تھا۔ وگرنہ امامؑ ضحاک کو اس طرح نہ فرماتے اور کم از کم اگر جانے کی اجازت دے بھی دیتے تو یہ ضرور فرماتے کے چلے جاؤ لیکن یاد رکھو تم خدا کے غضب و عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت جبکہ اہل کوفہ فرزند رسول خدا(ص) کو قتل کرنے کے درپئے ہیں' تمھارا حتمی فریضہ یہ ہے کہ تم ثابت قدم رہتے ہوئے خدا کی راہ میں جان کو قربان کر دو۔ المختصر انصار حسینی اس سابقہ حکم کے تحت مختار تھے کہ تقیہ کریں یا قیام کریں لیکن ان بزرگان رشید نے پُر مشقت راہ کو اختیار کیا اور سرخرو دیدار حق کے لئے تیزی سے دوڑ گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ شب عاشور اور روز عاشورا کے اوائل تک جبکہ ابھی جنگ اور عدم جنگ کا احتمال تھا کہ شاید یہ فوج اشقیاء امامؑ کے قتل سے باز آجائے اس وقت تک یاران امام حسینؑ کے لئے یہ اختیار باقی تھا کہ امامؑ کے ساتھ رک جائیں یا واپس چلے جائیں۔ لیکن جب امامؑ کے ساتھ مرگ حتمی قرار پائی تو یہ حکم اختیار

تبدیل ہو گیا تھا کیونکہ اگر یاران امام حسینؑ اس وقت حکم تقیہ کے تحت امامؑ کو موت کے منہ میں تنہا چھوڑ کر چلے جاتے تو کیا پیش خدا اور رسولؐ یہ قابل معافی عذر تھے ؟ کیونکہ کوئی یہ دیکھ رہا ہو کہ امامؑ معصوم و عادل کو قتل کیا جا رہا ہے پھر بھی وہ اسے چھوڑ جائے تو کیا وہ مستحق عذاب نہیں ہے ؟

یہ ایک بہت ہی حساس اور نازک مسئلہ ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ جب امامؑ کا شہید ہو جانا یقینی ہو گیا تھا تو ان کے ساتھیوں کا ان کے ساتھ رہنا یعنی ترک تقیہ بھی ان پر واجب ہو گیا تھا اور امامؑ نے ضحاک کو جو چلے جانے کی اجازت دی اور نہ فرمایا کہ جانے کی صورت میں تم خدا کے عذاب کے مستحق ہو گے' شاید اس لئے تھا کہ امامؑ ضحاک کے اس طرح چلے جانے سے واقعۂ کربلا کی تبلیغ کو مد نظر رکھے ہوئے تھے تا کہ لوگوں تک یہ قیام جلد ثمر بار ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اگر امامؑ آخر وقت بھی تقیہ کر لیتے اور بیعت کر لیتے تو فوج اشقیاء امام کو شہید نہ کرتی۔ یہ امام ہی تھے جنہوں نے خدا کی راہ میں موت کا استقبال کیا۔ پس اس بناء پر ان کے ساتھیوں کے لئے بھی حکم تبدیل نہ ہوا تھا اور وہ لوگ بھی مختار تھے کہ تقیہ کریں یا عدم تقیہ۔ کیونکہ اس کے لئے حکم کا تبدیل ہو جانا اسی صورت میں تھا کہ دشمنوں کا یہ ارادہ ہو تا کہ امامؑ خواہ تقیہ کریں یا نہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

بہر حال اس سوال کا قطعی جواب دینا مشکل ہے بلکہ ظن قوی یہ ہے کہ امامؑ کا شہید ہو جانے کا عزم صمیم اور کوفیوں کا امامؑ کو شہید کر دینے کا مصمم ارادہ اس بات کی دلیل ہے کہ یاران امام حسینؑ کے لئے قیام واجب ہو چکا تھا کہ وہ آپ کو نہ چھوڑیں کیونکہ فرزند پیغمبرؐ کو موت کے منہ میں چھوڑ کر چلے جانا کوئی معمولی کام

نہ تھا۔ لیکن یاد رہے کہ ہر چند ان حالات میں یاران امام حسینؑ کے لئے امامؑ کے ساتھ رہنا واجب ہو گیا تھا پھر بھی ہمارا نقطۂ نظر اپنے مقام پر پوری قوت سے باقی ہے کیونکہ امامؑ کے ساتھ رہنے کا وجوب اُس موقع پر حکم ثانوی ہے۔

جو کچھ ہمارے نظر میں آیا ہے اسے بیان کر دیا ہے۔ اس کی صحت و سقم کی ذمہ داری بھی ہم پر ہے۔ کسی دوسری جگہ اس طرح کا سخن اور ایسی تحقیق ہم نے نہیں دیکھی۔ واللہ العالم۔

لیکن امام حسینؑ کے متعلق ممکن ہے یہ کہا جائے کہ امامؑ کے لئے قیام کرنا اور راہ خدا میں شہید ہو جانا واجب ہو گیا تھا۔ اسلئے کہ اس روز دین مبین اسلام کو ایک عظیم خطرہ درپیش تھا اور اس شدید خطرے کی بنا پر امامؑ پر تقیہ حرام تھا اور شاید صحیفہ مختومہ جس میں ائمۂ برحق کے فرائض کو بیان کیا گیا ہے اس کی روایات سے یہ حقیقت ثابت ہو سکے۔ ان روایات میں درج ذیل جملے قابل غور ہیں۔ مثلاً یہ جملہ کہ حسینؑ بن علیؑ نے صحیفہ سے ایک مہر اٹھائی اسے کھولا اسمیں لکھا تھا: "بہادر اور جری لوگوں کے ساتھ شہادت کے لئے اٹھ کھڑے ہو یہ معاون جری شہید نہ ہوں مگر تمہارے ساتھ، پس تم اپنے نفس کو خدا کیلئے بیچ دو۔" ایک اور جملہ یوں ہے کہ حسینؑ بن علیؑ نے صحیفہ سے مہر سوم اٹھائی تحریر تھا کہ "جہاد کرو قتل کرو اور راہ خدا میں ضرور قتل کئے جاؤ گے"۔

(اصول کافی ج ۱ ص ۲۷۹ ط جدید باب ان الائمه لم یفعلوا شیئا و لا یفعلون الا بعهدالله "حدیث ۱، ۲)

اگر ان روایات صحیفہ مختومہ سے شہادت امام حسینؑ کے لئے حکم وجوب لیا جائے تو ان تمام حالات سے جو کہ گزشتہ صفحات میں راویوں سے نقل کئے گئے

ہیں مثلاً "ان اللہ قد شاء ان یراك قتیلاً" وخیر لی مصرع انا لا قیہ 'لا محیص عن یوم خط بالقلم "۔ اور وہ مثالیں جو گزشتہ میں نقل کی گئیں ان سے بھی حکم وجوب ہی مراد لیا جائے گا اور ممکن ہے یہ بھی کہا جائے کہ گزشتہ دلائل کی بناء پر امام حسینؑ قیام کرنے اور تقیہ کرنے پر مختار تھے لیکن آپؑ نے کٹھن اور پُر مشقت راہ یعنی راہ حق میں شہید ہونے کو انتخاب کیا اور یہ انتخاب آپکی کمال عظمت اور اخلاص ہے' صلواۃ اللہ علیہ کہ آپؑ نے دو راستے میں سے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے شہادت و قتل ہو جانے کے راستے کو اختیار کیا اسکے باوجود کہ آپؑ پر واجب نہ تھا۔

امام حسینؑ کی بے نظیر شخصیت

(هیهات منا الذلة)

انسان کے وجود میں بعض تمایلات ایسے ہیں جن کو انسان کے نقاط ضعف کہا جاتا ہے۔ مثلاً حبِّ ریاست‘ شہرت کی تمنا‘ اور مال و دولت سے محبت‘ ہر فرد بشر ان میں سے کسی ایک تمایلات کے مقابل کمزور اور ناتوان ہے اور ہو سکتا ہے اسی راستے سے ایک انسان کو شکست دی جائے۔ چنانچہ ہم آدمی کے وجود کو ایک مضبوط قلعہ سے اگر تشبیہ دیں تو یہ تمایلات اس قلعہ کی فصیل کے وہ شگاف ہیں جہاں سے حملہ آور قلعہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ انسان کے وجود میں دوسرا نقطۂ ضعف جو اسے ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے وہ زندہ رہنے کی خواہش ہے‘ موت سے خوف اور مابعد موت کی زندگی کا علم نہ ہونا۔ یہ نقطہ بہت ہی حساس ہے اور تقریباً عوام کی اکثریت اس میں مبتلا ہوتی ہے۔ بہت کم افراد ایسے ہیں جو اس مسئلے کے مقابل اپنے آپ کو ثابت قدم رکھتے ہیں اور ذلت و خواری سے خود کو بچالیتے ہیں۔ جب بھی موت کا نام درمیان میں آتا ہے تو بڑے بڑے قوی دل اور عالم بھی لرز جاتے ہیں اور فقط حبِّ ذات اور زندہ رہنے کے لئے خود کو ذلت و

خواری کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اگر کسی شخص کی اس طرح تربیت کی جائے کہ اسکے وجود میں ان کمزوریوں کے نقاط کا سدباب ہو جائے، نہ یہ تمایلات اس پر اثر کریں اور نہ موت کا خوف، اس صورت میں آدمی اسقدر قوی اور محکم ہو جاتا ہے کہ عالم کی تمام قوتیں بھی مل کر اسے مغلوب نہیں کر سکتیں اور وہ مطلقاً ناقابل تسخیر شخصیت بن جاتا ہے۔

بنوامیہ کی بنیادی مشکل یہ تھی کہ ان کا سامنا ایک ایسے مرد سے تھا جس کو نہ توان نفسانی تمایلات (میل ور غبت) کے راستے سے شکست دی جا سکتی تھی اور نہ اسے موت سے ڈرایا جا سکتا تھا۔

سید الشہداءؑ وہ مرد جری تھے کہ تمام سختیوں اور مصائب کا بشاش چہرے سے استقبال کر رہے تھے۔ آپؑ کی صلابت، استقامت اور پائیداری حیرت میں ڈال دینے والی تھی۔ آپؑ کا عزم راسخ اور ارادہ اسقدر محکم اور آہنی تھا کہ کسی طرح کی سختی اور مصیبت کوئی خلل رونما کر نہیں سکتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ کے دشمن بھی اس حقیقت کے معترف تھے۔

شمر بن ذی الجوشن جب امامؑ کے خلاف سخت ترین فرمان کے ساتھ "یا تو بیعت کریں وگرنہ جنگ" وارد کربلا ہوا تو عمر بن سعد نے کوفے کے اس فرمان کو جاننے کے بعد شمر سے کہا "وائے ہو تم پر تم نے میرے کام کو تباہ کر دیا خدا کی قسم حسینؑ وہ شخصیت میں جن کے دونوں پہلوؤں میں ان کے باپ علیؑ کی روح ہے وہ کبھی بھی بیعت نہ کریں گے"۔

(ارشاد مفید ص ۲۱۳)

طبری نے یوں نقل کیا ہے کہ ابن سعد نے کہا: "خدا کی قسم حسینؑ اپنے

دونوں پہلوؤں میں محکم اور دشمن کے مقابل ڈٹے رہنے والا نفس لئے ہوئے ہیں"۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۱۵)

یہ مرد جری روز عاشورا اپنے خون کے پیاسے، لجوج افراد کے محاصرے میں تھا۔ پانی کی بندش اور عورتوں اور بچوں کی آہ وزاری امامؑ کے دل کو بہت بےچین کئے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر لمحے خود ان کی بیٹوں، بھائیوں اور ساتھیوں کی موت نزدیک سے نزدیک تر ہوتی جارہی تھی، اور ساتھ میں امامؑ عورتوں اور بچوں پر آئندہ آنے والے مصائب کو بھی دیکھ رہے تھے۔ کمال شہامت، مردانگی اور خوداعتمادی کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے یہ فرمارہے تھے کہ :

"خدا نے آج مجھے اور تمہیں مرجانے کی اجازت دی ہے، ثابت قدمی دکھاؤ اور جہاد کرو"۔

(اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۲۱۶)

یہ الفاظ قیامت تک تاریخ کے چہرہ پر چمکتے رہیں گے کیونکہ یہ الفاظ اس مرد کے گلے سے نکلے تھے جس کے لئے مدد کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں قتل ہو جانے یا پھر یزید کی بیعت کر کے ذلت وخواری کو اپنانے کے۔ یہ اس سوال و اعتراض کا جواب ہے جو متفکرین کے ذہن میں ہمیشہ پیوستہ رہا ہے اور ابھرتا رہے گا۔ یہ اپنے تئیں سوال کرتے ہیں کہ آیا مصلحت اسمیں تھی کہ امامؑ کوفیوں کی بات مان لیتے یا مصلحت ان کی ہاتھوں قتل ہونے میں تھی۔ امام حسینؑ کا جواب یوں ہے :

"یہ میرا خدا ہے جس نے مجھے اور میرے جوان اور بوڑھے ساتھیوں کو

آج کے دن اپنی راہ میں حق وانصاف، عظمت وفضیلت کی بر قراری، حق کا بول بالا کرنے کے لئے بنو امیہ کی تلواروں کا لقمہ بننے کی اجازت دی ہے۔ میرے اہل بیت کو قید کیا جائے تا کہ ذلت وخواری کا کلمہ میری زندگی کے صفحے پر نہ لکھا جا سکے اور لوگ جان لیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ظالم کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے رہیں اور ان کے دست نگر رہیں۔ ظالموں کو ملت کے مقدر سے کھیلنے کی اجازت دے دی جائے"۔

حق ہے جو کسی نے کہا:

"مرد خدائے تن بمذلت نمی دہد انسان بحسب عزت وذلت مخیر است"

ترجمہ شعر:

"مردان خدا اپنی ذات کو ذلت وخواری کے سپرد نہیں کرتے اور انسان عزت وذلت کے حاصل کرنے میں صاحب اختیار ہے"۔

لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم ‘فضل الله المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القاعدین درجة وکلا وعدالله الحسنیٰ و فضل الله المجاهدین اجراً عظیما"۔

ترجمہ آیہ:

"یعنی وہ مومنین جو معذور نہیں ہیں لیکن جہاد پر نہیں جاتے ان مومنین کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال وجان سے جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ خدا نے ان لوگوں کو جو اپنے جان ومال سے جہاد کرتے ہیں ترک جہاد کرنے والوں پر برتری دی ہے اور سب کے لئے نیک وعدہ فرمایا ہے۔ خدا

نے مجاہدین کو جہاد ترک کرنے والوں پر بہ اعتبار ثواب برتری عطا کی ہے"۔

(سورۂ نساء آیت ۹۵)

یہ آیۂ شریفہ دو بہت اہم مطالب کو بیان کرتی ہے۔ مجاہد اور قیام کرنے والے اور غیر مجاہد ہرگز برابر نہیں ہیں۔ ان دونوں گروہوں کا حساب ایک دوسرے سے جدا ہے اور قیام کرنے والے خانہ نشینوں پر بزرگی و برتری رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جہاد کو ترک کر کے گھر میں بیٹھ جانے والوں نے دین کے خلاف کام نہیں کیا ہے کیونکہ خدا نے دونوں میں سے ہر ایک گروہ کو نیکی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر ترک جہاد کرنا خلاف شرع ہوتا تو خدا ہرگز نہ فرماتا (وکلّا وعداللہ الحسنیٰ)۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی اپنے مال اور جان کے ساتھ راہ خدا میں قیام کرتا اور جہاد کرتا ہے تو وہ دوسروں پر برتری رکھتا ہے۔ اور جس نے قیام و جہاد نہیں کیا اُس نے بھی خدا کی ناراضگی مول نہیں لی' ہاں اُسے مجاہد کا رتبہ نہیں ملا۔ آدمی ان دو راستوں میں سے ایک انتخاب کرنے میں مختار ہے۔ یہ جو بیان کیا گیا ایک قاعدۂ کلی ہے اور آئندہ آنے والی دلیل اس مطلب کو زیادہ واضح کرے گی۔
(اس آیت سے فقط حکم جہاد ہی ملتا ہے اس کی تردید نہیں ہوتی کہ امام کے حکم سے جہاد واجب اور اس سے گریز حرام ہو جاتا ہے)

سطور گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جہاں بھی موت اپنے قدم رکھتی ہے انسان کے پایۂ ثبات میں لغزش آجاتی ہے اور فقط زندہ رہنے کی خاطر ہر طرح کی مذلت وخواری کے لئے خود کو آمادہ کر لیتا ہے۔ جنگ صفین میں عمرو بن عاص نامی

مکار و عیار عرب حضرت علیؑ کے روبرو آپڑا۔ موت سے چھٹکارا کے لئے ہزاروں افراد کے سامنے زمین پر پشت کے بل لیٹ گیا اور برہنہ ہو گیا تاکہ حضرت علیؑ اُس کو قتل کرنے کے بجائے اپنی آنکھوں کو بند کرلیں اور اس طرح کی مذلت کے ذریعہ خود کو موت سے رہائی دلائی۔

(مروج الذہب ج ۲ ص ۲۵)

عبید اللہ بن زیاد، خاندان اموی کے نوکر نے یزید کی ہلاکت کے بعد جب چاہا کہ شہر بصرہ سے فرار کرے تو اس نے عورتوں کا لباس پہن لیا اور اس حالت میں کہ ایک مرد اس کو اپنے پیچھے لئے ہوئے گھر سے یہ کہتا ہوا باہر آیا کہ ہٹو ایک طرف ہو جاؤ یہ میری ناموس ہے، یہ ابن زیاد کی عورتوں سے ملنے کے لئے آئی تھی، میں اسے واپس لے جانے آیا ہوں۔ ابن زیاد رویا اور اس طرح ذلت و پستی کے ذریعے اس نے موت سے نجات پائی۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۲۱)

حسینؑ ابن علیؑ روز عاشورا موت کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے اور اپنے اہل بیت کے قید ہونے کا بھی یقین رکھتے تھے۔ لیکن جب انہیں کہا گیا کہ یزید کی بیعت کرلیں تاکہ اس جان لیوا معرکہ سے نجات پائیں تو امامؑ نے کمال مردانگی و جرأت سے فرمایا:

"لا واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا افر فرار العبید"۔

"خدا کی قسم میں اپنے ہاتھ کو ایک ذلیل آدمی کی طرح تمہارے ہاتھ میں نہیں دے سکتا اور نہ ہی غلاموں کی طرح تم سے بھاگوں گا"۔

(ارشاد مفید ص ۲۱۸)

اس پائیداری کا ابدی جلوہ اور جاودانی شکوہ اور اس سخن کی حد یہ ہے کہ ہمارے نارسا الفاظ انہیں ادا کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ عظمت اور رادمردی بقول اہل بلاغت "یدرك ولا یوصف" ہے یعنی اس کا ادراک اور توصیف کرنا ممکن نہیں۔

حسینؑ ان مصائب سے دوچار ہوئے کہ اگر ان میں سے کوئی ادنیٰ ترین مصیبت بھی کسی تنہا آدمی کو پیش آجائے تو اُس کے قدم اُکھڑ جائیں۔ لیکن اس مرد حق کو اپنے نفس پر جو اعتماد تھا' اپنے خدا پر جو توکل اور خدا کے اس جہان کے لئے بنائے ہوئے ان مضبوط قوانین پر مکمل بھروسہ تھا' ان سارے مصائب میں ایسے سربلند نکلے کہ تمام اہل دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ آپؑ نے عظمت انسان سے مافوق عظیم ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ شب عاشورا آپکی بہن زینبؑ نے جب یہ خبر سنی کہ اُن کے بھائی شہید کر دیئے جائینگے بیتاب ہو کر نالہ کیا تو انسے فرمایا :

"اے بہن! ایسا نہ ہو کہ شیطان آپ سے حلم و بردباری لیلے۔ اے بہن سکون سے رہنا' تقویٰ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور صبر کو مت بھولیں۔ جان لیں کہ اہل زمین کو موت ہے اور اہل آسمان بھی باقی نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہو جائیگی بجز خدا جس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو خلق کیا ہے۔ ایک روز سب کو زندہ کریگا۔ وہ یگانہ ہے اور اس کا کوئی ہمتا نہیں ہے۔ خواہر جان! ہمارے جدؐ (محمد مصطفیٰؐ) مجھ سے بہتر تھے' ہمارے والد (علی مرتضیٰؑ) مجھ سے بہتر تھے' ہماری والدہ (فاطمۃ الزہراءؑ) اور بھائی (حسن مجتبیٰؑ) مجھ سے بہتر تھے۔ مجھ پر اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ سب رسولخدا (ص) کی پیروی کریں۔ اور بہن جان! آپکو میری قسم ہے

کہ آپؑ اس طریقہ پر عمل کریں جب میں مار دیا جاؤں تو میری مصیبت میں گریباں چاک نہ کیجئے گا، چہرہ پر خراش نہ ڈالئے گا اور نہ ہی واویلا کیجئے گا"۔

(ارشاد مفید ص ۲۱۶)

یہ کلمات انسان کی کشادہ دلی اور عظمت کو بیان کر رہے ہیں جن کی وسعت بجز خدائے تعالیٰ کوئی نہیں جانتا ہے۔

امام حسینؑ اپنے پروردگار اور اس کے بنائے ہوئے مضبوط قوانین پر ایمان راسخ رکھتے تھے اور خدا کی راہ میں قتل ہو جانے کو ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ آپؑ شدید ترین مصائب کے سامنے بھی ایک پہاڑ کی طرح پائے محکم کے ساتھ کھڑے تھے۔ بقول حسن صدر اس زمانے کے ہم عصر محقق "امام حسینؑ کی خونین داستان نے مردان حق کی جنگ اور جہاد کی تاریخ کو جلوۂ ابدی اور شکوہ جاودانی بخشی۔ اگر ہم چاہیں کہ مردان حق کی فداکاری کا مجموعہ ترتیب دیں تو حق وانصاف حکم دیتا ہے کہ اس کتاب کے دیباچہ کو واقعۂ کربلا و عاشورا سے زینت بخشیں"۔

(مرد نامتناہی ص ۲۰)

عاشورا کے روز جب امامؑ کے چند ساتھی خاک وخون میں غلطاں ہو کر شہادت پا گئے، بجائے اس کے کہ آپؑ کا حوصلہ پست ہوتا اور آپؑ ان ذلیل لوگوں کے آگے دست بیعت بڑھاتے، آپؑ نے راسخ ایمان اور کامل ثبات کے ساتھ یوں فرمایا:

"اما والله لا اجیبهم الی شیٔ مما یریدون حتی القی الله وانا مخضب بدمی"۔

"خدا کی قسم میں ان کی کسی ایک خواہش (بیعت یزید) کے سامنے نہ جھکوں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے اس طرح ملاقات کروں کہ اپنے ہی خون میں غلطاں ہو جاؤں"۔

(نفس المہموم ص ۲۳۳)

حسینؑ بن علیؑ کی تکیہ گاہ خداوند توانا اور یگانہ کی بے مثال و بے نظیر ذات تھی۔ امامؑ اپنے دل کو اس مبداء اعلیٰ سے تسلی دیتے تھے اور اپنے دل کو آرام بخشتے تھے۔ آپؑ کو یقین تھا کہ ہمیشہ حق غالب ہوتا ہے اور یہ جانتے تھے کہ کلمۂ مغلوبیت مردان حق کے صفحۂ زیست میں نہیں ہے۔ مردان حق کا کام ہمیشہ (احدی الحسنیین) دو میں سے ایک نیکی ہے۔

عاشورا کے خوفناک معرکہ میں عمر بن سعد نے افتتاح جنگ کیلئے امامؑ کے لشکر کی طرف ایک تیر رہا کر کے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اے لوگو گواہ رہنا کہ میں وہ اوّلین فرد ہوں جس نے حسینؑ کی طرف پہلا تیر چلایا ہے"۔

(ارشاد مفید ص ۲۲۰۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۹)

اس نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ ابن زیاد کے سامنے بنو امیہ کے یہ حلقہ بگوش غلام گواہی دے سکیں کہ عمر بن سعد نے بڑی فداکاری دکھائی ہے اور اس طرح کوفہ کا سخت گیر حاکم اس کو ان فداکاریوں کے بدلے چند روزہ حکومت رَے بخش دے اور مثلاً یہ جملہ کہے کہ میرے جانثار ساتھی میں تمہارا ممنون ہوں۔ عمر بن سعد نے ان لوگوں کو گواہ بنا کر کمزور مفلس اور زبوں حال عوام پر اپنی حریص نظریں لگائی تھیں جو انتہائی ذلت و پستی سے دوچار تھے۔

حسینؑ بن علیؑ نے ان نامردوں کے سامنے جھکنے اور خود کو ذلت میں ڈالنے

کے بجائے ان لحظات میں جبکہ وقوع جنگ نزدیک ہو رہی تھی اور تاریخ اپنے سینے میں بشریت کے بزرگترین سانحہ کو رقم کرنے پر آمادہ تھی امامؑ نے اپنا ہاتھ ملکوت اعلیٰ کی طرف اٹھایا اور اپنے خدا سے یوں مخاطب ہوئے :

"اللهم انت ثقتي في كل كرب وانت رجائي في كل شدة و انت لي في كل امرنزل بي ثقة وعدة، كم من هم يضعف فيه الفؤاد و تقل فيه الحيلة ويخذل فيه الصديق ويشمت فيه العدو ۔ انزلته بك وشكوته اليك رغبة مني اليك عمن سواك ففرجته عني و كشفته فانت وليّ كل نعمة وصاحب كل حسنة ومنتهى كل رغبة"۔

"خدایا تو ہر غم واندوہ میں میرا اعتماد ہے۔ اور ہر سختی میں میں تجھ سے ہی امید لگاتا ہوں۔ جو بھی امر میرے لئے پیش آتا ہے میں فقط تجھ پر ہی اعتماد کرتا ہوں کہ تو میری طاقت کا منبع و مرکز ہے۔ جب بھی کوئی ایسا غم آتا ہے جب دل سست ہو جاتا ہے، کوئی چارہ نہیں رہتا حتی کہ دوست بھی انسان کو اکیلا چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن طعنے دیتے ہیں، ان غموں میں تیری ہی طرف رخ کرتا ہوں اور دوسروں کی طرف سے منہ موڑ کر تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ تو ہی مجھ سے ان غموں کو دور کرتا ہے۔ بس تو ہی ہے ہر نعمت کا عطا کرنے والا، ہر نیکی و بھلائی فقط تجھ سے ہے اور تو ہی ہر آرزو کی انتہا ہے"۔

(ارشاد مفید ص ۲۱۷۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۷)

هيهات منا الذلة

یہ جملہ جسکو میں نے عنوان بنایا ہے حضرت امام حسینؑ کے اس خطبے کا ایک

جملہ ہے جو امامؑ نے کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں، شعلہ برساتے ہوئے آفتاب کے نیچے کوفیوں کے سامنے دیا تھا۔ اس مرد کا تصور کیجئے جو انگوٹھی کے نگینے کی طرح دشمن میں محصور ہو، موت اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک خوفناک اژدھے کی طرح نگلنے کے لئے منہ کھولے کھڑی ہو۔ اس کی عورتیں اور بچے یعنی ناموس و عترت رسولخدا (ص) زمانے کے وحشی ترین افراد کے ہاتھوں قید ہونے والے ہوں، اس کے خیموں میں ایک قطرہ پانی دستیاب نہ ہو، اسکے بچوں کے منہ سے فقط صدائے العطش اور تمنائے آب کے کوئی صدا نہ سنی جاتی ہو، اہل بیت کے آہ و بکا کے نالے پتھر دلوں کو پھگلا رہے ہوں۔ جی ہاں! حسینؑ بن علیؑ ان حساس و نازک حالات میں خدا کی حمد و ثنا، انبیاء و رسول خدا (ص)، فرشتوں پر درود و سلام کے بعد تاریک دل اور نادان کوفیوں سے یوں خطاب کیا:

"تبالکم ایتها الجماعة۔ اے گروہ مردم تم پر افسوس ہے تم پر ہلاکت واندوہ نازل ہو، اے لوگو تم نے بے حد اشتیاق سے ہمیں اپنی طرف بلایا تھا اور ہم بھی تمہاری مدد کرنے کے لئے شتاب چلے آئے۔ وہی تلواریں جو ہم نے تمہارے ہاتھوں میں دیں تم نے انہیں ہماری طرف ہی کھینچ لی ہے۔ وہ آگ جو ہم نے اپنے اور تمہارے دشمنوں کے جلانے کو روشن کی تھی تم نے وہی آگ ہمارے گھروں میں لگانے کی ٹھان لی اور اپنے دشمنوں کے گرد جمع ہو کر اپنے ہی خیر خواہوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اگر اس امید میں ہو کہ یہ تمہارے درمیان حق و عدالت کو رائج کرینگے یا آئندہ ان کی طرف سے کوئی امید رکھتے ہو تو وائے ہو تم پر! جبکہ ابھی تک تلواریں نیاموں میں تھیں، دلوں میں عداوت نہ تھی، تم نے

قطعی مصمم ارادہ نہ کیا تھا؟ کس لئے ہم سے ہاتھ نہ اٹھالیا؟ اور کیوں اب تم تیزی سے ان چیونٹوں کی طرح نئے پر نکال کر اڑنے لگے اور اس آتش فتنہ میں پروانہ وار گر کر جلنے لگے تم بدبختی اور ذلت کے سنگ گراں کے تلے ذلت کے ساتھ پستے رہو۔

اے کم ظرف لوگو! اور اے رسول خدا(ص) سے جنگ کرنے والوں کے فرزندو! اے نامردو! کہ جنہوں نے کتاب خدا کو دور ڈال دیا اور اس کے کلمات میں تحریف کیا۔ اے وہ گروہ جو کہ گناہوں کو ہوا دینے والے اور شیطان کے یار ہو۔ وائے ہو تم پر کہ تم نے پیغمبروں کی سنت کو نابود کر دیا ہے۔

کیا تم یزید اور بنو امیہ کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول کے خاندان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ خدا کی قسم یہ حیلہ بازیاں اور بے وفائی تمہاری سرشت سابقہ ہے۔ تمہاری تاروپود مکرو فریب ہے اور تمہاری شاخ کو قوت اسی سے ملی ہے' تم نے پلید ترین پھل نکالا ہے کہ باغبان کا گلوگیر لقمہ بنے رہے ہو۔ لیکن اس کے غاصب اور دشمن کے حلق کے لئے خوشگوار لقمے بن گئے ہو اور اس کے حلق میں فرحت بن کر اتر رہے ہو (الا وان الدعی بن الدعی قدر کزنی بین اثنتین بن السلة والذلة وهيهات منا الذلة يا بى الله ذلك لنا ورسوله والمؤمنون وحجور طابت وطهرت وانوف حمية ونفوس آبية من ان نوثر طاعته اللئام على مصارع الكرام)

(خطبہ کا عربی متن یوں ہے: وکنتم اخبث ثمر شبحی للناطر واكلة

للغاصب ناطر و ناطور باطاعه......)

ابن زیاد بنو امیہ کا خود خواندہ بیٹا جبکہ اس کا باپ بھی بنو امیہ کا منہ بولا بیٹا اور پلید شخص تھا اس نے مجھے اس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے' موت یا ذلت۔ میں کبھی بھی ذلت کو اختیار نہ کروں گا۔ دور ہے' دور ہے ہیہات منا الذلۃ کہ میں ذلت کو قبول کروں۔ نہ خدا میری ذلت پر راضی ہے اور نہ اس کا رسولؐ اور نہ با یمان مردوں کا گروہ اور نہ ہی وہ پاک دامن ہستیاں جنہوں نے میری تربیت کی ہے اور نہ ہی غیور' دلیر' بلند نظر عالی الطبع روح انسانوں کو گوارا ہے کہ میں عزت و غیرت پر قربان ہونے کے بجائے ذلیل لوگوں کی بیعت کروں۔

جان لو کہ میں اپنے انہی کم تعداد ساتھیوں کے ہمراہ تم سے جنگ کروں گا۔

پھر امامؑ نے فروۃ بن مسیک صحابی کے اشعار کو پڑھا جن میں عظمت و بزرگی کی ایک عظیم دنیا کی نشان دہی کی گئی ہے اور ان کا مضمون کچھ اس طرح ہے :

اگر ہم نے تمہیں شکست دی تو کوئی نئی بات نہیں یہ ہمارے ماضی کی ترجمان ہو گی اور اگر ہمیں شکست ہوئی تب بھی ہم مغلوب نہیں ہوئے اس لئے کہ کامیابی و کامرانی ہر حال میں حق کے ساتھ ہے۔ ہمیں ڈر اور کم حوصلگی سے سروکار نہیں ہے اور اگر ہم قتل ہو گئے تو ہمارا مقدر ہی ہے کہ ہم شہادت کو پہنچیں اور دوسرے مال و زر کو حاصل کریں۔ دنیا کی رسم یہی ہے کہ موت انسانوں کے ایک گروہ پر حملہ کر کے پلٹتی ہے تو

دوسرے گروہ پر حملہ کر دیتی ہے اسی بنا پر موت نے بزرگان قوم کو گزشتہ زمانہ کی طرح فانی کر دیا اور انہیں درمیان سے لے گئی۔

اگر دنیا کے بادشاہ ہمیشہ زندہ رہتے' اگر بزرگان با فضیلت ہمیشہ زندہ رہتے تو ہم بھی جو فضیلت و عظمت کے حامل افراد ہیں زندہ و جاوید رہتے۔ وہ لوگ جو آج ہمیں گرفتار مصائب دیکھ کر شماتت کر رہے ہیں انہیں کہہ دو کہ بیدار رہیں' جلد ہی تم پر بھی ہمارے جیسے حالات آنے والے ہیں اور تم بھی گرفتار مصائب ہو گے۔

خدا کی قسم میرے بعد تم لوگ بہت ہی کم مدت تک زندہ رہو گے۔ اتنی کم مدت جیسے گھوڑے پر سوار ہونے کا وقت۔ یہ فتنہ تم لوگوں کو چکی کے پاٹ کی طرح چکر دے گا اور اس کے محور کی طرح مضطرب کر دے گا۔ یہ وہ خبر ہے جو میرے والد نے مجھے میرے جد کا قول بتایا ہے۔ پس اپنی قوتوں کو یکجا کر لو' اپنے ساتھیوں کو اپنے گرد جمع کر لو تاکہ بعد میں تمہارے یہ کام تمہارے لئے ندامت و شرمندگی کا باعث نہ بنیں' بعد میں میرے بارے میں جو چاہو کرنا اور مجھے مہلت نہ دینا۔ میں نے خدا پر مکمل بھروسہ کیا ہے کہ وہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی حرکت کرنے والا نہیں جس کی پیشانی خدا کے ہاتھ میں نہو اور میرا پروردگار سراپا حق ہے"۔

(لہوف سید بن طاؤس ص ۵۸ ـ ۵۷ ایسا ہی خطبہ تحف العقول میں ص ۲۴۰ پر نقل ہوا ہے۔ اس کا عربی متن کتب کے آخر میں درج ہو گا)

یہ گفتگو امام حسینؑ کی ندائے آزادی اور آپ کا منشور و افتخار ہے کہ آپؑ اپنے

خون مطہر سے آلودہ پیشانی کے ساتھ خدا کے دیدار کی طرف پلٹ گئے اور آپؑ نے ذلت و خواری کو اپنے لئے پسند نہ کیا۔ ملت کی جہالت و نادانی کا ایک نمونہ یہ ہے کہ وہ مصلح اور خیر اندیش افراد کو اپنے درمیان سے ہٹا دیتی ہے۔ یا ان کو بھول جاتی ہے اور ان کے وجود سے فیضیاب نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس گناہگاروں اور بد اندیشوں کی دوستی کو اختیار کرتی ہے اور اس طرح اپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے بدبختیوں کے سامان فراہم کرتی ہے۔ کوفیوں کی نادانی اور وحشت پن بس یہی بہت ہے کہ انہوں نے بنو امیہ کے ظالم اور ستمگاروں کو اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کرنے کے لئے اپنے گرد جمع کیا۔ امامؑ نے اپنی گفتگو کے دروان واضح کر دیا کہ انکے قتل کے بعد انہیں سعادت و سکون میسر نہ آئے گا۔

جی ہاں جو قومیں اپنے مصلحین کو قتل کر دیتی ہیں اور ظالموں کو اپنے مقدر کا مختار بنا دیتی ہیں سعادت و خوش بختی ان کے لئے پھر عنقا ہو جاتی ہے اور ان کے متعلق ہی فرمان الٰہی ہے :

"حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ ومالھم من ناصرین "۔

"یہی وہ لوگ ہیں جن کا دنیا و آخرت میں سب کیا کرایا اکارت چلا گیا اور ان کا کوئی ناصر و مددگار نہیں"۔

(سورۂ آل عمران آیت ۲۲)

اس خطبے کے اہم نکات جو امامؑ نے ایمان والے ایک سرشار دل کے ساتھ بیان کیئے یہی ہیں کہ امام نے فرمایا :

"کوفے کا ظالم اور ظلم پرور حکمران جو نہ خود نسب پاک رکھتا ہے اور نہ ہی اس کا باپ' وہ چاہتا ہے کہ مجھے ذلت و خواری کے قبول کرنے پر مجبور

کردے۔ لیکن سخت خطا کر رہا ہے اور وہ غافل ہے کہ کلمۂ ذلت میری حیات کے صفحہ پر لکھا ہی نہیں گیا۔ خوف اور کم حوصلگی میری عادت نہیں۔ میں جنگ کے علاوہ کوئی راستہ اختیار نہ کروں گا۔ میں عزت کی موت کو لئیم افراد کی بندگی پر ترجیح دیتا ہوں"۔

یقیناً نیک اور غیرت مند اور ناقابل تسخیر افراد' جب تک شہادت اور باعزت موت کا دروازہ کھلا ہوا ہے' ذلت و خواری کو کبھی قبول نہیں کرتے۔ دنیا کے احرار کے مقتداء امام حسینؑ کا کوہ فولاد کی طرح دشمن کے مقابل کھڑے ہو کر یہ آتشین کلمات کا ادا کرنا مصنف کو چند اشعار کی یاد دلا گیا۔ جو کہ اس گوہر کائنات امام حسینؑ کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں :

خوش دولتی است سرخوش و دلشاد زیستن
آزادگی گزیدن و آزاد زیستن

مرگ است گرچہ زندگیش نام کردہ اند
در زیر تازیانہ بیداد زیستن

ننگ است چند روزۂ کوتاہ عمر را
با تلخی شکنجہ جلاد زیستن

شیرین ملک در کف خسرو گذاشتن
در زخم تیشہ شاد چو فرہاد زیستن

روی سحر ندیدن و در تیرہ شام عمر
لرزاں چو شمع در گذر باد زیستن

مردی بمردمی و شرف جان سپردن است

نہ باخیال ماندن وبایاد زیستن

(الجزائرومردان مجاہد نوشتۂ حسن صدر ص ۷۱)

یہ سید الشہداءؑ کی بے مثال اور بے نظیر شخصیت کا ایک گوشہ تھا جو کربلا کا آزادی بخش انقلاب وجود میں لایا۔ آپؑ نے نور و عظمت کے لباس سے ایسی تجلی بکھیری کہ اس کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور تا ابد کرتی رہے گی۔

مردان فضیلت جنہوں نے تاریخِ بشریت کو شکوہ جاودانی بخشی

کربلا کے مقدس قیام کو امام حسینؑ اور آپکے جانثار ساتھی وجود میں لائے اور اسیران اہل بیت نے اس کو ثمر آور کیا ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم پہلے امامؑ کے باوفا ساتھیوں کی شخصیت اور پھر خاندان نبوت کی اسیری کے اثرات کا جائزہ لیں۔

لازم ہے کہ ہم پہلے یہ جانیں کہ شہدائے کربلا کون تھے ؟

شہداء کربلا کا مقصد کیا تھا؟

انہوں نے کیوں مرجانے کو زندہ رہنے پر ترجیح دی ؟

امامؑ کے تمام اصحاب صاحبان بصیرت اور روشن دل تھے اور اپنے ہدف اور کام سے یعنی کتاب خدا کی حفاظت اور خاندان رسالت کے ساتھ دوستی سے کاملاً آگاہ تھے۔ ستمگاروں سے مبارزہ اور فداکاری کو اپنا دینی فریضہ جانتے تھے۔ شب عاشورا امامؑ نے انہیں جمع کیا۔ امامؑ کے بھائی، بیٹے اور باوفا ساتھی سبھی اس محفل میں حاضر ہوئے۔ ایک چھوٹا سا اجتماع تھا لیکن اس کے مستحکم روح کے افراد حیرت آور تھے۔ امام سجادؑ فرماتے ہیں "باوجودیکہ میں بیمار تھا، نزدیک گیا تاکہ اپنے والد بزرگوار کی

باتوں کو سن سکوں۔ میں نے سنا کہ آپؑ اپنے جان نثاروں سے فرمارہے تھے :

''میں بہترین طریقے سے خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوں' میں خوشی اور پریشانی میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں' خدایا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے ہمیں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ رکھا' ہمیں قرآن کی تعلیم دی اور ہمیں دین میں دانا اور فقیہ بنایا۔ ہمارے لئے تو نے چشم بینا' گوش شنوا اور بابصیرت دل عطا کئے ہیں۔ ہمیں شرک سے دور رکھا۔ اے خدا ہمیں اپنی نعمتوں کے شکر کرنے والوں میں قرار دے۔ میں اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور اپنے ساتھیوں سے بہتر' اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صمیم کسی اور کے ساتھی اور اہل بیت کو نہیں جانتا ہوں۔ خدا آپ سب کو جزائے خیر دے۔ جان لو کہ مجھے گمان ہے کہ کل ان دشمنوں کے ساتھ جنگ ہو گی۔ میں تم سب کو چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ اور اپنی بیعت کو تم پر سے اٹھاتا ہوں۔ تم سب اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اختیار کرو' اس رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو اپنا مرکب بنا کر یہاں سے چلے جاؤ۔

(تاریخ طبری میں رائیت لکم اور ارشاد میں اذنت لکم نقل ہوا ہے۔
تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۱۷۔ ارشاد مفید ص ۲۱۴)

عوام کے ذہنوں میں یہ خیال موجود ہے کہ امامؑ کے خطبہ کے بعد بعض ساتھی چھوڑ کر چلے گئے تھے اور باقی وہیں رہ گئے تھے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ قدماء میں سے مثلاً شیخ مفید' طبری' ابو لفرج جنہوں نے مفصل واقعۂ کربلا کو تحریر کیا ہے کسی نے بھی تحریر نہیں کیا کہ شب عاشور امامؑ کے بعض ساتھی کربلا

سے گئے۔ جب اثنائے راہ میں امامؑ کو جناب مسلم اور جناب ہانی اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی اطلاع ملی تھی تو جانے والے اسی وقت ہی چلے گئے تھے اور دست غیب نے ان کے سینوں پر اسی وقت تحریر کر دیا تھا کہ یہ اس عظیم شہادت و سعادت سے محروم افراد ہیں۔

بہ حال جب امامؑ کا خطبہ اختتام کو پہنچا تو سب سے پہلے آپؑ کے بھائیوں' بیٹوں اور بھتیجوں اور پسران عبداللہ بن جعفر اور ان سب سے بڑھکر حضرت عباسؑ' سب نے ہم آواز ہو کر کہا کہ کیوں ہم چلے جائیں؟ اس لئے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نصیب نہ کرے کہ آپ مارے جائیں اور ہم زندہ رہیں۔

اس کے بعد امامؑ نے فرزندان عقیل کی طرف رخ کیا اور فرمایا: اے عقیل کے بیٹو آپ کے لئے مسلم کی شہادت ہی کافی ہے۔ میں آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ لوگ جائیں۔ فرزندان عقیل نے عرض کی: سبحان اللہ! لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرور' اپنے آقا اور بہترین چچازاد بھائیوں کو چھوڑ دیا اور چلے آئے۔ ان کے لئے نہ تو کوئی تیر چلایا' نہ نیزہ اور نہ تلوار چلائی اور نہ ہی یہ فکر کی کہ دشمن کے مقابلے میں ان پر کیا گزری۔ نا! خدا کی قسم ہم ایسا کام نہیں کریں گے بلکہ اپنی جان' مال اور اپنے خاندان کو آپؑ پر ضرور قربان کر دینگے اور آپؑ کی معیت میں دشمنوں سے جنگ ضرور کریں گے تاکہ اس شہادت کے وسیلہ سے جس سے آپؑ سربلندی حاصل کریں گے ہم بھی سربلند ہو کر خدا کے حضور عزت پا جائیں۔ خدا بُرا کرے ایسی زندگی کا جو آپؑ کے بغیر ہو۔

بنو ہاشم کے بعد مسلم بن عوسجہ' جو امام کے ساتھیوں میں سے تھے' کھڑے

ہوئے اور عرض کی : "آیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں ؟ پس ہم خدا کے سامنے آپ کے حق کی ادائیگی کے لئے کیا عذر پیش کریں گے ؟ خدا کی قسم میں نہیں جارہا جب تک کہ اپنے نیزے آپکے دشمن کے سینوں میں نہ اتار دوں اور جب تک اپنی تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے اُن کے خون سے رنگین کروں گا۔ اگر میرے پاس کوئی بھی اسلحہ نہ کہ جس سے جنگ کروں تو میں آپؑ کے دشمنوں پر سنگ باری کروں گا لیکن خدا کی قسم آپؑ سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ آپ کو تنہا نہ چھوڑوں گا تاکہ خدا جان لے کہ اس کے پیغمبرؐ کی غیر موجودگی میں میں نے فرزند پیغمبرؐ کے حق کو ادا کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل ہو جاؤں گا اُس کے بعد زندہ کیا جاؤں اور مجھے جلا دیا جائے گا پھر میری راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور یہ عمل میرے ساتھ ستر بار کیا جائے تو بھی میں آپؑ سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آپؑ کے ساتھ خدا کی راہ میں جان دے دوں' اور میں کیوں نہ اس کام کو انجام دوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ فقط ایک بار ہی قتل ہونا ہے۔ مجھے وہ کرامت نصیب ہوگی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

جب مسلم بن عوسجہ نے بات تمام کی تو زہیر بن قین جو کبھی حسینؑ کے دشمن تھے اور کربلا کے راستے میں امامؑ کے لشکر میں شامل ہوئے اور آپؑ کے ساتھ ہی شہادت کو پہنچے اور سعادت جاوید پائی' کھڑے ہوئے اور عرض کی : "خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ قتل ہو جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور ہزار بار اس عمل کا میرے لئے تکرار ہو اور میرا یہ قتل ہونا خدا کرے آپؑ کو اور ان جوانان بنو ہاشم کو ان دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے محفوظ رکھے۔

تمام یاران امام حسینؑ نے بھی اسی طرح کی بات کہی اور اپنی وفاداری کا اظہار

کیا۔ان کی یہ گفتگو ان کی پاک نیت کامل بصیرت اور ان کے مصمم ارادہ کو ظاہر کرتی ہے کہ ہر ایک اپنے دین اور امام کی راہ میں جانبازی اور موت کا استقبال کرنے کے اشتیاق کا اظہار کرتا تھا۔

(ارشاد مفید ص ۲۱۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۱۸ ارشاد سے ترجمہ کیا گیا ہے)

ہم مجبور ہیں کہ شہدائے کربلا کی خود فراموشی' انسانی عظمت و حقیقت سے عشق کو دیکھتے ہوئے جو کچھ بھی ابھی تک بیان ہوا ہے اس سے اور زیادہ تذکرہ کریں۔ جبکہ حقیقت امر یہ ہے کہ جتنا بھی ان افراد کی تعریف کی جائے پھر بھی ہم ان مردان حق پسند کے حق کو ادا نہ کر سکیں گے۔

کاروان حسینی کوفہ کی طرف چلا جا رہا ہے اور منزل بہ منزل آگے بڑھ رہا ہے' راستے میں امام حسینؑ نے خواب دیکھا جسے آپؑ نے یوں بیان فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار یہ کہتا چلا جا رہا ہے کہ یہ جمعیت اپنے راستے پر مسلسل چلی جا رہی ہے جبکہ موت اس کے تعاقب میں جا رہی ہے''۔ آپؑ کے بیٹے جناب علی اکبرؑ نے عرض کی: ''بابا جان خدا بُرا دن نہ دکھائے کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' امامؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم تمام بندگان کو آخر کار اسی کی طرف پلٹنا ہے ہم حق پر ہیں ہمارا عقیدہ' ارادہ مصمم اور ہمارا کام سب خدا کے دستور کے مطابق ہے''۔ جناب علی اکبرؑ نے کہا: ''پس اس صورت میں ہمیں موت سے کیا خوف' موت ہماری طرف آئے سو آئے؟''۔ امام نے فرمایا: ''خدا تمہیں جزائے خیر دے''۔

(ارشاد مفید ص ۲۰۹)

یہ جوان رشید وہی ہے جس نے اپنی پاک نیت اور بے مثال شجاعت کے ذریعے روز عاشورا اپنے جد علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شجاعت کی یاد تازہ کر دی اور اپنے

مقدس عقیدے و ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عباسؑ اور انکے بھائیوں کیلئے امان نامہ

حضرت علی علیہ السلام کے فرزند حضرت عباسؑ مع اپنے بھائیوں (عبداللہ، جعفر، عثمان) کے امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ کربلا آئے تھے۔ عبداللہ ابن ابی المحل بن حزام جناب ام البنین کا بھتیجا تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی کہ اے امیر میرے پھوپھی زاد بھائی عباسؑ، عبداللہ، جعفر و عثمان اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے ہیں اگر آپ مناسب جانیں تو ان کے نام امان نامہ تحریر کر دیں۔ ابن زیاد نے مان لیا اور امان نامہ تحریر کر دیا۔

عبداللہ بن ابی المحل اپنے تئیں اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کے لئے ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اس امان نامے کے ذریعے یہ بھائی اپنے امامؑ کو دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ کر چلے آئیں۔ اور اس طرح خود کو اس معرکۂ قتال سے نجات دیں۔ لیکن وہ غافل تھا کہ اس کے پھوپھی زاد بھائیوں کی رگوں میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا خون دوڑ رہا ہے اور وہ مردان رشید کمال بصیرت اور عزم راسخ کے ساتھ امامؑ کے ہمراہ ہیں اور اپنے ہدف کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسکی کچھ اور فکر تھی اور ان کی فکر مختلف۔

عبداللہ کا غلام اس امان نامہ کو لے کر کربلا آیا اور جناب اُم البنین کے بیٹوں کو آواز دی۔ انہیں اس امان نامہ کے متعلق بتایا، شاید وہ سمجھتا تھا کہ اس امان نامہ کو دیکھتے ہی عباسؑ اور ان کے بھائیوں کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور وہ اپنے ماموں زاد بھائی کو آفرین کہیں گے اور ابن زیاد کو طول عمری کی دعا دیں گے۔ لیکن حضرت علیؑ کے بیٹوں نے اسے بے اعتنائی سے جواب دیا: ''تم لوگوں کے امان کے

ہم محتاج نہیں ہیں "امان اللہ خیر من امان ابن سمیۃ "خدا کی امان ہمارے لئے سُمیّہ کے بیٹے کی امان سے بہت بہتر ہے"

عبد اللہ کے غلام کے چلے جانے کے بعد شمر کربلا آیا۔ اس نے جناب اُم البنین سے رشتہ داری کی بنا پر حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کو اپنے بھانجے کہہ کر پکارا اور ان کے لئے امان کا اعلان کیا۔ حضرت عباسؑ اور آپکے بھائیوں نے بیک زبان ہاتھ اٹھا کر فرمایا: "تم پر اور تمھاری امان پر خدا کی لعنت ہو، تم ہمیں امان دیتے ہو اور فرزند پیغمبرؐ کو امان نہیں دیتے۔

(اُم البنین زوجہ امیر المومنینؑ اور شمر دونوں قبیلہ بنو کلاب سے تھے)

(تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۴)

توجہ رہے جب تک انسان کو اپنی موت کا یقین نہ ہو اور پھانسی کے تختے تک نہ چلا جائے یا اپنے آپ کو زیر تیغ بَرّاں نہ دیکھ لے اس وقت تک وہ جان بخشی کی لذت اور موت سے نجات کو محسوس نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی اہمیت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً راہ حق میں قربان ہو جانے والے مافوق بشری قوت کے مالک ہوتے ہیں جو امان نامہ کو اہمیت نہیں دیتے اور اپنے عقیدے پر جان قربان کر کے دنیا کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیتے ہیں۔ پس اصحاب امام حسینؑ کو ہم عام آدمیوں میں شمار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان حضرات کو مافوق انسانیت جانیں۔ شب عاشور وہ رات ہے کہ تاریخ بشریت میں ایسی دوسری رات نہیں ہو سکتی۔ امام حسینؑ کے بھتیجے حضرت قاسمؑ بن حسنؑ نے کہا: "عمو جان موت میرے لئے شہد سے زیادہ شیریں ہے"۔

(نفس المہموم ج ۲ ص ۱۳)

روز عاشورا وہ دن ہے جس دن شرف و فضیلت کی بقائے دوام کیلئے اور حق و عدالت کے احیاء کے لئے حسینؑ اپنا خون سے رنگین چہرہ لئے حق کے دیدار کو شتاب بڑھے۔ **عمرو بن قرظہ انصاری** امام حسینؑ کے ایک باوفا ساتھی جنہوں نے ابن زیاد کے لشکر کے بہت سے لوگوں کو مارا' امام حسینؑ کی طرف آتے ہوئے تیروں اور تلواروں کو اپنے ہاتھ اور بدن پر لیکر امام کا دفاع کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے جسم کو اس طرح امامؑ کا سپر بنایا کہ جب تک زخموں سے چور ہو کر آپ کے قدم اُکھڑ نہ گئے۔ امامؑ پر کوئی گزند نہ آنے دیا۔ جب آپ زمین پر گر پڑے تو امام کی طرف دیکھا اور عرض کی یابن رسول اللہؐ آیا میرے ذمہ جو عہد تھا میں نے وفا کیا؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں تم مجھ سے پہلے بہشت پہنچ جاؤ گے۔ اللہ کے رسولؐ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بس اب حسینؑ بھی پہنچنے کو ہیں۔

(لہوف ص ٦۴)

ہمارا سلام ہو ان نیک اور جری لوگوں پر جنہوں نے فرزند پیغمبرؐ کی ہمراہی میں عقیدہ و آزادی کے لئے جنگ کی اور تاریخ بشریت کو نزہت و جلال اور صفا بخشی اور دنیائے انسانیت کو سر فراز کیا۔

شاید روز عاشورا کے اولین لمحات تھے جب امامؑ کے ایک جانباز صحابی **مسلم بن عوسجہ** زمین پر زخمی ہو کر گرے۔ امام جب ان کے سرہانے پہنچے تو ان میں زندگی کی زیادہ رمق باقی نہ تھی۔ امامؑ نے فرمایا: اے **مسلم** آپکا پروردگار آپ پر رحمت نازل کرے اور پھر اس کے بعد آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"منهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر و ما بدلوا تبديلا"۔

(احزاب آیہ ۲۳: بعض نے اپنے عہد کو پورا رکھا اور شہید ہو گئے اور

بعض شہادت کے منتظر ہیں اور انہوں نے اپنا طور طریقہ ذرا بھی نہیں بدلا۔)

اس کے بعد حبیب ابن مظاہر ان کے سرہانے پہنچے اور کہا : اے مسلم آپ کا قتل ہو جانا میرے لئے بہت شاق ہے۔ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ راہئ بہشت ہو رہے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ نے نحیف آواز میں کہا خدا آپکو بھی خیر و خوبی کی بشارت دے۔ حبیب نے کہا :اگر یہ نہ جانتا ہوتا کہ میں بھی تھوڑی دیر بعد آپ کے ساتھ آملوں گا تو ضرور آپ سے آپکی وصیت کو بیان کرنے کو کہتا اور دل سے پورا کرتا۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا : میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ امامؑ کی نصرت سے ہاتھ نہ اٹھانا یہاں تک کہ آپ ان کی ہمراہی میں قتل ہو جائیں۔ حبیب نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہی کروں گا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۲)

اس سے پتا چلتا ہے کہ مسلم بن عوسجہ کو اپنے آخری وقت میں فقط ایک غم تھا اور وہ تھا امام کا بے یار و مددگار ہونا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے امام حسینؑ کو تنہا نہ چھوڑنے کی وصیت کی۔

نافع بن ہلال امام حسینؑ کے ایک وفادار شائستہ ساتھی تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں پر اپنا نام لکھا ہوا تھا۔ روز عاشورا جب یہ دشمن کی طرف تیر پھینکتے تو یوں رجز پڑھتے تھے :

"انا بن هلال البجلی

انا علیٰ دین علیؑ"

"میں ہوں نافع بن ہلال بجلی میں دین حضرت علی علیہ السلام پر ہوں"

(ارشاد میں مجلی اور طبری میں جملی نقل ہوا ہے)

وہ اس معرکہ کے قتال میں پیہم حضرت علیؑ اور ان کے دین کی تبلیغ کر رہے تھے اور اس طرح اپنے عقیدے کا کھلم کھلا اظہار کر رہے تھے۔ یہاں تکؒ کہ ابن سعد کے ۱۲ افراد کو قتل کیا اور بعض کو زخمی کر دیا۔ آخر کار آپ کے بازو قلم ہو گئے اور گھوڑے سے گر گئے۔ انہیں گرفتار کر کے عمر بن سعد کے پاس لے گئے۔ ابن سعد نے کہا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا میرا پروردگار میری نیت اور میرے کام سے آگاہ ہے۔ اس حالت میں جبکہ آپ کا خون آپکی ریش مبارک سے ٹپک رہا تھا۔ آپ نے کہا میں نے تیری فوج کے ۱۲ آدمیوں کو قتل کیا اور بعض کو زخمی کیا ہے، میں اپنے کام پر نہ تو پشیمان ہوا اور نہ خود کو ملامت کرتا ہوں۔ اگر میرے بازو نہ ٹوٹتے تو تم لوگ مجھے گرفتار نہ کر سکتے۔ شمر نے عمر بن سعد سے کہا اس کو قتل کر دو۔ ابن سعد نے کہا تم مارو۔ نافع بن ہلال نے جب اپنے سر پر تیغ دیکھا تو کہا خدا کی قسم اگر تم مسلمان ہوتے تو تمہارے لئے بہت گراں ہوتا کہ تم خدا سے اس حالت میں ملاقات کرتے جبکہ تمہارے گردنوں پر ہمارے خون ہوں۔ حمد و ثنا اس خدا کے لئے جس نے ہمارا قتل دنیا کے بدکاروں کے ہاتھوں قرار دیا۔ ان کا کلام ابھی یہاں تک ہی پہنچا تھا کہ انکی گردن مار دی گئی۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۶۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲)

حدیث مرد مومن با تو گویم که چون مرگش رسد خندان بمیرد

"تجھے مرد مومن کی بات بتاؤں کہ جب موت آتی ہے تو ہنس کر خوش آمدید کہتا ہے"۔

فضیلت پر قربان ہونے والے سارے افراد اپنے عقیدہ و ایمان کی راہ میں

موت کو کھیل سمجھتے تھے 'بوڑھے اور جوان بے خوف و ہراس اپنی جان ہتھیلی پر رکھے میدان کارزار میں جنگ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر رہے تھے۔ ایسے میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ امامؑ کے صحابی ابو ثمامہ صیداوی نے کہا: اے ابا عبداللہ میری جان آپ پر قربانِ دشمن آپ کو اس وقت تک قتل نہ کر سکے گا انشاء اللہ جب تک میں آپ کی ہمراہی میں شہید نہ ہو جاؤں۔ لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ میں نماز ظہر آپ کی اقتداء میں ادا کروں جس کا وقت نزدیک ہے اور پھر اپنے خدا کی ملاقات کو جاؤں۔

امامؑ نے اپنے سر کو بلند کیا اور فرمایا: تم نے نماز کو یاد دلایا خدا تمہیں نماز گزاروں اور ذاکرین میں سے قرار دے۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ ہاں' اول وقت نماز ہے تم ان لوگوں سے کہو کہ ہمیں اتنا وقت دیں کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ لیکن وہ جانور آدمخور تھے کہ جنہوں نے جنگ بند نہ کی۔ فوج اشقیاء نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ امامؑ اور ان کے ساتھی نماز پڑھ لیتے۔ امامؑ کے کہنے پر زہیر بن قین' اور سعید بن عبداللہ امامؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور دشمن کے تیروں کے مقابلے پر اپنے بدن کو امامؑ اور آپکے ساتھیوں کے لئے سپر بنا دیا۔

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۳۴)

اس طرح امامؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز خوف ادا کی' سعید بن عبداللہ دشمن کے تیروں کا ہدف بنے اور زمین پر گر گئے۔ آپ روئے خاک کہہ رہے تھے: اے میرے خدا میرا اسلام اپنے رسولؐ کو پہنچا دے اور میرے زخموں کی سوزش سے انہیں آگاہ کر دے۔ میں نے یہ کام تیرے پیغمبرؐ کی اولاد کی محبت میں کیا ہے۔ یہ کہتے کہتے انہوں نے جان دے دی۔ آپ کے جسم میں تیرہ (۱۳) تیر پیوست

تھے۔اس طرح اپنے انصار کی قربانی کے ساتھ امامؑ نے نماز ظہر ادا کی۔
(منتھی الامال ج ا ص ۲۶۳ مفہوم نقل کیا گیا ہے)

یک سجدہ کرد و داد سر اندر رضای حق — اہل نماز را دو جہاں سر فراز کرد

"اللہ کی خوشنودی میں اُس نے ایک سجدہ کیا اور سر دے دیا، جس سے اہل نماز نے دونوں جہاں میں مرتبۂ عالی پایا"۔

حسینؑ کے انصار کا خلوص، ایمان، راست گوئی اور روح کی بزرگی کے یہی واقعات تاریخ میں ہمارے لئے یادگار ہو گئے اور کس قدر واضح اور روشن ہیں۔ یقیناً اس طرح کے مردان جری تھے کہ تاریخ بشریت کو شکوہ و جلال بخشا اور اس طرح انسان کے وقار کو حتی المقدور بلندی عطا کی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس طرح کے جانباز افراد دنیا میں نہ آئے ہوتے اور دنیا کے قہرمان میں فقط تیمور، چنگیز اور معاویہ جیسے ہوتے تو تاریخ بشریت کس قدر ہولناک اور شرمناک ہوتی۔

طبری لکھتا ہے: نماز ظہر کے بعد امامؑ کے بہت مخلص دوست **زہیر بن قین** نے میدان کارزار میں نہایت گھمسان کی جنگ کی۔ آپ یوں رجز پڑھ رہے تھے:

انا زهير وانا ابن القين — اذ ودكم بالسيف عن حسينؑ

میں قین کا بیٹا زہیر ہوں۔ میں حسینؑ سے جو کہ میرے امام ہیں تم جیسے دشمنوں کو اپنی تلوار سے دور کروں گا۔ بعد میں انہوں نے امامؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر یوں کہا:

اقدم هديت هادياً مهدياً — فاليوم تلقى جدك النبياً

وحسنا والمرتضى عليا — وذوالجنا حين الغنى الكميا

واسدالله الشهيد الحيا

آپؑ قدم بڑھایئے، آپؑ وہ امامؑ ہیں جو خود ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کو ہدایت دیتے ہیں، آج آپؑ اپنے جد رسولخداؐ، والد علی مرتضیٰؑ، بھائی حسن مجتبیٰؑ اپنے چچا جعفر بن ابی طالبؑ اور اپنے والد کے چچا حمزہؑ کی زیارت سے خوشی حاصل کریں گے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۶)

زہیر ابن قین کی صفا و معرفت، پاک نیتی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ روز عاشورا امامؑ کو تسلی دیتے تھے۔ یقیناً کربلا میں امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کا یہ قیام و انقلاب برپا کرنا ایسا مرکزی قیام تھا جو قیامت تک ہر آنے والے انقلاب کے لئے درس تھا۔ پس اسمیں ضروری تھا کہ ایسے ہی مجاہد اور جری افراد کی نصرت و یاری کے ساتھ امامؑ قیام فرمائیں۔

حنظلہ بن اسعد شباہی

اس جنگ وجدل میں امامؑ کے آگے جا کھڑے ہوئے اور آپ کے دشمنوں سے یوں مخاطب ہوئے:

"اے لوگو! میں تمہارے لئے اس روز سے جو مثل روز احزاب ہوگا ڈرتا ہوں، جب تمہارا حال بھی ان قوموں کی طرح ہوگا جیسے قوم نوح، قوم ثمود و عاد اور ان کی بعد کی قوموں کا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں چاہتا۔ اے لوگو! میں تمہارے لئے روز قیامت سے ڈرتا ہوں جب تم لوگوں کو نار جہنم کی طرف کھینچا جا رہا ہوگا اور اس حال میں کہ تم لوگ اس سے فرار کر رہے ہوگے۔ اس روز خدا کے عذاب سے بچنے کی کوئی جگہ نہوگی۔ یاد رکھو جسے خدا گمراہ کردے اس کا ہدایت کنندہ نہیں

ہوتا۔ اے لوگو حسینؑ کو قتل نہ کرو کہ خدا تمہیں ایک ہلاکت خیز عذاب میں گرفتار کردے گا اور جو بھی جھوٹ بولتا ہے وہ ناامید ہوتا ہے"۔

امامؑ نے اس مرد مومن سے فرمایا:

"اے فرزند اسعد یہ لوگ اب مستحق عذاب ہوگئے ہیں کیونکہ تم نے انہیں حق کی طرف دعوت دی' بلایا لیکن انہوں نے تمہاری آواز پر لبیک نہ کہا' حق کی بات کو نہ سنا اور یہ تمہارے ساتھیوں کو قتل کرنے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب جبکہ انہوں نے تمہارے نیک و باصفا ساتھیوں کو قتل کردیا ہے تو یہ کیسے حق کی بات کو قبول کرسکتے ہیں؟

حنظلہ نے کہا:

آپؑ نے سچ فرمایا آپؑ مجھ سے زیادہ دانا اور زیادہ شائستہ ہیں۔ آیا آپؑ اجازت دیتے ہیں کہ میں انسے جنگ کروں اور عالم جاوداں کی طرف روانہ ہو جاؤں اور اپنے بھائیوں سے ملحق ہو جاؤں۔

امامؑ نے فرمایا:

جاؤ اس رحمت اور نعمت کی طرف جو کہ دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔ جاؤ اس رحمت اور آقا کی طرف جو ابدی ہے اور بے پایان ہے۔

حنظلہ نے اس وقت کہا: میرا سلام ہو اے ابا عبداللہ اور خداوند کا درود ہو آپؑ پر اور آپ کے خانوادہ پر' خدا ہمیں بہشت میں آپؑ کے ساتھ قرار دیے اور وہاں بھی ہمارے اور آپ کے درمیان یہ دوستی و آشنائی برقرار رکھے۔ آمین! آمین۔ پس یہ کہہ کر میدان جنگ میں قدم رکھا اور اس

قدر جنگ کی کہ شہید ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۷)

اس مجاہد اور عابد مرد کے کلمات کس قدر باصفا اور روح پرور ہیں کہ انہوں نے اہل کوفہ کو خدا کے عذاب اور بدبختیوں سے ڈرایا۔ ان مصیبتوں' ذلتوں کی یاد آوری بھی کروائی جو ستمگاروں اور انسانوں کے قاتلوں کے انتظار میں ہیں۔ مگر افسوس ان ابن الوقت نادانوں کے پاس سننے والے کان نہ تھے' ان کے دل مردہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے دین اور غیرت کو درہم و دینار دوستی کے قدموں تلے قربان کر دیا تھا۔ اور ان کے نارسا اور بیمار مغز در اصل حیات اور انسانیت کے حقیقی مفہوم کو نہیں پہنچے۔

اس مجاہد اور مومن نے اپنی زندگی کے ان پُر برکت آخری لحظات میں کیا خوب کہا تھا جسے بار بار کہنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا سلام ہو اے ابا عبداللہ خداوند کا درود ہو آپؑ پر اور آپؑ کے خانوادہ پر' خدا ہمیں بہشت میں آپ کے ساتھ قرار دے اور وہاں بھی ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی و آشنائی برقرار رکھے۔

عابس بن شبیب شاکری

عابس بن شبیب شاکری انصار حسینی میں سے اپنے ایک ساتھی شوذب سے جو خود بھی امامؑ کے دوستوں میں سے تھے مخاطب ہوئے اور پوچھا اے شوذب! آج تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ شوذب نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ فرزند دختر پیغمبرؐ کی نصرت میں جنگ کروں تاکہ شہید ہو جاؤں۔ عابس نے کہا میں بھی تمہارے لئے یہی چاہتا ہوں۔ پس اب خدمت ابا عبداللہؑ میں جاؤ اور اجازت لے کر شہید ہو جاؤ تاکہ وہ تمہیں شہداء میں شمار کریں اور میں بھی تمہیں شہداء

میں شمار کروں۔ اے شوذب اگر میرے ساتھ تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں پسند کرتا کہ وہ مجھ سے پہلے جہاد کر کے شہید ہو جائے اور میں اسے شہداء میں شمار کروں۔ سچ یہ ہے آج کے دن سزاوار ہے کہ ہم اپنی جو بھی قدرت ہے بروئے کار لائیں اور خدا سے اس کا اجر طلب کریں کیونکہ آج کے بعد دیگر عمل نہیں ہے اور فقط حساب ہوگا۔

شوذب خدمت امامؑ میں آئے' سلام کیا اور اجازت لے کر میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عابس نے کہا: اے اباعبداللہ خدا کی قسم روئے زمین پر مخلوق خدا میں سے (اپنا ہو یا بیگانہ) کوئی عزیز نہیں آپؑ سے زیادہ عزیز و محبوب۔ اگر میں طاقت و قدرت رکھتا تو ہر طرح اس ظلم اور قتل سے آپ کا دفاع کرتا کیونکہ آپ مجھے اپنی جان و خون سے زیادہ عزیز ہیں۔ میرا اسلام ہو اے اباعبداللہ آپؑ پر۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آپؑ کے دین اور آپؑ کے والد حضرت علی مرتضیٰؑ کے دین پر ہوں۔ پس تلوار اٹھائی' اجازت لی اور میدان کارزار کو سدھارے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۷)

جی ہاں کربلا کے رہبر حسینؑ بن علیؑ نے انہی جیسے باایمان' روشن ضمیر' پاک دل' فرض شناس افراد و انصار کے ساتھ خدا کے دین کی نصرت کے لئے قیام کیا تھا۔ ان انصار حسینیؑ نے شب عاشور ہی مصمم ارادہ کر لیا تھا اور وہ اس صبح کے انتظار میں تھے کہ کب موقع ملے اور وہ اپنے فریضہ کو ادا کریں جو رسول خدا(ص) اور علی مرتضیٰؑ کی طرف سے ان پر عائد ہوتا تھا۔

علامہ مجلسیؒ بحار میں نقل کرتے ہیں کہ صبح عاشور ایاران امام حسینؑ میں سے

عبدالرحمٰن بن عبدربہ سے بریر بن خضیر مزاح کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عبدالرحمٰن مسکرادیں۔ عبدالرحمٰن بن عبدربہ نے کہا اے بریر یہ بھی کوئی مزاح کا وقت ہے۔ (بریر حضرت علیؑ کے اصحاب خاص میں سے ایک مرد عابد و زاہد اور صاحب وقار صحابی تھے) بریر بن خضیر نے جواب دیا: میری قوم جانتی ہے کہ میں نے نہ کبھی جوانی میں اور نہ بڑھاپے میں باطل اور بیہودہ کو دوست رکھا۔ ہاں آج یہ شوخی و مزاح جو کر رہا ہوں یہ اس مقام کی وجہ سے ہے جہاں ہم جانے والے ہیں۔ خدا کی قسم کام اس سے زیادہ نہیں کہ اپنی تلواروں کے ساتھ ان دشمنوں کے روبرو ہو جائیں، بہادری سے جنگ کریں اور لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں اسکے بعد بہشت میں حورالعین کے ہم آغوش ہو جائیں۔

(بحار ج ۴۵ ص ۱ط جدید)

سیف بن حارث اور مالک بن عبد

جن کی والدہ ایک تھیں، دونوں بھائی روتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں آئے۔ حضرتؑ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ خدا کی قسم میں امیدوار ہوں کہ چند گھڑیوں بعد تمہاری آنکھیں خدا کی ملاقات سے روشن ہوں گی۔ انہوں نے جواب دیا: خدا ہمیں آپؑ پر قربان کرے۔ خدا کی قسم ہم اپنی وجہ سے نہیں رو رہے ہیں بلکہ ہم آپؑ کے لئے رو رہے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن نے آپ کا محاصرہ کیا ہے اور ہم انہیں آپؑ سے دفع نہیں کر سکتے۔ امامؑ نے فرمایا تم لوگ اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر میری مدد کر رہے ہو، خدا تمہیں پرہیزگاروں کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ حنظلہ بن اسعد کی شہادت کے بعد یہ دونوں بھائی امام کی خدمت میں آئے اور کہا: السلامُ علیکَ یابن رسول اللہ، امامؑ نے جواب دیا: وعلیکما السلام ورحمة

اللہ ۔پس یہ میدان کارزار میں گئے اور نصرت امامؑ میں شہید ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۷)

یزید بن زیاد

جنہیں ابوالشعثاء کہتے تھے ایک ماہر تیر انداز تھے۔انہوں نے امامؑ کے پہلو میں گھٹنا ٹیک کر سو (۱۰۰) تیر دشمن کی طرف پھینکے اور سوائے پانچ تیر کے سب نشانہ پر لگے۔امامؑ نے ان کے لئے دعا فرمائی خدایا اس کے تیروں کو صحیح نشانے پر لگادے اور ہر تیر کے بدلے اسے بہشت میں جزا دے۔پس جب یہ سو تیر چلا چکے تو کھڑے ہو گئے اور کہا پانچ تیر بے کار گئے اور پانچ آدمیوں کو پیروں سے محروم کر دیا۔آخر یوں رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ کو گئے۔میں مہاصر کا بیٹا یزید ہوں' شمر ان سے زیادہ بہادر ہوں' پروردگار میں حسینؑ کو دوست رکھتا ہوں اور ابن سعد سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں پس آپؓ نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۰)

جون

حبشی غلام جس کو جون کہتے تھے امامؑ کے ساتھیوں میں سے تھے۔امامؑ نے ان سے فرمایا: "اے جون تم ہماری عافیت کے لئے تھے۔اب ہماری وجہ سے خود کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو میں اجازت دیتا ہوں کہ چلے جاؤ"۔جون نے کہا: "یابن رسول اللہ (ص) میں عافیت وراحت میں آپؑ کا کاسہ لیس رہا ہوں اور آج جبکہ آپؑ پر سختی و تنگی کا دن ہے تو میں آپؑ کا ساتھ چھوڑ دوں۔خدا کی قسم چونکہ میرا بدن متعفن ہے' میرا حسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے اس لئے کیا آپؑ میرے

لئے بہشت کو انکار فرما رہے ہیں ؟ کہ میری بو اچھی ہو جائے اور چہرہ کا رنگ سفید اور میرا حسب شریف ہو جائے ؟ خدا کی قسم میں آپؑ سے جدا نہ ہوں گا تاکہ میرا سیاہ خون آپؑ کے خون مبارک میں مخلوط ہو جائے۔ پس جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

(لہوف ص ٦۴)

حُربن یزید ریاحی

جنہوں نے سر راہ امامؑ کو روکا تھا اور آپؑ کی عورتوں اور بچوں کو ہراساں کیا تھا۔ محرم کی دو تاریخ سے دہم کی صبح تک یہ امامؑ کے دشمنوں کے ساتھ تھے۔ پس چند گھڑیوں میں ان کا دل منقلب ہو گیا۔ انہوں نے مہاجر بن اوس کی بات پر اس سے کہا: ''میں خدا کی قسم خود کو دوراہے پر بہشت و دوزخ کے درمیان دیکھتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں اور جلادیا جاؤں تو بھی میں کسی چیز کو بہشت پر ترجیح نہ دوں گا۔ پس انہوں نے امامؑ کے لشکر کی طرف قدم بڑھائے اور خدمت امامؑ میں پہنچ کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور توبہ کی۔ امامؑ نے فرمایا خدا تمہاری توبہ کو قبول کرتا ہے اور تم کو بخشتا ہے۔ اپنا نام بتاؤ۔ کہا کہ میں حربن یزید ریاحی ہوں۔ (حر یعنی آزاد)۔ امامؑ نے فرمایا تم آزاد ہو جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام (حُر) آزاد رکھا ہے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۵۔ ارشاد ص ۲۱۹)

حُر اپنی پوری بصیرت و فہم کے ساتھ امامؑ کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ عمر بن سعد سے جدا ہونا اور امامؑ کی معیت میں شہید ہو جانا ان کا دینی فریضہ تھا۔ جس پر انہوں نے عمل کیا اور شہید ہوئے تاکہ آتش دوزخ سے نجات پائیں اور اہل

بہشت کے ہمراہ ہو جائیں۔ جیسا کہ انہوں نے مہاجر بن اوس سے کہا تھا۔

فرزند رسولؐ کی ہمراہی میں کربلا کے مقدس قیام کو برپا کرنے والے باایمان' بابصیرت' باصفاروح والے شہیدوں کے یہ چند نشانات تھے۔ امامؑ کا مقدس قیام سے فقط خدا کے دین کا احیاء اور محبوب پیغمبرؐ کے سنت کی بقاء تھی۔ آپؑ کے ساتھی بھی آپ کے ہم آواز اور ہمراز تھے۔ جو لوگ مال و دولت کے لالچ میں امامؑ کے ساتھ تھے وہ کوفہ کے راستے ہی سے واپس چلے گئے تھے۔ آنحضرتؑ کی خدمت میں صرف وہ افراد رہ گئے تھے جو حسینؑ کو پہچانتے تھے' ان کی نیت اور عقیدہ کو صحیح طور پر جانتے تھے اور خود اسلام کے تربیت یافتہ افراد تھے۔ انہوں نے اپنے جان کی قربانیاں دے کر تاریخ انسانیت کو آبرو اور صفائے جاودانی بخشا۔ اور کیا ہی اچھا ہوا کہ ان صفات سے محروم افراد راستے میں ہی الگ ہو گئے اور اس طرح یہ مقدس قیام ان کی آلودگیوں سے پاک رہا۔

کربلا کا مقدس قیام ہر حیثیت سے اصیل اور بے نظیر تھا۔ اس قیام کے رہبر امام حسینؑ بن علیؑ' فرزند فاطمہؑ تھے۔ وہ امام تھے جن کی اطاعت مسلمانوں پر فرض تھی کیونکہ ان کے وجود میں تمام فضائل بشری یکجا مرکوز تھے۔ آپ کی تقویٰ کی حفاظت 'انسان دوستی' زہد 'دنیا اور اس کی لذتوں سے بے اعتنائی 'عدالت ' نیکوکاری سب کی سب صفات تمام انسانوں سے مافوق تھیں۔ بلکہ روشن الفاظ میں یوں کہیں کہ قیام عاشورا کا ہدایت کنندہ ایک امام معصوم تھا جسمیں تمام کمالات بشری جمع ہو گئے تھے اور ان کے وہ وفا پیشہ 'شائستہ ساتھی جنہوں نے اس قیام میں آپ کی نصرت کی' تمام کے تمام عابد 'زاہد' مومن عادل' وظیفہ شناس تھے۔ وہ راہ خدا کی خاطر' حق و عدالت کی پائداری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

عدالت کی بقا کے لئے قربان ہونے والوں کی فہرست

یہ انصاف سے بعید ہو گا کہ ہم شہدائے کربلا کی شخصیات کے متعلق جائزہ لینے کے بعد ان کے زندہ و جاوید ناموں سے ان اوراق کو زینت نہ بخشیں۔

شہدائے بنو ہاشم کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ حسین بن علی صلوات اللہ علیہ ۲۔ علیؑ بن الحسینؑ ۳۔ عبداللہ بن الحسینؑ (یہ وہ ہیں جو آغوش امام گوشہ خیمہ میں شہید ہوئے۔ارشاد ۲۲۴) ۴۔ عباسؑ بن علیؑ ۵۔ عبداللہ بن علیؑ ۶۔ جعفر بن علیؑ ۷۔ عثمان بن علیؑ (یہ چاروں بھائی جناب اُم البنین زوجہ امیر المومنین کے بطن سے تھے۔ارشاد ۲۳۳) ۸۔ ابوبکر بن علیؑ ۹۔ عبداللہ بن علیؑ (ابوبکر و عبداللہ دونوں لیلیٰ بنت مسعود ثقفی زوجہ امیر المومنین کے بطن سے تھے۔ارشاد ۲۳۳) ۱۰۔ قاسم بن الحسنؑ ۱۱۔ عبداللہ بن الحسنؑ ۱۲۔ ابوبکر بن حسنؑ (قاسم 'عبداللہ 'ابوبکر جناب امام حسنؑ کے بیٹے تھے۔) ۱۳۔ محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ ۱۴۔ عونؑ بن عبداللہ بن جعفرؑ (محمد و عون عبداللہ بن جعفر کے بیٹے تھے جن میں سے عون کی والدہ جناب زینب کبریٰ اور محمد کی ماں خوصاء بنو بکر بن وائل قبیلے سے تھیں۔ نفس المہموم ص ۱۶۸۔۱۶۹) ۱۵۔ عبداللہ بن عقیلؑ ۱۶۔ جعفر بن عقیلؑ ۱۷۔ عبدالرحمٰن بن عقیلؑ ۱۸۔ محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ

امامؑ کے ان ساتھیوں کے نام جو بنو ہاشم سے نہ تھے :

(ارشاد مفید میں ص ۲۳۳ پر شہداء بنو کی تعداد میں اختلاف ہے شیخ مفید نے امام عالی مقام سمیت ۱۸ نفر لکھے ہیں اور اسی سے ہم نے نقل کیا ہے۔ مقاتل الطالبین' تاریخ طبری' تاریخ الخلفاء' عقد الفرید' مروج الذہب اور مناقب میں بالترتیب ۲۲'۲۰'۱۷'۱۳'۱۷'۱۲ افراد کو شمار کیا ہے۔(شہداء بنو ہاشم کے اسماء ارشاد مفید 'طبری' مناقب ابن شہر آشوب 'اعیان الشیعہ

ج ۴ حصہ اول تالیف سید محسن جبل عاملی، نفس المہموم اور منتھی الامال محدث قمی سے جمع کر کے لکھے گئے ہیں۔)

ان کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں

۱۔ابراہیم بن حصین اسدی ۲۔ابوالحتوف بن حارث انصاری۔ ۳۔ابو ثمامہ صیداوی عمرو بن عبداللہ۔(اعیان الشیعہ میں عمرو بن کعب درج ہے) ۴۔ابو عامر نہشلی ۵۔ احمد بن محمد ہاشمی ۶۔ ادھم بن امیہ عبدی۔ ۷۔اسلم ترکی حسین کے غلام۔ ۸۔امیہ بن سعد طائی ۹۔ انس بن حارث کاہلی صحابی ۱۰۔انیس بن معقل اصبحی ۱۱۔ بریر بن خضیر ہمدانی ۱۲۔ بشر بن عمرو۔(اعیان الشیعہ میں عمرو بن کعب نقل ہوا ہے)۔ ۱۳۔بکر بن حی تیمی ۱۴۔ جابر بن حارث (اعیان الشیعہ میں بشر بن عبداللہ ہے) ۱۵۔ جاجر بن حجاج تیمی (فقط تاریخ طبری میں) ۱۶۔جبلہ بن علی شیبانی ۱۷۔ جون ابو مالک غلام ابو ذر غفاری ۱۸۔جوین بن مالک تمیمی۔ ۱۹۔ جنادۃ بن حارث انصاری۔ (اعیان الشیعہ میں جنادۃ بن حارث سلمانی ہے) ۲۰۔ جنادۃ بن کعب انصاری ۲۱۔ جندب بن حجر کندی (اعیان الشیعہ میں جندب بن جحیر خولانی نقل ہوا ہے) ۲۲۔ حارث بن امرئ القیس کندی ۲۳۔ حارث بن بنہان ۲۴۔ حباب بن حارث ۲۵۔ حباب بن عمر شعبی ۲۶۔ حبشی ابو قاسم نہمی ۲۷۔ حبیب بن مظاہر اسدی۔ (مفید اور طبری نے حبیب کے والد کا نام مظاہر تحریر کیا ہے۔) ۲۸۔ حجاج بن بدر سعدی ۲۹۔ حجاج بن مسروق مؤذن امام ۳۰۔ حرث بن بنہان ۳۱۔ حر بن یزید جس نے توبہ کی تھی ۳۲۔ حلاس بن عمرو راسبی ۳۳۔ حنظلہ بن سعد شباہی۔(شیخ مفید نے ارشاد میں حنظلہ کے والد کا نام سعد اور طبری نے سعید دوسروں نے عمرو تحریر کیا ہے) ۳۴۔ خالد بن عمرو بن خالد ۳۵۔ زاہر بن

عمرو غلام عمرو بن حمق خزاعی ۳۶۔ زہیر بن نشر خثعمی ۳۷۔ زہیر بن سلیم ازدی ۳۸۔ زہیر بن قین بجلی ۳۹۔ زیاد بن عریب صائدی ۴۰۔ سالم غلام عامر عبدی ۴۱۔ سالم بن عمرو ۴۲۔ سعد بن حرث۔ (اعیان الشیعہ میں سعد بن حارث ہے) ۴۳۔ سعد، علیؑ کے آزاد کردہ۔ ۴۴۔ سعد جنہیں عمرو بن خالد صیداوی نے آزاد کر دیا تھا ۴۵۔ سعید بن عبداللہ حنفی ۴۶۔ سعید بن حنظلہ تمیمی ۴۷۔ سلمان بن مضارب بجلی ۴۸۔ سلیمان آزاد شدہ امام حسین ۴۹۔ سوار بن منعم نہمی ۵۰۔ سوید بن عمرو بن مطاع یہ امامؑ کے شہید ہونے والے آخری صحابی تھے ۵۱۔ سیف بن حارث بن سریع ۵۲۔ سیف بن مالک عبدی نمیری ۵۳۔ شوذب بنو شاکر کے آزاد شدہ ۵۴۔ ضرغامۃ بن مالک ۵۵۔ عائذ بن مجمع عائذی ۵۶۔ عابس بن شبیب شاکری ۵۷۔ عامر بن حیان بن شریح ۵۸۔ عامر بن مسلم عبدی ۵۹۔ عباد بن مہاجر جہنی ۶۰۔ عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی ۶۱۔ عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری ۶۲۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی (اعیان الشیعہ میں انکی جگہ عبدالرحمٰن بن عبدربہ انصاری کا نام لکھا ہے) ۶۳۔ عبدالرحمٰن بن مسعود تیمی ۶۴۔ عبداللہ بن ارجبی (اعیان الشیعہ میں عبدالرحمٰن بن ارجبی ہے) ۶۵۔ عبداللہ بن ابی بکر (اعیان الشیعہ میں کتاب الحیوان تالیف جاحظ کے حوالے سے اسے شہدائے کربلا میں سے شمار کیا گیا ہے) ۶۶۔ عبداللہ بن بشر خثعمی ۶۷۔ عبداللہ بن عروہ غفاری ۶۸۔ عبداللہ بن عمیر کلبی ۶۹۔ عبداللہ بن یزید عبدی بن زید بصری ۷۰۔ عبیداللہ بن یزید عبدی بن زید بصری ۷۱۔ عقبہ بن سمعان ۷۲۔ عقبہ بن صلت جہنی ۷۳۔ عمارۃ بن صلخب ازدی ۷۴۔ عمار بن حسان طائی ۷۵۔ عمار بن سلامۃ دالانی ۷۶۔ عمران بن کعب بن حارث حارثہ ۷۷۔ عمرو بن عبداللہ جندعی ۷۸۔

عمرو بن خالد ازدی ۷۹۔ عمرو بن خالد صیداوی ۸۰۔ عمرو بن قرظہ انصاری ۸۱۔ عمرو بن مشیعہ (ضبعیہ) ۸۲۔ عمرو بن جنادہ انصاری ۸۳۔ عمرو بن مطاع جعفی ۸۴۔ عمیر بن عبداللہ مذجی ۸۵۔ قارب بن عبداللہ دئلی ۸۶۔ قاسط زہیر تغلبی ۸۷۔ قاسم بن حبیب ازدی ۸۸۔ قرۃ بن ابی قرۃ انصاری ۸۹۔ قعنب بن ۹۰۔ عمرو کردوس ۹۱۔ تغلبی کنانہ بن عقیق تغلبی (عتیق) ۹۲۔ مالک بن انس کاہلی ۹۳۔ مالک بن دودان (ذودان) ۹۴۔ مالک بن عبداللہ بن سریع ۹۵۔ مجمع جہنی ۹۶۔ مجمع بن عبداللہ عائدی (عائذی) ۹۷۔ محمد بن بشر حضرمی ۹۸۔ مسعود بن حجاج تیمی ۹۹۔ مسلم بن عوسجہ ۱۰۰۔ مسلم بن کثیر ازدی ۱۰۱۔ مسقط بن زہیر تغلبی ۱۰۲۔ منجح بن سہم ۱۰۳۔ موقع بن تمامہ اسدی ۱۰۴۔ نافع بن ہلال بجلی (اعیان الشیعہ اور تاریخ طبری میں جملی مرقوم ہے) ۱۰۵۔ نصر بن ابی نیزد ۱۰۶۔ نعمان بن عمرو راسبی ۱۰۷۔ نعیم بن عجلان انصاری ۱۰۸۔ واضح رومی حارث سلمانی کے آزاد کردہ ۱۰۹۔ وہب بن عبداللہ کلبی ۱۱۰۔ یحیٰی بن سلیم مازنی ۱۱۱۔ یزید بن ثبیط عبدی ۱۱۲۔ یزید بن زیاد ابوالشعثاء ۱۱۳۔ یزید بن مغفل جعفی۔

شہداء بنو ہاشم کی تعداد سترہ نفوس علاوہ امامؑ عالی مقام شمار کرلیئے جائیں تو کل تعداد ۱۳۰ ہو جاتی ہے۔

کتب رجال اور تراجم سے رجوع کرنے پر پتہ چلتاہے کہ یہ تمام مردان بابصیرت وباایمان تھے۔ یہ لوگ اصحاب رسولخدا(ص) وعلیؑ مرتضٰیؑ یا فرزندان اصحاب رسولؐ وحضرت علیؑ تھے۔ زیارت ناحیہ میں جو سید ابن طاؤس نے کتاب اقبال کی فصل نمبر ۱۴ میں نقل کی ہے اسمیں (۸۰) اسّی افراد کا نام لیا ہے۔ امام زمانہ (عج) نے ان کو سلام فرمایاہے۔

چونکہ اس زیارت کا صدور ابن طاؤس کی تصریح کے ساتھ ۲۵۲ ہجری سے ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیارت امام حسن عسکریؑ سے ہے اور امام زمانؑ تو اس وقت تک متولد نہ ہوئے تھے۔ اس زیارت میں شہداء بنو ہاشم کی تعداد جیسا کہ شیخ مفید نے بھی نقل کیا ہے سترہ (۱۷) افراد شمار کئے ہیں لیکن ریان بن شبیب روایت کرتے ہیں امام رضاؑ سے کہ اٹھارہ (۱۸) افراد تھے۔ محدث قمی نے نفس المہموم میں ص ۱۲۶ پر امام محمد باقرؑ سے یاران امام حسینؑ کی تعداد پینتالیس (۴۵) نفر سوار اور سو (۱۰۰) نفر پیادہ کی روایت کی ہے۔

نقش اسیران اہل بیتؑ

جیسا کہ ہم نے صفحات گزشتہ میں تحریر کیا ہے کہ واقعۂ کربلا کا قیام امام حسینؑ اور آپکے یاران باایمان وباوفا کے ذریعے وجود میں آیا اور اسیران اہل بیتؑ نے اس کو بار آور بنایا۔ بغیر کسی گفتگو کے عرض کریں کہ اگر اہل بیتؑ اسیر نہ ہوتے اور کوفہ و شام کے بازاروں میں اپنی بزرگی و عظمت، صبر و سکون کے ساتھ فاجعۂ کربلا کی تبلیغ نہ کرتے تو امام حسینؑ کی شہادت کا یہ واقعہ اتنی شہرت پیدا نہ کرتا اور آنے والے انقلابات زمانہ پر قیام کی آگ اتنا موثر نہ ہوتی۔ امامؑ نے اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں اپنے بھائی محمد حنفیہ سے فرمایا تھا کہ :"ان اللہ قد شاء ان یراھن سبایا"۔ خدا چاہتا ہے کہ میرے اہل بیت اسیر ہوں۔ اس امر کی حقیقت اس وقت معلوم ہوئی جب اہل بیت کی اسیری نے قیام کربلا کی تکمیل کیا اور اسے بار آور ہونے تک پہنچایا۔

امام حسینؑ اسلام کے مقدس دین کی سربلندی کے لئے شہادت کو پہنچے لیکن خدا نے اس عظیم وظیفہ کی تکمیل کا عہدہ اسیر خواتین اور اطفال یعنی ناموس،

عترت رسول خدا(ص) خصوصاً امام سجادؑ اور جناب زینبؑ والا گہر کے حوالہ کیا۔

ایک محقق اس سوال کے جواب میں کہ کیوں کوئی بھی قیام، تحریک اور شہادت ابا عبداللہ الحسینؑ کے قیام کی طرح دنیا میں ایسی عظمت پیدا نہ کر سکا؟ کہتے ہیں: اس سے قطع نظر کہ اس قیام کے رہبروں کی شخصیت ایک قطعی عامل ہے اس انقلاب کو دنیا کے انقلابات سے پیش رو بنانے میں اہم تریں اور موثر ترین اور تحریک حسینؑ کی مہم ترین عامل اور علت وہ فصل ہے کہ یاران امام حسینؑ اور خود ابا عبداللہ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے خود اس پر اصرار کیا اور اپنی رسوائی کے موجبات خود اپنے ہی ہاتھوں فراہم کئے۔ نتیجتاً ایک طرف تو امام حسینؑ اور آپکے ساتھیوں کی شہادت نے اس واقعہ کربلا کی عظمت وارزش کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور دشمنان امام حسینؑ نے شہادت شہیدان کے بعد اپنے ظلم وبربریت کی انتہا کر دی۔ انہوں نے شہداء کے اجساد مطہر کو برہنہ کر دیا ان کے لباس لوٹ لئے، خیموں کو آگ لگادی، لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔

ان اعمال زشت کا تمام اثر دشمنوں کے زیان میں تھا۔ کربلا سے شروع ہو کر تا شام دائم رہا۔ خود یزید کی شخصیت انسانیت کے خلاف ان اعمال میں شریک تھی اور حصہ دار تھی۔ پس اسے بھی ذلت کا حصہ ضرور ملا۔ دوسری طرف اسیران اہل بیتؑ نے کمال بزرگواری اور صبر وسکون کے ساتھ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور کوئی مصیبت نہیں دیکھی ہو جہاں بھی گئے اپنی کامیابی اور دشمن کی رسوائی کے تذکرے کرتے رہے۔ اور اپنے مغرور دشمن کو تاریخ کے بدبخت رسوا کی حیثیت سے معروف کیا۔

(تلخیص از بررسی تاریخ عاشورا ص ۸۷ خطاب مرحوم ڈاکٹر آیتی)

ہاں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عترت رسالت کو اسیر کر کے کوفہ اور وہاں سے شہر بہ شہر تشہیر کرتے ہوئے دمشق لے جانا ابن زیاد اور بنو امیہ کے سر کردہ لوگوں کی سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی جس نے حکومت اموی کے فاسد پیکر پر ایک مہلک ضربت لگائی۔ اور اس طرح آل ابی سفیان کے خلاف کربلا میں بلند ہونیوالا جنگ کا پرچم سرنگون نہ ہو سکا۔ مذکورہ بالا محقق پھریوں تحریر کرتے ہیں۔

اگر ابن سعد اور ابن زیاد ہر چند اپنی اصلاح کی خاطر ہی فاجعۂ کربلا کے بعد خاندان نبوت سے اظہار ادب واحترام کئے ہوتے اور ان تمام مصیبتوں میں جو خود انہی کے ہاتھوں وجود میں آئی تسلیت کہتے ہوئے اور شہداء کے دفن میں رکاوٹ نہ ڈالتے بلکہ شہداء کو اپنے مقتولین سے پہلے دفن کر دئے ہوتے اور اہل بیت کو احترام وتجلیل وتکریم کے ساتھ مدینہ بھجوائے ہوتے اور اگر ایکطرف دشمن کے سیاہ اعمال اور دوسری طرف بنیادوں کو ہلا دینے والی اہل بیت کی تبلیغات رونما نہوئے ہوتے تو لازمی طور پر شہادت امامؑ اور فاجعۂ کربلا دنیا میں اس صورت منعکس نہ ہوتا اور خود دشمنان امام حسینؑ بھی اس صورت ذلیل ورسوانہ ہوئے ہوتے۔ دراصل یہ بھی خدا کا کام تھا کہ دشمن نے خود ہی کربلا کے واقعہ کی پردہ دری کرنے والے بہترین مبلغین کو اسیر کیا اور انہیں شہروں میں پھرایا اور اس طرح اپنی رسوائی وذلت کا سامان خود ہی فراہم کیا۔

(تلخیص از مصدر فوق۔ ما قبل)

جی ہاں خدا نے انہیں نہیں چھوڑا کہ بنو امیہ سید الشہداء کو قتل بھی کریں اور تاریخ میں آبرومند معروف ہوں۔

خاندان رسالت کے اسیر اپنے ہدف سے آشنا تھے۔ انہوں نے ان تمام

مصائب و آلام میں بھی اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھا۔ جو بھی موقع ہاتھ لگا اس سے فائدہ اٹھایا۔ انہیں جہاں بھی جس مجمع میں لے جایا گیا انہوں نے خطاب کیا اور انہیں اپنی فتح کا یقین تھا۔ امام حسینؑ نے اپنے آخری وداع میں پُر ایمان اور پُر امید قلب کے ساتھ انہیں وصیت فرمائی تھی :

''مصیبت اور اسیری کے لئے آمادہ رہو لیکن جان لو کہ خدائے مہربان تم لوگوں کا پیہم محافظ ہے اور ہر حال میں تمہاری مدد کرے گا۔ جان لو کہ خدا تمہیں ان دشمنوں کے شر سے نجات دے گا۔ اور تمہارے کام کو بخیر وخوبی انجام تک پہنچائے گا۔ تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار کرے گا۔ اور ان بلاؤں اور مصیبتوں کے بدلے جو تم پر وارد ہوں گی خدا تمہیں نعمتوں اور گوناگوں کرامتوں سے نوازے گا۔ یاد رہے شکوہ و شکایت زبان پر نہ آئے اور کوئی ایسا کلمہ زبان سے ادا نہ ہو کہ جو خدا کے نزدیک تمہاری قدر و منزلت کو گھٹا دے''۔

(نفس المہموم ص ۱۸۸)

امام حسینؑ کی ان پر از حقائق گفتگو نے اپنے حرم کی خواتین اور بچوں کے دلوں کو قوت اور تحمل، بردباری بخشی۔ انہیں ان کے مقصد سے مزید آشنا کر دیا۔ بس یہی وصیت امامؑ تھی کہ اسیران اہل بیتؑ نے کمال بردباری سے اپنا فریضہ ادا کیا۔

دشمنوں نے خود اپنے ہاتھوں سے وہ کیا جو وہ نہ چاہتے تھے

دشمنان امامؑ جانتے تھے کہ اس تمام قدرت کے باوجود کہ حکومت انکے ہاتھ میں تھی اسلام کے اس مرد بزرگ کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہے اور ان کا یہ بے

رحمانہ قتل اور انکی بربریت ان کے لئے بہت گراں ثابت ہونگے۔ مسلمان اس طرح کے ناگوار واقعہ کے بعد سکون سے نہ بیٹھیں گے۔اس لئے شروع میں چاہتے تھے کہ جیسا بھی ہو امامؑ کو زندہ گرفتار کرلیا جائے اور ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔ اس طرح ان کی قدر و منزلت کو گھٹادیں اور لوگوں کے درمیان ان کی اہمیت نہ رہے۔ لیکن جب انہیں اس کام میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے امامؑ کو شہید کردیا۔ دشمن چاہتا تھا کہ جہاں تک ہوسکے اس قضیہ پر پردہ ڈال دیا جائے اور لوگوں کو اس سے بے خبر رکھا جائے تاکہ لوگوں کے متوقع ردّ عمل اور بغاوت کے احتمال سے امان رہے۔اس لئے یہ لوگ احتیاط کررہے تھے کہ نام امام حسینؑ نہ لیا جائے اور ان کے فضائل لوگوں کے درمیان بیان نہ ہوں بلکہ خارجی کے نام سے آپکو پکارا جائے۔

اسی بناء پر انہوں نے شہداء کے اجساد مطہر کو دفن نہ کیا۔ان پر نماز نہ پڑھی' یعنی (العیاذ باللہ) انہوں نے یہ دکھانا چاہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی احترام نہیں' حتی کہ ان کو دفن کرنا' ان پر نماز پڑھنا دینی فریضہ سے نہیں ہے۔

دوسری طرف اہل بیتؑ کو انتہائی دردناک' پست' خراب حالت میں قید کرکے کوفہ لائے تاکہ لوگ نہ جانیں کہ یہ کسی بزرگ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنان بن انس امام حسینؑ کو قتل کرنے کے بعد عمر بن سعد کے قریب گیا اور چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا:

"میری رکاب تک سونے وچاندی کے ڈھیر لگادو کہ میں نے اس عظیم آقا کو قتل کیا ہے۔ اسے قتل کیا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے نسب میں بہترین مرد تھا"۔

عمر بن سعد نے کہا: تو دیوانہ ہوا ہے اور ہاں ایسا دیوانہ کہ گویا کسی وقت عاقل نہ رہا ہو۔ پھر کہا: اسے میرے پاس لاؤ۔ جب اس کے پاس پہنچا تو عمر بن سعد کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے سنان کو مارا اور کہا دیوانے تو اس طرح گفتگو کرتا ہے۔ تو حسینؑ کو فضیلت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تو نے اس طرح ابن زیاد کے سامنے کہا تو وہ تیری گردن اڑا دے گا۔ ابن طلحہ مطالب السؤل میں نقل کرتا ہے کہ بشر بن مالک سر مبارک امام حسینؑ کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ جو شعر سنان بن انس نے عمر بن سعد کے سامنے پڑھا تھا بشر بن مالک نے ابن زیاد کے سامنے پڑھا۔ ابن زیاد اس پر غصہ ہوا اور کہا کہ جب تم جانتے تھے کہ حسینؑ اتنی فضیلتوں والا ہے تو انہیں قتل کیوں کیا؟ خدا کی قسم میری طرف سے تجھ کو کوئی انعام نہ دیا جائے گا اور تجھے بھی حسینؑ کے ساتھ ملحق کردوں گا پس ابن زیاد نے اسے قریب کھینچا اور گردن اڑا دی۔

یہ تمام باتیں اس کی نشاندہی کرتی ہیں کہ دشمنان امامؑ چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے حسینؑ کا نام نہ لینے دیا جائے۔ حتیٰ کہ امامؑ کے قاتلوں کی زبان پر آپ کے فضائل کہ آپ بہترین مخلوق خدا تھے نہ آئے۔ بلکہ اس طرح ظاہر کیا جائے کہ جس کو قتل کیا گیا ہے وہ ایک بے اہمیت اور عام شخص تھا جس کی تھوڑی سی بغاوت چونکہ امن عامہ کے لئے مضر تھی اس لئے اسے کچل دیا گیا اور باغیوں کو قتل کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب رہا ہے۔

لیکن ان تمام تدابیر اور احتیاط کے باوجود خود اپنے ہی ہاتھوں انہوں نے اپنی رسوائیوں کے مقدمات بھی فراہم کر دیئے۔ انہوں نے اہل بیت امامؑ کو اسیر کیا جنہوں نے اپنے فضائل اور قاتلان امام کے ان تمام ظلم و ستم کی لوگوں میں تبلیغ

کر دی۔ گلیوں میں ' بازاروں میں ' میدانوں ' دروازوں ہر جگہ جہاں بھی کوئی سننے والا پایا' اہل بیت نے اپنا تعارف کروایا۔ بنو امیہ کو رسوا کیا حتیٰ مجلس ابن زیاد میں اور یزید کے محل اور مسجد دمشق میں بھی اگرچہ بہت ہی کم وقت کیلئے بولنے کا موقعہ ملا لیکن ان فصیح و بلیغ اور توانا مبلغین کی تبلیغ قوت پکڑتی گئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آخر یزید اس تمام قضیہ پر پشیمان ہوا کہ ایسا کیوں کیا اور اس نے اقرار کیا کہ اہل بیت پیغمبرؐ کو اسیر کر کے کوفہ و شام کے بازاروں میں تشہیر کرنا غلط تھا۔ اور بہتر یہ تھا کہ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا تاکہ انہیں بازاروں' شہروں اور گلی کوچوں میں یزید اور بنو امیہ کے خلاف بولنے کا موقعہ نہ ملتا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اور ممکن نہ تھا کہ اہل بیت کی زبانوں سے نکلے ہوئے الفاظ کو لوگوں کے سینوں سے نکالا جا سکے اور ان پر توڑے گئے مظالم کے وہ دلخراش مناظر جو عوام نے دیکھے تھے ان کے ذہنوں سے محو کئے جا سکیں اور اہل بیت جن کے لئے آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے دوبارہ انہیں خارجی' آشوب گر اور فتنہ پرداز سمجھیں اور ان کا قتل جائز شمار کریں۔

عترت رسول خداؐ نے اپنی اسیری کے ذریعے عاشورا کی صحیح تاریخ کو حرف بہ حرف لوگوں کے سینوں میں ثبت کر دیا۔ بعد میں بنو امیہ کی خلافت اپنی رسوائیوں ، ظلم و ستم کو مسلمانوں کے ذہنوں سے دور نہ کر سکی یہانتک کہ خیام کی غارت گری اور شیر خوار بچوں کا قتل جو ان کی وحشت و بربریت کی سب سے بڑی سند تھی صفحہ تاریخ سے محو نہ کر سکی۔

اور جب تاریخ لکھنے والوں نے قلم اٹھا کر چاہا کہ واقعۂ کربلا کو صفحۂ قرطاس پر لائیں تو انہوں نے جو کچھ لوگ جانتے تھے ان سے مدد لی اور واقعہ کربلا کے ہر چھوٹے بڑے جز کو آئندہ لوگوں کے لئے ضبط تحریر کیا۔ مثلاً مورخین نے لکھا کہ

امام حسینؑ کا پیراہن مبارک اسحٰق بن حیوۃ حضرمی نے آپکے جسم سے اتارا۔ آپؑ کے زیر جامہ کو ابجر بن کعب نے لے لیا۔

(طبری اور لہوف میں بحر بن کعب اور ارشاد مفید میں بجر بن کعب لکھا ہوا ہے۔)

آپؑ کا عمامہ اخنس بن مرثد لے گیا۔ بنو دارم کے ایک آدمی نے آپکی تلوار لوٹی۔

(ارشاد مفید ص ۲۲۶)

آپؑ کا قطیفہ جو خز کا بنا ہوا تھا وہ قیس بن اشعث لے گیا۔ اور بعد میں اسے قیس قطفیہ ہی کہتے تھے۔ یہ عمل اسکا لقب ہو گیا تھا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۶)

آپؑ کی نعلین مبارک کو اسود بن خالد اور آپ کی انگوٹھی کو بجدل بن سلیم کلبی نے لوٹا۔

(لہوف ص ۷۷-۷۶)

امامؑ کے جسد مبارک میں تینتیس نیزہ کے زخم، تلوار کے چونتیس زخم گنے گئے۔

(لہوف ص ۷۷-۷۶)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ عمر بن سعد کے لشکر کے دس بدترین خلائق کمینوں نے امامؑ کے جسد مطہر کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ ان ملعونوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسحٰق بن حیوہ ۲۔ اخنس بن مرثد ۳۔ حکیم بن طفیل ۴۔ عمرو بن صبیح ۵۔ رجاء بن منقذ ۶۔ سالم بن خثیمہ ۷۔ داحظ بن ناعم ۸۔ صالح بن وہب ۹۔ ہانی بن شبث ۱۰۔

واسید بن مالک' لعنهم اللہ۔

اور یہ اضافہ کیا کہ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ تمام کے تمام دس افراد زنازادہ تھے۔

(لہوف ص ۸۱۔۸۰۔ طبری ج ۴ ص ۳۴۷ پر اور مفید ارشاد میں ص ۲۲۷ پر دس نفر کا تذکرہ ہے لیکن صرف پہلے دو کا نام لکھا ہے۔ اخنس بن مرثد کو طبری میں اجش لکھا گیا ہے)

اسی طرح اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جس نے امام حسینؑ کے شیر خوار بیٹے کو تیر لگایا وہ کون تھا۔ جنہوں نے امامؑ کے لئے پانی کی بندش لگائی وہ کون تھے اور ان کا سردار کون تھا۔ اہل بیت کو اسیر کر کے شام کون لوگ لے گئے۔ یہ تمام جزئیات اس واقعہ کربلا کے ہیں کہ جنہیں تاریخ نے ثبت کر لیا ہے۔ امام حسینؑ کے دشمن کے ہاتھ سے انہیں چھپانے یا ان میں تحریف کرنے کی جرأت چھین لی ہے۔

یہ تمام ان لوگوں کی جنایات اور نظائر تھے کہ جنہوں نے بنو امیہ کے معاملہ کو اسلام سے بالکل جدا کر کے رکھ دیا۔ اور اس طرح پھر کسی کو اس بوڑھے آدمی کی طرح غلط فہمی نہ ہو سکی جس نے امام سجادؑ سے بازار شام میں کہا تھا: میں اس خدا کی حمد و ثناء کرتا ہوں کہ جس نے تمہاری فتنہ انگیزی اور بغاوت کی ڈال کاٹ ڈالی اور امیر المومنین یزید کو تم لوگوں پر فتح دی۔

کوفہ کے حالات کا دگرگوں ہونا

سب سے پہلا موقعہ امامؑ کے اہل بیتؑ کو تب ہاتھ آیا جب آپؑ لوگ کوفہ شہر میں داخل ہوئے۔ کوفہ کے لوگوں نے اسیروں کے بچوں کی دلخراش حالت دیکھی اور انہیں روٹیاں اور کھجوریں دیدیں۔ جب امیر المومنینؑ کی بیٹی جناب اُم کلثومؑ نے یہ دیکھا تو انہوں نے اہل کوفہ سے بآواز بلند فرمایا: "یا اھل الکوفۃ ان

الصدقة علینا حرام "۔اے اہل کوفہ صدقہ ہم آل محمدؐ پر حرام ہے' خاندان رسالت کے ان یتیم بچوں کو صدقہ نہ دو۔اور اس کے بعد آپؑ نے بچوں سے صدقہ کی کھجوریں وغیرہ لے کر حتی کہ بچوں کے منہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیں۔
(نفس المہموم ص ۲۱۳)

آپؑ کے اس عمل نے جہاں آپ کی بلند ہمتی کا سبق دیا وہاں تماشائیوں کی فکر کو بدل دیا۔اسیروں کی پاکیزگی اور بزرگی کو روشن کیا۔شاید اس واقعہ کا اثر تھا کہ بقول سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ کہ ایک عورت نے اپنی چھت سے صدا دی اور قیدیوں سے پوچھا: اے قیدیو تم لوگ کون ہو؟ اپنا تعارف کراؤ۔اہل بیتؑ نے جو ایسے ہی موقع کے منتظر تھے جواب میں فرمایا: "ہم اسیران آل محمدؐ ہیں۔خدا جانتا ہے شاید یہ مختصر سا جملہ تھا جس نے سننے والوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا پس ابن طاؤس تحریر کرتے ہیں کہ کوفہ کے لوگوں نے رونا اور نوحہ خوانی شروع کر دیا۔

مناسب موقعہ تھا کہ امام سجادؑ' جناب زینب کبریٰؑ' جناب ام کلثومؑ اور جناب فاطمہ صغریٰ نے اس جگہ کلام کیا اور کوفہ کے لوگوں کو اسقدر منقلب کر دیا کہ تماشائی کئی بار دھاڑیں مار مار رو دیئے۔جب انکے مردوں اور عورتوں کے گریہ کی آواز بلند تھی امام سجادؑ نے ایک بار ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ تو لوگ خاموش ہو گئے۔امام سجادؑ نے حمد و ثنائے باری تعالیٰ اور رسول خداؐ پر درود کے بعد فرمایا:

"میں علی بن الحسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ ہوں۔میں اس کا بیٹا ہوں جس کی بے حرمتی و بے ادبی کی گئی اور اس کے بدن کو عریاں چھوڑ دیا گیا۔اس کے مال و اسباب کو لوٹ لیا گیا۔اس کے اہل بیت کو اسیر کر کے لائے۔میں

اس کا بیٹا ہوں نہر فرات کے کنارے جس کا سر تن سے جدا کیا گیا جبکہ اس نے نہ تو کسی کا خون بہایا تھا اور نہ ہی کسی کا حق اس کی گردن پر تھا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو صبر و استقامت کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ اور جب ان میں مقابلے کی تاب نہ رہی تو انہیں شہید کر دیا گیا۔ اور ہمارے لئے یہی فخر کافی ہے کہ دیگر عوام کی طرح ہم نے سکوت نہیں اختیار کیا اور یزید کی بیعت نہیں کی اور راہ خدا میں اس قدر ثابت قدم رہے کہ ہمارا خون بہادیا گیا اور ہم دشمنوں کی اسیری میں آگئے۔"

"اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم ہے کیا تم نہیں جانتے کہ تم لوگوں نے میرے والد کو خطوط لکھے تھے اور انہیں دھوکا دیا۔ ان کے ساتھ عہد و پیمان کئے' بیعت کی اور پھر خود ہی ان کے ساتھ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم لوگوں کو موت آئے اپنے اس عمل سے جو تم نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے۔ بدبختی ہی بدبختی ہے تمہاری اس تدبیر پر جو تم نے اختیار کی۔ کل قیامت میں رسول خدا (ص) کا سامنا کن نگاہوں سے کرو گے جب وہ تم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہیں گے: تم نے میرے اہل بیت کو قتل کیا اور ان سے میرے رشتے کی بے حرمتی کی' پس تم لوگ میری امت سے نہیں ہو"۔

راوی کہتا ہے کہ جب امامؑ کا کلام یہاں تک پہنچا تو جمعیت کے ہر گوشہ و کنار سے آوازیں بلند ہوئیں' لوگ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ تم نے برا کیا' خود کو ہلاکت میں ڈال دیا اور نہ جانا۔ امام سجادؑ نے لوگوں کے اس شور گریہ و بکا اور آہ و نالہ میں جو ہر لحظہ بڑھتا جا رہا تھا فرمایا: "خدا رحمت نازل کرے اس فرد پر جو میری

نصیحت قبول کرے اور میری وصیت پر خدا، رسول خداؐ اور اہل بیت پیغمبرؑ کے بارے میں عمل کرے کیونکہ ہم لوگ ہی ہیں جن پر رسول خداؐ کی پیروی ضروری ہے۔

لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور سب نے کہا: اے فرزند رسولؐ خدا ہم سب آپ کے فرمان کو سن رہے ہیں اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں اور ہم آپؑ سے کیئے گئے وعدوں پر کسی دوسری طرف توجہ کئے بغیر قائم رہیں گے۔ آپؑ پر خدا کی رحمت ہو، آپؑ جو چاہتے ہیں وہ فرمایئے، آپؑ جس کے ساتھ جنگ چاہتے ہیں اس سے لڑیں گے اور جس کے ساتھ صلح و آشتی چاہتے ہیں ہم بھی اس کے ساتھ صلح و آشتی کریں گے۔ یقیناً یزید لعنۃ اللہ علیہ کو گرفتار کریں گے اور وہ لوگ جنہوں نے آپؑ پر ظلم کیا ہے ان سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔

امام سجادؑ نے فرمایا "افسوس صد افسوس اے پیمان شکنو، اے حیلہ گرو تم کبھی کامیاب نہ ہو گے جو تمنا رکھتے ہو نہیں پاسکو گے۔ آیا تم لوگ میرے ساتھ بھی وہی کرنا چاہتے ہو جو میرے باپ اور دادا کے ساتھ کیا ہے؟ نہیں۔ خدا کی قسم ابھی میرے دل کے زخم ہرے ہیں، کل ہی میرے والد صلوات اللہ علیہ اور انکے اہل بیت مارے گئے ہیں۔ ابھی رسول خدا (ص) کا داغ، میرے والد کا داغ اور انکے اعزا و انصار کے داغ ہماری یاد سے محو نہیں ہوئے۔ ان دکھوں اور زخموں کی وجہ سے میرا دم سینے میں رکتا ہے۔ ان غموں کی تلخی ابھی میرے تالو میں باقی ہے۔ ان کے غم و غصہ سے میرا سینہ چور ہے۔ اور ان کی جدائی میرے لئے نہایت شاق ہے۔ میں تم سے فقط یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ نہ ہمارے ساتھ رہو، نہ ہمارے خلاف رہو، نہ ہماری مدد کرو اور نہ ہی ہمیں قتل کرو۔

پھر امام سجادؑ نے چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے :

"میرے والد امام حسینؑ کو شہید کر دینا تعجب انگیز نہیں ہے جبکہ ان کے والد حضرت علیؑ جو ان سے بہت اعلیٰ تھے کیا انہیں قتل نہ کیا گیا تھا؟ اے کوفیو تم لوگ حسینؑ کے قتل ہو جانے سے خوش نہ ہونا کیونکہ قتل حسینؑ ایک بہت بڑا گناہ اور خطا تھی جس کا تم نے ارتکاب کیا ہے۔ میری جان میرے والد پر قربان ہو جو نہر فرات کے کنارے شہید کر دیئے گئے۔ ان کے قتل کرنے والوں کی جزا جہنم کی آگ ہے۔ آپؑ نے اسکے بعد فرمایا ہم تم سے راضی ہوں گے اگر تم نہ تو ایک روز ہمارے ساتھ رہو اور نہ ہی ایک روز ہمارے خلاف' نہ ایک روز ہماری مدد کرو اور نہ ہی ایک روز ہمارے خلاف جنگ کے لئے اٹھو"۔

(نفس المہموم ص ۲۱۳)

آخری جملہ اسی مطلب کی تکرار ہے جو امامؑ نے ان اشعار کے کہنے سے قبل کہے تھے۔ امامؑ کو اس بات کا انتظار نہ تھا کہ اہل کوفہ اس وقت امامؑ کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ان کے والد کے قاتلوں سے انتقام لیں۔ حکومت آل ابی سفیان کو تاراج کریں۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہی نہ تھا بلکہ امامؑ یہ چاہتے تھے کہ واقعہ کربلا روشن اور تابان ہو۔ قیام امام حسینؑ کا مقصد لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے اور لوگ جان لیں کہ اس انقلاب سے امامؑ کی غرض محض احیاء دین اور حق و عدالت کا اجراء ہی تھا ورنہ امام حسینؑ بھی دوسروں کی طرح خاموش بیٹھ جاتے۔ امام حسینؑ کا یزید کے ساتھ جنگ کرنا اصل میں نور و ظلمت کی جنگ تھی' عدالت و ظلم کی جنگ تھی اور یہ بھی جان لیں کہ حکومت آل ابی

سفیان جو لوگوں کی رہبری اور فلاح و بہبود کا دعویٰ کرتی ہے سوائے ظلم و ستم اور دنیا پرستی کے کچھ نہیں رکھتی۔ اور اپنے ظلم کے بنے ہوئے ریشم کے کویے میں لوگوں کو لے جاتے ہیں اور روز بروز اس کے تاروں کو کھینچتے ہیں اور اس طرح اس جال میں لوگوں کی دین و دنیا کو جکڑ کر ویران کر رہے ہیں۔

امام سجادؑ کی باتوں نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑا' ان کے ہنستے ہوئے چہرے جو بغرض تماشا آئے تھے افسردہ ہو گئے۔ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کی' زار و قطار روئے۔ امامؑ سے مدد کا وعدہ کر رہے تھے۔ یہ سب ظاہر کر رہا تھا کہ ان کے افکار دگرگوں ہو گئے تھے' امام حسینؑ ان کی نظر میں فرشتۂ عدالت کی صورت ہو گئے تھے اور یزید ظلم و ستم کا مجسم دیو بن گیا تھا۔

کوفہ میں جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیھا کا خطبہ

اس روز کے جملہ خطاب کرنے والوں میں زبردست خطیب امام حسینؑ کی جانثار بہن جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیھا تھیں۔ انہوں نے اپنے بلیغ بیان کے ذریعے کربلا کے جگر خراش واقعات' امام حسینؑ کے قیام مقدس کے عظیم مقاصد اور قاتلان امام حسینؑ کے ظلم و ستم کو لوگوں کے سامنے بہترین انداز میں پیش کیا' بشیر بن خزیم نامی شخص کہتا ہے کہ جناب زینب کبریٰؑ سے بہتر سخنور خاتون میں نے نہیں دیکھا ہے۔ خدا کی قسم آپؑ اس طرح سخن رانی کر رہی تھیں جیسے یہ آتشین کلمات زبان علیؑ سے ادا ہو رہے ہیں۔ سینے میں نیچے کی سانس نیچے اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ یہاں تک کہ اونٹوں کے گلے کی گھنٹیوں کی صدا خاموش ہو گئی۔ اس مکرمہ نے بعد از حمد خدا' درود بر رسولؐ و خاندان طاہرین اس طرح ارشاد فرمایا:

"امابعد۔ اے اہل کوفہ 'اے مکرو فریب والے لوگو! کیا تم ہم پر رو رہے ہو؟ تمھاری آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہیں اور تمھارے نالۂ غم ہر گز ختم نہوں' تمہاری کہانی اس عورت کی سی ہے جو محنت سے اون کاتتی تھی اور خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ تم اپنے پیمان سے دوسروں کو دھوکہ دیتے ہو 'آیا تم خود پسندی' عیب جوئی 'کینہ سے بھرا سینہ 'کنیزوں جیسی چاپلوسی اور دشمنوں کے طعنوں کی طرح طعنہ زنی کے علاوہ بھی کچھ رکھتے ہو؟ تم اس گھاس کی مانند ہو جو گھور پر اگ آتی ہے یا تم اس گچ (سفیدی) کی طرح ہو جس سے قبر کو زینت دیتے ہیں اور اسے سفید کرتے ہیں۔ تم نے آخرت کے لئے برا توشہ بھیجا ہے۔ اسلئے تمہارے فریب سے خدا ناراض ہے اور عذاب جہنم میں ہمیشہ رہو گے۔ کیا تم ہم پر روتے ہو؟ ہم پر آنسو بہاتے ہو؟ خدا کی قسم تم بہت روؤ اور ہنسی تمہارے لئے بہت کم رہ جائے کیونکہ تم نے اپنے دامن پر ذلت ورسوائی کا دھبہ ڈال لیا ہے جو دھوئے دھوئے نہ چھوٹے گا اور کس طرح تم لوگ اپنے دامن سے خاتم النبیینؐ کے فرزند' معدن رسالت 'جوانان جنت کے سردار' کے قتل کے داغ کو دھو سکو گے حالانکہ وہ نیکوکاروں کی پناہ گاہ' بلاؤں سے بچانے والے راہ نمائے دین ودنیا اور تمہارے لئے آموزگار شریعت تھے۔

جان لو تم نے آخرت کے لئے برا عذاب ذخیرہ کر لیا ہے۔ تم کو موت آئے' تم زمانے کے حوادث کی چکی میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس جاؤ۔ تمہاری سعی اور کوشش کا انجام ناامیدی ہو۔ تمہارے ہاتھوں نے سوائے ہلاکت کے اپنے لئے کچھ حاصل نہ کیا۔ تم نے اس سودے سے

سوائے گھاٹے کے کچھ حاصل نہ کیا۔ تم نے خدا کے غضب کو اپنے لئے لازم کر لیا ہے اور ذلت اور درماندگی تمہارے لئے حتمی ہو گئی۔

تف ہو تم پر! آیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسولخدا (ص) کے کس جگر کو شگافتہ کر دیا ہے اور تم نے کس کی ذریت کو اسیر کیا ہے؟ رسولؐ کے کس خون کو بہایا ہے؟ تم نے رسولؐ کی کس حرمت کو برباد کیا ہے؟ تم لوگ ایک عجیب واقعہ اور عظیم سانحہ کو وجود میں لائے ہو جو بزرگی میں زمین ہے اور وسعت میں آسمان ہے۔ کیا تم تعجب کرو گے کہ آسمان خون برسائے؟ آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کن ہے اور وہاں کوئی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔ یہ مہلت جو تم لوگوں کو ملی ہے اس پر خوش و مغرور نہ ہو۔ یاد رکھو خدا سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور نہ ہی انتقام کا وقت گزرنے کا اسے ڈر ہوتا ہے اور خدا گھات میں ہے۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے اس دن لوگوں کو اس طرح حیران و سرگردان دیکھا کہ انہوں نے ندامت و حسرت سے اپنی انگلیاں دانتوں میں دبالی تھیں۔ ایک بوڑھا آدمی جو میرے پہلو میں کھڑا تھا وہ خطبہ جناب زینب علیھا کو سن کر اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وہ کہتا تھا میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں اے خاندان رسالت آپ کے بزرگ بہترین بزرگ، آپ کے جوان بہترین جوانان جہاں اور آپ کی عورتیں بہترین زنان جہاں اور آپ کی نسل بہترین نسل ہے۔ جو خوار اور ابتر نہیں ہو سکتی۔

(لہوف ص ۸۶۔۸۸)

اس روز زبردست خطاب کرنے والوں میں جناب فاطمہ صغریٰ اور پھر جناب

اُم کلثوم دختر حضرت امیر المومنینؑ تھیں۔ ان دونوں زنان محترم نے بھی پاکی اور عظمت امام حسینؑ اور خاندان رسالت کا ذکر کیا۔ بنو امیہ کے ظلم و ستم اور قاتلین امام حسینؑ کی وحشت و بربریت کو بہترین انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جی ہاں عترت پاک رسالت کے آتش بار کلمات اور خطبات نے اس لائق نہ چھوڑا کہ کوفہ میں واقعہ کربلا کا بخوبی استقبال ہو بلکہ عمومی فکر تشنج کا شکار ہو گئی جو ابن زیاد کے لئے تشویش اور نگرانی کا باعث ہوئی۔

مجلس ابن زیاد پر ایک نظر

اب نوبت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں عترت رسول خدا(ص) نے دربار ابن زیاد میں کس شہامت سے گفتگو فرمائی، اور کس سربلندی اور فتح و کامرانی سے اس دربار سے باہر آئے۔ ایک ایسے آدمی کا تصور کیجئے جو لالچی، ستمگر، آدمخور، خود پرست، ناپاک، مغرور عین حال میں کہ بظاہر فاتح و مسلط اپنے چند ساتھیوں، ملازموں، مطیع جلادوں کی جماعت کے ساتھ اپنے محل میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایسے ظالم کے حضور حق گوئی اور اس کی سیاہ کاریوں پر اعتراض کرنے کے لئے شیر کا دل اور مافوق انسانی قوت چاہئے تھی۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ جناب زینب کبریٰؑ نے کس طرح اسے شرمندہ و سرافگندہ کر دیا۔ ابن زیاد کے مامور افراد اسیروں کو اس کے روبرو لائے۔ اس دن دارالامارہ میں سب کو آنے کی اجازت تھی اور جو بھی چاہتا تھا دربار میں داخل ہو کر اسیروں کی دلخراش حالت اور ابن زیاد کا اسیروں کے ساتھ سلوک کا تماشا کر سکتا تھا۔

مغرور ستمگر نے اپنے غرور و ظلم سے بیخود ہو کر ایسے افعال انجام دیئے کہ جن سے اس کی پستی اور پلیدی آشکار ہو گئی اس نے ابا عبداللہ کے سر مبارک کو اپنے

برابر ایک طشت میں رکھا ہوا تھا وہ آپؑ کے سر مبارک پر نگاہ کر کے ہنس رہا تھا اور اپنی چھڑی آپؑ کے دندان مبارک پر مار رہا تھا۔

زید بن ارقم صحابئ رسولؐ وہاں موجود تھے وہ اس بے ادبی کو دیکھ کر تاب نہ لا سکے اور انہوں نے بآواز بلند کہا: اے ابن زیاد اپنی چھڑی ابا عبداللہ کے لبوں سے ہٹا لے۔ خدا کی قسم کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں، میں نے رسولؐ اللہ کو ان لبوں کے بوسے لیتے ہوئے اتنی بار دیکھا ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا اور یہ کہتے کہتے ان کو ضبط کا یارا نہ رہا اور اس طرح رونے لگے کہ آنسو گلوگیر ہو گئے۔ اپنی بات جاری نہ رکھ سکے۔

ابن زیاد ان پر برہم ہوا اور کہنے لگا کہ خدا تمہاری آنکھوں کو رلائے۔ کیا تم اس لئے روئے ہو کہ خدا نے ہمیں فتح دی ہے؟ اگر تم کم عقل اور بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمھاری گردن اڑا دیتا۔ زید ابن ارقم کو اب اس سے زیادہ صبر و ہمت نہ تھی پس آپ اس دربار سے باہر چلے گئے۔

(ارشاد مفید ص ۲۲۸)

ابن زیاد نے زید ابن ارقم کی بات کو اہمیت نہ دی اور انہیں قتل کی دھمکی دی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ مجلس کی یہ صورت تاریخ کے صفحات کو زینت بخشے گی اور آنے والی نسلیں فیصلہ کریں گی۔ نتیجۃً دنیا والے اس کی اور یزید کی ستمگری کو زیر حساب لائیں گے۔ تاریخ میں انہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے نہ جانا جائے گا۔ لیکن ایک ظالم و جابر ستمگر کا ذہن بھلا ان باتوں کو کیسے سوچ سکتا تھا۔ وہ جو شرافت اور انسانیت کو حُبِّ جاہ اور درہم و دینار کی محبت پر پامال کر چکا تھا جس کی فکر نارسا اور عیوب شہوات و خواہشات دنیا کی قید سے آزاد نہ ہو سکتی تھی وہ بھلا کیسے ان حقائق

کے دوررس نتائج پر نگاہ کر سکتا تھا۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا سادہ اور کہنہ لباس میں مجلس ابن زیاد میں وارد ہوئیں۔ آپؑ قصر کے ایک گوشہ میں جاکر بیٹھ گئیں۔ آپ کی کنیزوں نے آپؑ کے گرد حلقہ بنالیا۔ ابن زیاد نے کہا یہ عورت جو کنیزوں کے ساتھ ایک کونے میں چلی گئی ہے کون ہے؟ اس عظیم خاتون نے جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے دوبارہ سوال کیا۔ آپکی کنیزوں میں سے ایک نے جواب دیا: یہ زینبؑ دختر فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ خدا ہیں۔ ظاہر تھا کہ ابن زیاد خاموش نہ رہا ہوگا۔ اور اپنی بیہودہ گوئی کی ہوگی اور اس وقت لازم تھا کہ جناب زینبؑ کبریٰ کمال صبر و شکیبائی، اعتماد نفس کے ساتھ اسے جواب دیں۔ کیونکہ اگر اسے جواب نہ دیا جاتا تو یہ اسیروں کی شکست پر منتھی ہوتا۔

بعض ظالم و ستمگر اپنی شقاوت و ستمگری کے باوجود ذاتی طور پر ذلیل و پست نہیں ہوتے۔ یعنی کلی طور پر اصول انسانیت کو پامال نہیں کرتے۔ مثلاً اگر کسی کو قتل کرتے ہیں اس کا لباس نہیں لوٹتے۔ اگر قتل و غارت گری کے وقت کوئی عورت یا بچہ ان سے دست کش ہونے کی التماس کریں تو وہ اس کام سے باز آجاتے ہیں۔ لیکن ایسے بھی ہوتے ہیں جو ستم ڈھانے کے وقت انتہائی پست و ذلیل ہوتے ہیں، وہ کسی بھی خلاف انسانیت کام سے دریغ نہیں کرتے۔

مشہور ہے کہ چنگیز خان نے ایک دن اپنے سپاہیوں سے پوچھا: تم لوگوں میں کس کو اب تک کی جنگوں میں کونسے محاذ پر کسی فرد پر رحم آیا؟ ایک سپاہی نے جواب دیا کہ ایک بار جب میں ایک گھر میں داخل ہوا اور میں نے ایک شیر خوار بچے کے منہ میں اپنا نیزہ چبھویا تو وہ بچہ اس تصور میں تھا کہ یہ پستان مادر ہے، اس بچے نے چاہا کہ چوسے میں نے گلے کو چیر دیا۔ لیکن مجھے دلی دکھ ہوا۔ چنگیز نے حکم دیا کہ

سر بازار اس سپاہی کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جو اس صورت حال میں رحم کھا جائے وہ سپاہی جنگ میں لڑنے کے لائق نہیں۔

(الجزائر نوشتہ حسن صدر)

مشہور فرانسیسی سردار (بوژو) کے خلاف جب الجزائر کے لوگوں نے قیام کیا تو اس نے حکم دیا کہ جن غاروں اور پناہ گاہوں میں حریت پسند ٹھکانہ کرتے ہیں ان کے دہانوں اور مخرج کو سوکھی لکڑیوں اور پتوں سے بھر دیں اور تیل اور دیگر آتشگیر مادہ چھڑک کر آگ لگادیں تاکہ یہ لومڑیاں وہیں جل کر راکھ ہو جائیں۔ اس کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا اور بہت سے مجاہدین اس طرح اس کے حکم سے جلا دیئے گئے۔

(الجزائر نوشتہ حسن صدر)

لژیون فرانسیسی نے الجزائر کی خونین تحریک انقلاب کو دبانے کے لئے محنت کش غریب عوام اور مزدوروں کو اس پر مامور کیا اور جب انہیں کافی نہ پایا تو اس نے ۲ ہزار تربیت یافتہ خونی کتوں کو تیار کیا تاکہ یہ مزدور سپاہی جہاں ذرا بھی توقف کریں تو کتے ان کی عورتوں اور بچوں پر چھوڑ دیئے جائیں۔ لیکن یہ دوسرے درجہ کے ظالموں کے نمونۂ اعمال ہیں۔

(الجزائر نوشتہ صدر)

ہم اپنے مطلب سے دور نہ ہو جائیں۔ ابن زیاد اپنی ستمگری میں آگے نکل گیا تھا۔ بنیادی طور پر ایک نہایت پست اور ناپاک آدمی تھا۔ کربلا میں امام حسینؑ نے خطبے کے دوران اس کو (دعی ابن الدعی) سے تعبیر دیا۔ دعی جو خود ساختہ اور منہ بولا بیٹا ہو اور جس کا نسب پاک نہ ہو۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اس کا باپ زیاد زنا سے

متولد ہوا تھا اور اس کی ماں مرجانہ ایک بدکار، آوارہ عورت تھی۔ سراقہ باہلی نے اپنے شعر میں اسکی ماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ زیاد جہاں بھی ہو خدا اس پر لعنت کرتا ہے۔ اور اس طرح لعنت کرتا ہے اس کے بیٹے پر اور اس کی بیوی پر جس کے بہت سے نامشروع شوہر تھے۔

(تحفۃ الاحباب ص ۲۰۴ لعن الله حیث حل زیاداً اور ابنه والعجوز ذات البعول)

شاید یہی وجہ ہے کہ جناب زینبؑ جیسے ہی اس کے دربار میں داخل ہوئیں تو آپؑ ایک گوشہ میں جاکر بیٹھ گئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں۔ کیونکہ آپؑ جانتی تھیں کہ کس رذیل ستمگر کے سامنے ہیں۔ ابن زیاد میں اگر مردانگی اور ذراسی بھی نجابت ہوتی تو وہ اسیروں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا۔ ان کے زخموں پر نمک پاشی نہ کرتا۔ انہیں طعنے نہ دیتا اور فرزند رسول خداؐ کے قتل کو اپنی فتح نہ شمار کرتا۔

بہر حال جیسے ہی اس نے جناب زینبؑ کو پہچانا بولا : ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے وارثوں کو قتل کیا اور تمہیں رسوا کیا، تمہارے جھوٹ کو ظاہر کیا“ اس کا خیال تھا کہ جناب زینب کبریٰؑ اس سے برابری کے بجائے سرافگندہ و خاموش رہیں گی اور اس سے گفتگو کرنے کے لئے زبان نہ کھولیں گی۔ لیکن جناب زینب سلام اللہ علیہا حضرت علیؑ کی بیٹی نے کمال شہامت کے ساتھ اسے جواب دیا :

”الحمدلله الذی اکرمنا بنبیہ محمد صلی الله علیه واله وسلم وطهرنا من الرجس تطهیراً انما یفتضع الفاسق ویکذب الفاجر وهو غیرنا والحمدلله“۔

”خدا کی حمد و ثنا کہ جس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کے ساتھ ہمیں عزت عطا کی اور ہمیں ہر طرح کی پلیدی و آلائش سے

پاک رکھا۔ رسوائی فاسق کے لئے ہے اور جھوٹ فقط نابکار انسانوں کے لئے ہے اور خدا کا شکر ہے کہ فاسق و فاجر دوسرے ہیں ہم نہیں"۔

ابن زیاد اس سخت جواب سے حواس باختہ ہو گیا اور اس کی بد طینتی کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ اس نے کہا: دیکھا تم نے خدا نے تمہارے بھائی اور خاندان کے ساتھ کیا کیا؟ جناب زینب کبریٰ نے جواب دیا:

"میں نے نیکی و بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، کوئی نیا کام انجام نہیں پایا، میرے خاندان کے شہید ہونے والے افراد وہ ہیں کہ ان کی شہادت خدا کی مشیت سے متعلق تھی اور وہ اپنی خوابگاہوں کو چلے گئے۔ لیکن جلد ہی قیامت کے دن خدا تجھے اور ان تمام شہیدوں کو ایک جگہ جمع کرے گا تاکہ تمہارے اس ظلم کا حساب تم سے لیا جائے۔ اس دن کے منتظر رہو اور جان جاؤ گے کہ نجات و رستگاری کن کے حصے میں آئی۔ تیری ماں تیرے ماتم میں روئے اے مرجانہ کے بیٹے!"۔

(ارشاد مفید ص ۲۸۸۔ نفس المہموم ص ۲۱۷۔ لہوف ص ۹۵)

جناب زینب کبریٰ نے اپنی گفتگو کے ذریعے اس فاسق و فاجر کی پہچان کروائی اور خاندان رسالت کا تعارف پیکرہای نورانی اور پاکیزہ انسانوں کی حیثیت سے کروایا۔ ابن زیاد کو ذرا بھی توقع نہ تھی کہ اس کو اس طرح سر دربار رسوا کر دیا جائے گا کہ یوں کہا جائے "هبلتك امك" تیری ماں تیرے ماتم میں روئے۔ عربوں کے درمیان یہ جملہ نہایت سخت اور ذلت آور سمجھا جاتا ہے۔ جو بھی کسی دوسرے کو یہ جملہ کہتا ہے تو منظور یہ ہوتا ہے کہ تیری ماں نے ایک نالائق اور نااہل فرزند کو جنم دیا ہے کہ جس پر فخر و مباہات کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ وہ بیٹا مر جائے اور اس

کی ماں اس کی عزا میں بیٹھے اور روئے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے دوسری ہولناک ضربت اس پر یہ کہہ کر لگائی کہ اس کی ماں کا نام مرجانہ تھا اور اس کی رسوائی کی صدا سے لوگوں کے کان بھرے ہوئے تھے۔ اس کو یا ابن مرجانہ کہہ کر خطاب کیا۔ مصنف بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی مجلس ابن زیاد کے اس منظر کو اور جناب زینبؑ کی اس گفتگو کو تصور میں لاتا ہوں تو اس دلیر و شجاع خاتون کی عظمت اور استقامت میرے تصور میں آتی ہے کہ واقعاً جناب زینبؑ دلگیر کو کس قدر قوت قلب اور شہامت اور شیر دلی چاہئے تھی وہ بھی ایک اسیر اور گرفتار خاتون ابن زیاد جیسے ظالم و ستمگر کے سامنے کھڑی ہو سکے وہ اس طرح درشت و محکم جواب دے۔ صفحات تاریخ کو الٹتے جائیں کہیں پر بھی حتیٰ برائے نمونہ نہ ملے گا جہاں جناب زینب کبریٰؑ اور جناب امام سجادؑ نے ابن زیاد' یا یزید کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کیا ہو۔ جب بھی گفتگو فرمائی یا تو خالی یا ابن زیاد' یا یزید ہی زبان پر لائے۔

ابن زیاد نے جب یہ محکم اور درشت جواب سنا تو اس کے اندر آگ بھڑک اُٹھی اور وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اگر عمرو بن حریث جو اس مجلس میں حاضر تھا شفاعت کے لئے نہ اٹھتا تو ممکن تھا کہ وہ خواہر امام کے قتل کا حکم صادر کر دیتا۔ لیکن اسکے باوجود ابن زیاد غصہ سے بھسم ہو رہا تھا' شرمندگی اور رسوائی کی آگ سے اسے اپنے اوپر اختیار نہ رہا۔ پس اس نے چلا کر کہا: "خدا نے تیرے بھائی حسینؑ اور تیرے خاندان کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشا"۔

جناب زینب کبریٰؑ نے جواب دیا: ہاں مجھے اپنی جان کی قسم تو نے میرے بہادروں کو قتل کیا ہے' تو نے ہمارے خاندان کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ تو نے

ہماری شاخیں کاٹ ڈالیں اور ہماری جڑیں اکھاڑ دیں۔ اگر تیرے دل کو شفا اسی میں تھی تو یقیناً تو نے شفا پالی ہے۔

(ارشاد مفید ص ۲۲۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۶)

اس کے بعد امام سجادؑ کو اس کے سامنے لایا گیا۔ اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ امامؑ نے فرمایا: میں علیؑ بن الحسینؑ ہوں۔ وہ بولا مگر کیا خدا نے علی بن الحسینؑ کو کربلا میں قتل نہیں کیا؟ امامؑ نے فرمایا: وہ میرا بھائی تھا علی نام کا جسے لوگوں نے کربلا میں قتل کر دیا۔ (یعنی امامؑ نے فرمایا کہ ان کے قتل کو خدا سے نسبت نہ دے ان کے قاتل آدمی تھے)۔ اس نے کہا نہیں بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا ہے۔ امامؑ نے اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"الله یتوفی الانفس حین موتها"۔

"خداوند ہنگام مرگ روح کو قبض کرتا ہے لیکن ان کو قتل کرنے والا خدا نہیں ہے"۔

ابن زیاد امامؑ کے باربار مدلل جواب سے برہم ہو گیا اور بولا اب بھی تم میں جرأت ہے کہ تم میرے سامنے میری باتوں کا جواب دیتے ہو؟ لے جاؤ اسے اور اس کی گردن اڑا دو۔

(ارشاد مفید ص ۲۲۸)

سید ابن طاؤس لہوف میں تحریر کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا۔ اے پسر زیاد مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ راہ حق میں شہید ہو جانا ہماری سیرت اور عادت ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ شہادت ہمارے لئے کرامت و سرافرازی ہے؟

(لہوف ص ۹۶)

المختصر مجلس کوفہ کا یہ واقعہ بنو امیہ اور ابن زیاد کی رسوائی پر ختم ہوا اور ہم نے دیکھا کہ وہ ظالم شقی بالآخر امامؑ اور جناب زینب کبریٰؑ کے مدلل اور منطقی جوابات کے سامنے مفتضح اور سرنگوں ہو گیا۔ یہاں تک کہ آخر اس نے امام کے قتل کی دھمکی دے دی۔

قصرِ یزید کا ایک جائزہ

شام میں اسیران اہل بیت اور امام سجادؑ کو کوفہ جیسے بلکہ اس سے زیادہ اہم اور بہتر مواقع ہاتھ آئے اور ان تمام مواقع سے اسیرانِ اہل بیتؑ نے بحدِ احسن فائدہ اٹھایا۔ شام کے لوگ آل ابی سفیان کے فدائیوں میں سے تھے۔ معاویہ کی زہر بھری تبلیغات نے اہل شام کے دلوں میں خاندان رسالت کے لیئے کوئی نرم گوشہ نہ چھوڑا تھا بلکہ خاندان علیؑ کو معاویہ نے بطور ایک فتنہ گر اور بدامنی پھیلا نے والا مشہور کیا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اہل شام کے زیادہ تر لوگوں کے دل خاندان رسالت کی طرف سے بغض و کینہ رکھتے تھے۔

مصنفؔ تحریر کرتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے کہاں کس کتاب میں پڑھا تھا کہ جب بنو امیہ کے بعد بنو عباس خلیفہ بنے تو ایک عباسی خلیفہ کے سامنے شام کے لوگوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم ابھی تک رسولؐ کے قرابت داروں اور اقربا میں سوائے بنو امیہ کے کسی کو نہ شمار کرتے تھے اور نہ ہی جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی انسان یا ملت کے لئے تہمت اور ناروا باتوں کا منسوب کیا جانا سالوں اور صدیوں تک ایک قوم کو بے خبری میں رکھ سکتا ہے اور حقائق لوگوں سے چھپے رہ سکتے ہیں۔ اب بھی جب کہ تیرہ صدیوں سے زیادہ بیت گئی ہیں جامعہ ازہر کے مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ مال و دولت کے متعلق بت پرستوں کا اشتراکی عقیدہ رکھتے تھے اور یہ ان کی خطا رہی ہے۔

لجنۃ الازھر کے فتویٰ میں اس اشتباہ کا سبب وہی ہے کہ جناب ابوذر غفاریؓ وہ بلند پایہ صحابی تھے جنہوں نے حکومت حضرت عثمانؓ بن عفان کی غلط معاشی پالسیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ پس جامعۃ ازہر والوں نے خلیفہ اور ان کے حامیوں کے کاموں کو جائز قرار دینے' ان کے غیر مشروع کاموں پر پردہ ڈالنے کے بجائے جناب ابوذر غفاریؓ کی جلاوطنی کے حکم کو صحیح قرار دینے کے لئے آج تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی صحابی رسولؐ پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے۔ افسوس کہ اب بھی مسلمانوں میں بہت سے افراد جناب ابوذر غفاریؓ پر اس تہمت کو حق جانتے ہیں۔

(امینی نے کتاب الغدیر ج ۸ ص ۳۶۱ پر الازہر کے اس فتویٰ کو درج کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا)

گروہِ آل ابی سفیان نے اپنی مقدور بھر خاندان امیر المومنین کو فتنہ گر اور امن و امان کو خراب کرنے والے نا قابل دوستی کی حیثیت سے ہی پہچنوایا۔ معاویہ کے دور سے زمان عمر بن عبد العزیز تک مولاؑ پر سَبّ و شتم کو ایک دینی فریضہ کے طور پر ادا کیا گیا۔ ہم نے پہلے تحریر کیا ہے کہ جنگ صفین میں ایک نوجوان نے اہل کوفہ سے کہا تھا کہ میں معاویہ کے ہمراہ اس لئے آیا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے امام علیؑ بن ابی طالبؑ نماز نہیں پڑھتے اور تم بھی نماز نہیں پڑھتے ہو۔

(کتاب صفین ص ۵۴۳ طبع مصر بنقل بررسی تاریخ عاشوراص ۳۲)

ان تمام حالات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ امام سجادؑ اور جناب زینبؑ والا گھر کا وظیفہ اہل شام کے اذہان کو روشن کرنے کے بارے میں کتنا خطیر اور حساس نوعیت کا تھا۔ کوفہ تو جو کچھ بھی تھا ایک ذرا سی کوشش سے مسخر ہو گیا اور افکار بدل گئے کیونکہ حضرت علیؑ اور آپ کا خاندان وہاں پر معروف و مشہور تھے۔

لیکن دمشق بنو امیہ کا ناقابل تسخیر و شکست قلعہ تھا۔ ان سب کے باوجود اسیران اہل بیتؑ نے کامل ہوشیاری سے کام لے کر بنو امیہ کی خلافت کو اس طرح رسوا کیا کہ مروان بن حکم نے آخر کار یزید سے کہا کہ اب ان کا شام میں زیادہ مدت رہنا تیری حکومت کے حق میں نہیں۔ کیونکہ جھوٹ کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور آفتاب حقیقت درخشان ہو گیا تھا۔

(کامل بھائی۔ ج ۲ ص ۲۹۹ ط جدید)

امام سجادؑ اور ایک مرد شامی

جن دنوں اہل بیتؑ کے اسیروں کو مسجد دمشق کے پہلو میں رکھا گیا تھا اہل شام کا ایک فریب خوردہ بوڑھا آدمی امام سجادؑ کے پاس آیا اور امامؑ سے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو قتل کیا اور نابود کیا۔ فتنہ و فساد کی شاخوں کو قطع کیا۔ اور اس کے بعد جو بھی ہو سکتا تھا ناسزا کہا اور بے ادبی کی۔ امام سجادؑ نے صبر کیا یہاںتک کہ اس کی گفتگو اختتام کو پہنچی، اسوقت امامؑ نے اس سے فرمایا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اس نے پوچھا کیوں؟ امامؑ نے فرمایا: آیا تم نے اس آیہ کو نہیں پڑھا کہ خدا فرماتا ہے: "قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ"؟

(سورۂ اسراء آیہ ۲۶)

اس نے کہا: کس لئے؟ آپؑ نے فرمایا: ہم ہی اہل بیت پیغمبرؐ ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے اس آیت کو نہیں پڑھا ہے: "وآت ذالقربیٰ حقه"۔

(سورۂ احزاب آیہ ۳۲)

اس نے کہا کہ ہاں پڑھا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: اس آیت سے بھی ہم لوگ ہی مراد ہیں۔ پھر امامؑ نے فرمایا: آیا تم نے اس آیۃ کو نہیں پڑھا: "انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً"۔

(سورۂ شوریٰ آیہ ۲۲)

اس نے کہا: کس لئے؟ امامؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ اہل بیتؑ رسولؐ ہیں جن کی طہارت کی گواہی خدا نے دی ہے۔

اس بوڑھے آدمی نے امامؑ کی باتوں کو سننے کے بعد خاندان رسالت کو پہچانا اور کمال ندامت اور شرمندگی سے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر تین بار کہا: خدایا میں توبہ کرتا ہوں۔ خدایا میں دشمنان آل محمدؐ اور اہلبیتؑ کے قاتلین سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں میں ابھی تک قرآن پڑھتا تھا لیکن میں ان کو نہیں پہچانتا تھا۔

(نفس المہموم ص ۲۳۲)

تصور کیجئے کہ وہ شامی مرد اس وقت جب امامؑ کے روبرو ہوا اور اس وقت جب آپؑ کے ارشادات گرامی کو سنا امامؑ نے اس کے دل میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ بنو امیہ اور قاتلان سید الشہداءؑ پر کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کرے۔ سید نے نقل کیا ہے کہ یزید نے اس واقعہ کو جاننے کے بعد اس بوڑھے مرد شامی کے قتل کا حکم دے دیا۔

(لہوف ص ۱۰۶)

امام صادقؑ فرماتے ہیں : جب علی بن الحسینؑ دمشق میں وارد ہوئے تو ابراہیم بن طلحہ امامؑ کے سامنے آیا اور (از راہ شماتت) بولا : اے علی بن حسینؑ اس تمام کشمکش میں فتح کس کو ہوئی ؟ امامؑ نے جواب دیا : اگر جاننا چاہتے ہو کہ فتح کس کی ہوئی تو جب وقت نماز آئے اذان کہو اور اقامت کہو تو معلوم ہو جائے گا۔

(نفس المہموم ص ۴۳۳)

یہ منکر اور بد دل شخص امام حسینؑ کے ظاہری شکست سے خوش نظر آرہا تھا اور امام پر طعن کر رہا تھا اس سے غافل کہ امامؑ کی یہ افتخار آمیز شہادت امامؑ کی شکست نہ تھی۔ کہاں حق و عدل اور کہاں شکست ؟ بلکہ واقعی شکست اور ابدی روسیاہی فقط یزید کی صف میں تھی۔

امامؑ نے اس مرد شامی کو توجہ دلائی کہ ہم آل محمدؐ عظمت و پاکی کے اس درجے پر فائز ہیں جہاں شکست کے لئے کوئی راہ نہیں ہے اور تم یہ نہ دیکھو کہ اس وقت یہ خاندان رسالت اسیر ہے' قیدی ہے' بلکہ یہ دیکھنے کے لئے وقت نماز آئے گا تو اگر مسلمان ہو تو کہو گے کہ : "اشہد ان محمد رسول اللہ" ہم محمدؐ کے بیٹے اور وارث ہیں۔ آیا یہ معقول بات ہے کہ محمدؐ کے فرزند کے قیام اور شہادت کو شکست سمجھا جائے۔

مجلس یزید کو مجلس ابن زیاد سے مشابہ ہی نقل کیا گیا ہے۔ عباس محمود عقاد مصری کہتا ہے : ابن زیاد کے دربار کا منظر یزید کے محل میں دوبارہ نظر آیا۔ اس طرح کہ بعض لوگ ان دونوں قصر کے بعض واقعات کو اگر مخلوط کر گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان دونوں جگہوں پر ان دونوں ظالموں کے سلوک اور ان کے طرز عمل' درباروں کے اوضاع و احوال سب ایک سے ہی تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ ان دونوں ظالموں کی نیت اور عمل اس بات کی مقتضی

تھی کہ ایسا ہی ہو اسی لئے ہر دو جگہ سوالات ایک سے ہوئے اور پھر ان دونوں درباروں میں جوابات کا انجام ایک طرح کا ہوا۔

(ابو الشہداء تالیف عقاد ترجمہ معزی)

بہر حال ضروری تھا کہ اسیران اہل بیت اس منحوس دربار یزید سے دربار ابن زیاد کی طرح عظمت و سربلندی کے ساتھ کامیاب و کامران واپس لوٹیں اور اپنے بلیغ اور شعلہ آور خطاب کے ذریعے کاخ ستم کو اموی کاخ نشینوں پر جھکا دیں تاکہ یزید اور اس کے تابعین جان لیں کہ خربوزہ کھانے کے بعد کیسا لرزہ آتا ہے۔

پس اسیران اہل بیتؑ دربار یزید میں داخل ہوئے اور معلوم ہے کہ پہل یزید نے اپنی بیہودہ گفتگو سے کی۔ جو اسے نہ کرنا چاہئے تھا اور اس کے لئے ضرر رساں تھا، وہی کیا۔

واقعی ستمگر سوائے بیہودہ گوئی، طعنہ زنی اور غیر انسانی عمل انجام دینے کے کیا رکھتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے کے تعصب اور فتح کے نشہ نے یزید کو آپے سے باہر کر دیا تھا۔ اس نے اپنی رسمی مجلس میں حاضرین کی نظروں کے سامنے، جوانان بہشت کے سردار کے سر مبارک کو چھڑی ماری اور بے ادبی کی۔ اہل سنت کے مشہور اور بزرگ مورخین مثلاً طبری، ابن اثیر، ابن حجر مکّی، سبط ابن جوزی، ابن صباغ مالکی، شبلنجی و صبان وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یزید نے سر ابو عبداللہؑ کو چھڑی ماری۔ کیا یزید نے اپنے اس عمل زشت سے اپنی بے دینی اور رسوائی کی سند پر مہر اجراء نہیں لگایا؟

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس عمل کو آنکھوں نے نہیں دیکھا کہ ایک شخص اسلام کے نام پر مسلمانوں پر حکومت کر رہا ہے اور خود کو پیغمبر کا جانشین اور ان کے

قوانین شریعت کا اجراء کرنیوالا جانتا ہے اور ساتھ ہی پیغمبرؐ کے فرزند کے دندان مبارک پر چھڑی مار تا ہے۔ جی ہاں جب تک دنیا ہے اور عدل وانصاف کا وجود ہے یزید ہر انصاف پسند منصف کی نظر میں روسیاہ اور رسواہی رہے گا۔

خدا نہیں چاہتا تھا کہ اس کا یہ خلاف انسانی عمل نظر انداز ہو اس لئے حاضر بن تو دھنی خود اپنی کتاب یزید میں لکھتے ہیں : جیسے ہی اس بے ادبی کو دیکھا ایک صحابئِ رسولؐ ابوبرزہ اسلمی اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور بجائے اس کے کہ اسے امیر المومنین کہہ کر خطاب کریں کہا' اے یزید اپنی چھڑی کو سر حسینؑ سے اٹھا لے' خدا کی قسم میں نے بار بار رسول اللہؐ کو حسینؑ کے ان دندان مبارک کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۴۵ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۹)

اسی طرح یزید نے بغیر اس کے کہ اپنے سخن کے عواقب کی طرف متوجہ ہو اور اس پر غور کرنے کے بجائے کہ کیا اس صورت اس کا دربار دنیا میں ہمیشہ رہے گا' غرور و مستی میں ان اشعار کو پڑھنا شروع کر دیا :

لیت اشیاخی ببدر شھدوا   جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا واستھلو فرحاً   ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القدم من ساداتھم   وعدلناہ ببدر فاعتدل

لعبت ھاشم بالملك فلا   خبرجاء ولاَ وحی نزل

لست من خندف ان لم انتقم   من بنی احمد ما کان فعل

"اے کاش میرے وہ بزرگ جو جنگ (بدر) میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے آج ہوتے اور آل محمدؐ کی اس حالت کو دیکھتے تو وہ خوشی سے

آواز بلند کرتے اور کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ سلامت رہیں تم نے ان کے بزرگوں کو قتل کیا اور جنگ بدر کا بدلہ لے لیا۔ بنو ہاشم نے سلطنت کا کھیل کھیلا تھا اور ان کی غرض فقط ملک گیری اور حکمرانی تھی وگرنہ کوئی خبر آسمان سے نہیں آئی ہے اور نہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں (خندف) سے نہیں اگر احمد (رسول خداؐ) کے کاموں کا انتقام ان کے فرزندوں سے نہ لے لوں"۔

یزید نے اپنی بیہودہ گوئی کی، امام حسینؑ اور ان کے جوانوں کا قتل جنگ (بدر) کے مقتولین کا انتقام شمار کیا جو رسولؐ اللہ کے حکم سے مسلمانوں نے قتل کیا تھا۔ اس نے کھلے بندوں کہا کہ احمدؐ کے کاموں کا انتقام ان کے فرزندوں سے لے رہا ہوں اور ان سب سے بڑھ کر اس نے آسمانی وحی کا اپنے درباریوں اور اسیروں کی موجودگی میں انکار کیا۔

تعجب ہے کہ یزید ابھی تک حسینؑ کو فقط مدمقابل اور اپنی حکومت کا مخالف گردان رہا تھا لیکن اب پیغمبر کو اپنا مدمقابل بتا رہا تھا۔ اس نے اسلام کے مقدسات کا تمسخر اڑایا ایک طرف تو خود کو جانشین پیغمبر جانتا تھا دوسری طرف پیغمبرؐ کے کاموں کا انتقام لے رہا تھا۔ مکہ کے بت پرستوں کے بدلہ میں بہترین خدا شناسوں اور بشریت کے بیش بہا موتیوں کو قتل کر رہا تھا۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ ستمگار اور گناہگار خود اپنے ہی ہاتھوں یا دوسروں کے ہاتھوں رسوا ہوں سچ ہے کہ "لیهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينة"۔

جیسے ہی یزید نے کفر آمیز اشعار کو پڑھا علیؑ کی حریت پسند بیٹی زینب کبریٰ کھڑی ہوگئیں اور زبان کھولی، اپنی پُر ہیجان اور دلیرانہ سخن سے یزید کے محل کو لرزا

دیا۔ آپؑ نے اپنی سخنان آتشین میں جیسا کہ ہم دیکھیں گے یزید کو کافر اور ستمگر کہا، کئی بار اسے امیر المومنین کی بجائے 'اے یزید' کہہ کر خطاب کیا۔ اسے دشمن خدا، پسر دشمن خدا کا نام دیا۔ اس کے ساتھیوں اور اس کی طرف داری کرنے والوں کو شیطان کے گروہ سے تعبیر فرمایا اور خاندان بنو امیہ کی رسوائی کو ایک ایک کر کے شمار کیا۔ اب ہم شروع میں احمد بن طاہر بغدادی (ابو الفضل احمد بن ابن طاہر بغدادی تیسری صدی کے علماء۔ متولد ۲۰۴ھ وفات ۳۸۰ھ) کی کتاب بلاغات النساء سے جناب زینب کبریٰ کے اس خطبے کو نقل کریں گے جو ہر پڑھنے والے کے لئے تعجب کا سبب ہو گی اور پھر اس کا ترجمہ پیش کرینگے۔

"صدق الله و صدق رسوله یا یزید ثم کان عاقبة الذین اسآئو السوآی ان کذبوا بآیات الله و کانوا بها یستهزئون ـ اظننت یایزید انه حین اخذ علینا باطراف الارض و اکناف السماء فاصبحنا نساق کما یساق الا ساری ان بنا علی اللّٰه هوانا وبك علیه لکرامة وان هذا لعظیم خطرك۔ فشمخت بانفك ونظرت فی عطفیك جذلان فرحاً حین رائیت الدنیا مستوسقة لك والامور متسقة علیك وقد امهلت ونفست و هو قول الله تبارك وتعالیٰ "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لهم خیر لانفسهم انما نملی لهم لیزدادوا اثما ولهم عذاب مهین"۔(سورۂ آل عمران ۱۷۸)

امن العدل یابن الطلقا تخدیرك نسائك وامائك وسوقك بنات رسول الله صلی الله علیه۔ ؟ قد هتکت ستور هن واصحلت صوتهن مکتئبات تخدی بهن الاباعرو یحدوا بهن الاعادی من

بلد الی بلد لا یراقبن ولا یؤوین یتشوفهن القریب والبعید ، لیس معهن ولی من رجالهن وکیف یستبطاء فی بغضتنا من نظر الینا بالشنف والشنآن والاحن والاضغان، اتقول لیت اشیاخی ببدر شهدوا۔ غیر متائم،ولا مستعظم وانت تنکت ثنایا ابی عبداللہ بمحضرتک ولم لاتکون کذلک وقد نکات القرحۃاستاصلت الشافۃ باھرافک دماء ذریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ ونجوم الارض من آل عبدالمطلب ولتردن علی اللہ وشیکا موردھم ولتودن انک عمیت وبکمت وانک لم تقل فاستھلوا واھلوا فرحا،اللھم خذبحقناوانتقم لنا ممن ظلمنا،واللہ ما فریت الاجلدک ولا خرزت الا فی لحمک وسترد علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ برغمک ،وعترتہ ولحمتہ فی حظیرۃ القدس یوم یجمع اللہ شملھم ملمومین من الشعث و ھو قول اللہ تبارک وتعالیٰ:

”ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عندربھم یرزقون“

وسیعلم من بوّاک ومکنّک من رقاب المؤمنین اذا کان الحکم اللہ والخصم محمد صلی اللہ علیہ وجوارحک شاھدۃ علیک فبس للظالمین بدلاایکم شرمکاناً واضعف جنداً مع انی واللہ یاعدو اللہ وابن عدوہ استصغر قدرک واستعظم تقریعک غیر ان العیون عبری والصدور حری وما یجزی لک اوِ یغنی عنا و قد قتل الحسین علیہ السلام؛وحزب الشیطان یقربنا الی السفھاء

لیعطوهم اموال الله علی انتهاك محارم الله فهذه الایدی تنطف من دمائنا وهذه الافواه تخلب من لحومنا وتلك الجئث الزواکی یعتامها عسلان الفلوات فان اتخذتنا مغنما لتتخذن مغرماً حین لا تجد الاَ ماقدمت یداك تستصرخ بابن مرجانة ویستصرخ بك وتتعادی واتباعك عند المیزان وقد وجدت افضل زاد زودك معاویة قتلك ذریة محمد صلی الله علیه فوالله ما اتقیت غیر الله ولا شکوای الا الی الله فکد کیدك واسع سعیك وناصب جهدك فوالله لا یرحض عنك عارما اتیت الینا ابدا والحمدلله الذی ختم باسعادة والمغفرة لسادات شبان الجنان فاوجب لهم الجنة اسئل الله ان یرفع لهم الدرجات وان یوجب لهم المزید من فضله فانه ولی قدیر"۔

(یہ خطبہ کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نفس المہموم ص ۲۳۸ اور لہوف ص ۱۰۸ پر بھی مطالعہ کر سکتے ہیں)

یزید! خدا اور اسکے رسولؐ نے سچ کہا ہے: بالآخر گناہگاروں کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے آیات خدا کو جھوٹ جانا اور ان کا مذاق اڑایا (تو نے بھی اتنے زیادہ گناہ کئے ہیں کہ ان کے نتیجے میں خدا کی آیات کی تکذیب کر رہا ہے اور ان کا مذاق اڑا رہا ہے)۔ اے یزید! تو یہ گمان کر رہا ہے کہ چونکہ تو نے ہم پر آسمان اور زمین کی وسعت تنگ کر دی ہے اور ہمارے لئے راستے بند کر دیئے ہیں اور ہم اسیروں کی طرح شہر بہ شہر پھر رہے ہیں۔ جیسے ہم خدا کے نزدیک خوار و زبوں ہو گئے ہیں اور تو خدا کے ہاں محترم و عزت والا

ہو گیا ہے ؟ اور کیا یہ سب کچھ خدا کے نزدیک تیری عظمت کی خاطر ہو رہا ہے ؟ کیا تو نے اس خیال سے اپنی نگاہیں اونچی کر لیں اور تکبر کرنے لگا ہے۔ ؟ کیا تیرا غرور اور خود بینی اسی سوچ کی پیداوار ہیں ؟ تو دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق دیکھ کر خوش ہو رہا ہے ؟ تو خوش ہے کہ تیرے کام تیری خواہش کے مطابق ہو رہے ہیں۔ جان لے کہ تیری یہ سلطنت اور تیری یہ طاقت و شوکت بس چند روز کی مہلت سے زیادہ نہیں اور اس کے بعد تیری گھات میں رسوا کن عذاب ہے اور یہ عذاب وہی ہے جس کے لئے خدا کہتا ہے: "کافر گمان نہ کریں کہ ہم نے اگر انہیں مہلت دی ہے یہ مہلت ان کے لئے خیر ہے۔ ان کو فقط اسلئے مہلت دی ہے کہ وہ اپنے گناہ کی افزائش کریں اور زیادہ گناہ کر لیں اور پھر ایسا عذاب دیں گے جو انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔

اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے اور اے اس کے فرزند کہ جسکو فتح مکہ کے روز میرے جد رسولؐ خدا نے آزاد کر دیا تھا اور فرمایا تھا: "فاذھبوا فانتم الطلقا"۔ آیا یہ عدالت ہے آیا یہ انصاف ہے کہ تو اپنی عورتوں اور کنیزوں کو تو پردہ میں رکھے اور انہیں پردہ نشین رکھتا ہے لیکن رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو اسیری میں رکھتا ہے ؟ آیا یہ عدالت ہے کہ تو ان کو بے کس، بے پناہ اور غمزدہ حال میں جبکہ ان کی آواز کثرت گریہ سے گلوگیر ہو گئی ہے، تیز رفتار اونٹوں پر بٹھا کر انہیں دشمنوں کے سپرد کرتا ہے تاکہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جائیں ؟ اور اپنے بیگانے ان کا تماشا کرنے کے لئے ان کے گرد جمع ہوں، اس حال میں کہ ان کے ساتھ ان کے مردوں

اور حامیوں میں سے کوئی نہیں؟

اے یزید! کس طرح وہ شخص ہم سے کینہ پروری نہ کرے گا جو ہمیں بغض و کینہ اور بد خواہی سے پیوستہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یزید تو نے انتہائی بے پروائی سے اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھے بغیر کہا کہ "اے کاش کہ میرے وہ بزرگ یہاں حاضر ہوتے جو جنگ بدر میں مارے گئے" اور اس موقع پر ابا عبداللہ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتا ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو' تو کیوں نہ ایسے اشعار پڑھے؟ تو ایسا کیوں نہ کرے؟ اور اب جبکہ جیسا تو نے چاہا وہ کیا اور اپنے دل کے کینہ کو شفا بخشی اور تو نے فضیلت و تقویٰ کو اس کی جگہ سے اکھاڑ ڈالا' فرزندان رسولخدا کا خون بہایا اور تو نے روئے زمین پر آل عبدالمطلب کے ستاروں کو اپنے ظلم و بیداد کے بادلوں میں چھپا دیا۔

لیکن جلد ہی تو خدا کے حضور پیش ہو گا اور جنگ بدر میں مارے گئے اپنے آباؤ اجداد کی جگہ پہنچے گا اور اسوقت تو جہنم میں یہ خواہش کریگا کہ اے کاش میں گونگا و بہرہ ہو گیا ہوتا اور یہ نہ کہا ہوتا: "اے کاش میرے جد آل محمدؐ کی اس تباہی و بربادی کو دیکھتے اور با آواز بلند یہ کہتے کہ یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں"۔

اور اس مقام پر حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے دعا کی اور فرمایا خدایا ہمارا حق ان سے دلا دے اور ان سے انتقام لے جنہوں نے ہم پر ستم کیا ہے۔ پھر دوبارہ یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا: خدا کی قسم تو نے اپنی کھال نوچی ہے اور سوا اپنے گوشت کچھ نہیں کاٹا ہے۔ جلد ہی تو

رسولخدا(ص) کے حضور پیش ہوگا اور دیکھے گا کہ تیرے خیال کے برعکس رسولؐ خدا کے فرزند اور ان کی آل کو بہشت بریں میں جگہ ملی ہے اور خدا جس دن ذریت رسول خداؐ کو پریشانی سے نجات دیگا سب کو بہشت میں جگہ دے گا اور یہی ہے خدا کا وہ فرمان کہ: ''راہ خدا میں مر جانے والوں کو مردہ گمان مت کرو بلکہ یہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی طرف سے رزق پاتے ہیں''

تیرا باپ معاویہ جس نے تجھے مسلمانوں کے سروں پر مسلط کیا ہے جلد ہی جان جائے گا کہ ستمگروں کے لئے جزا فقط عذاب ہے۔ کس کا مقام بدتر ہے اور کس کا قوم قبیلہ زیادہ کمزور ہے۔ اس روز جبکہ منصف خدا ہوگا مقرر ہے قضاوت اور انصاف خدا کے پاس ہوگی اور محمدؐ داد خواہی کریں گے اور تیرے اعضاء و جوارح تجھ پر گواہی دیں گے۔

اے دشمن خدا، اے دشمن خدا کے بیٹے! خدا کی قسم میں تجھے بہت ہی ادنیٰ اور ناچیز شمار کرتی ہوں، اتنا کہ سرزنش و ملامت کے قابل ہی نہیں جانتی، لیکن کیا کروں ہماری آنکھیں گریاں ہیں اور ہمارے دل جل رہے ہیں (غموں کے بوجھ اور دل کی آگ نے مجھے بات کرنے پر مجبور کر دیا)۔ تجھے سرزنش کرنے سے کیا فائدہ، تجھ کو ملامت اور توبیخ کرنے سے ہمارے شہداء زندہ نہیں ہو جائیں گے۔ میرا حسینؑ مارا گیا اور شیطان کے قوم قبیلہ والے ہم کو جاہلوں کے نزدیک لے آئے، پیش کیا ہے تاکہ مال خدا سے محارم خدا کی بے حرمتی کی اجرت حاصل کر سکیں، ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے اور ان کے منہ سے ہمارے گوشت کے

ٹکڑے گر رہے ہیں، کربلا کے شہیدوں کے جسد پاک بیابان کے درندوں کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔
اگر آج تو ہمارے پیاروں کے قتل کو غنیمت سمجھ رہا ہے تو جلد ہی جان لے گا کہ تجھ کو اپنی سیاہ کاریوں اور بد اعمالیوں کی مکافات ضرور ملے گی۔ اور اس دن تیرے پاس سوائے اپنی سیاہ کاریوں کے کچھ نہیں ہوگا۔ جس دن تو پسر مرجانہ کو پکارے گا اور وہ تجھ کو پکارے گا۔ اور تم دونوں ایک دوسرے کو مدد کیلئے بلاؤ گے، جس دن تو اور تیرے آباؤ اجداد خدا کے میزان عدل کے سامنے ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہونگے، دست و گریبان ہو جائیں گے۔ اس روز تو جان لے گا کہ تیرے باپ معاویہ نے تیرے لئے کیا بہترین توشۂ آخرت تیار کیا کہ تو پیغمبرؐ کی ذریت کو قتل کرے۔

خدا کی قسم میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور صرف اسی کی بارگاہ میں شکایت کروں گی۔ تو اپنے تمام حیلے بہانے بروئے کار لا اور جو کچھ کر سکتا ہے کوشش کر اور جان لیلے۔ خدا کی قسم تو نے جو ننگ و رسوائی ہمارے ساتھ روا رکھا ہے وہ ہمیشہ تجھ پر رہے۔ خدا کی حمد و ثناء کہ اس نے جوانان بہشت کے سرداروں کے مشن کو سعادت و بخشش پر ختم کیا۔ اور بہشت کو ان کے لئے حتمی قرار دیا۔ میں خدا سے سوال کرتی ہوں کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان پر مزید اپنا فضل و کرم نازل کرے کیونکہ خدا ہی توانا اور صاحب اختیار ہے"۔

مصنف اپنی اس بے بضاعتی اور قلم نارساء اور ناتوانی کے ساتھ کس طرح

حضرت علیؑ کی حریت پسند بیٹی کی روح منیع اور عظیم شخصیت کی توصیف کر سکتا ہے؟

خدایا اس ستم رسیدہ' داغ دیدہ اور حریت پسند اسیر ظلم خاتون کی شہامت اور توانائی قلب کو کس طرح جان سکیں گے جبکہ اس کی جرأت مندی اس حد تھی کہ اس نے ان تمام تماش بین' یزید جیسے ستمگار و خونخوار فاتح اور اس کے درباریوں کے سامنے اس طرح خطاب کیا اور یوں کہا: "تو نے سر غرور سے بلند کر دیا ہے' اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے' دشمن خدا' دشمن خدا کے بیٹے' خدا کی قسم میں تجھے بہت ہی حقیر و ادنیٰ سمجھتی ہوں اتنا کہ تجھے لائق ملامت و سرزنش بھی نہیں جانتی' تیرے باپ نے تجھے مسلمانوں پر ظلم سے مسلط کیا ہے' جلد ہی تو اس کے عمل کی سزا دیکھے گا"۔

اور یہ ہی نہیں آپؑ نے اسے امیر المومنین کے بجائے یزید کہہ کر خطاب کیا اور اس کا سادہ نام لیا جو اس کی کمال تحقیر تھی اور اس طرح یہ بتایا کہ ہم اہل بیت پیغمبرؐ حتیٰ زیر زنجیر بھی یزید کو امیر المومنین کبھی نہ کہیں گے اور نہ ہی اسے جانشین پیغمبر مانتے ہیں۔

کونسا قلم' کونسا بیان ایسا ہے کہ اس عظمت و جرأت' سربلندی اور آزادی کو بطور احسن اس طرح پیش کر سکے اور سننے والے کو سر تا پا محو کر دے۔ آفرین ہو اس حریت پسندی اور آزادی پر' اس قلب توانا پر آفرین اور اس بزگوار کی روح عظیم پر آفرین۔

مسلمان اگر پای ریزی زرش   وگر تیغ ہندی نہی بر سرش
امید وہراسش نباشد زکس   براین است بنیاد توحید و بس

"توحید کی بنیاد بس اس اس بات پر ہے کہ مسلمان (سوائے خدائے واحد کے) کسی سے نہ امید رکھتا ہے اور نہ ڈرتا ہے خواہ اسکے قدموں میں ساری دولت بکھیر دیں یا اس کے سر پر تیز تلوار رکھ دیں"۔

بہر حال جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی گفتگو یزید کے سر پہ ایک آہنی گرز کی مانند لگی اور اسے اس کے درباریوں کے سامنے لرزہ بر اندام اور سر افکندہ کر دیا۔ ناچار اس نے اپنی سیاہ کاری ورسوائی کو ایک حد تک کم کرنے کے لئے چاہا کہ خواہر حسینؑ کے کلمات کو جواب کے بغیر نہ جانے دے۔ ایک مسخرہ آمیز قہقہہ لگایا اور یہ شعر پڑھا: یا صیحة تحمد من صوائح ماهون الموت على النوائح۔ (لہوف ص ۱۱۱)

اس کی غرض یہ تھی کہ یہ نوحہ کنان عورتیں اپنے غم میں بیخود اس طرح کی باتیں کرتی ہیں اور اس طرح کی گفتگو غمزدہ افراد سے بعید نہیں۔ اس نے جناب زینب کبریٰؑ کے کلام کو اس بات پر معمول کیا کہ یہ بیخودانہ سخن ہے لیکن سب جان رہے تھے کہ بیخودانہ سخن کرنے والا کون ہے؟ اور معاملہ اس کے بر عکس ہے اور کون ہے جو بیخود گفتگو کر رہا ہے۔

اے ذلیل جھوٹے

ابھی اہل بیتؑ رسول خدا (ص) مجلس یزید سے باہر نہ گئے تھے کہ ان درباریوں میں سے ایک شامی کی نظر امام حسینؑ کی دختر جناب فاطمہؑ پر پڑی اور اس نے یزید سے درخواست کی کہ بردگان والی رسم کے مطابق یہ لڑکی اسے بخش دی جائے۔

جناب فاطمہؑ یہ بات سن کر ہراساں ہو گئیں وہ جانتی تھیں کہ ایسی رسم ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے یزید ان کو اس شامی کی کنیزی میں دیدے۔ انہوں نے دوڑ کر خود کو

پھوپھی کی آغوش میں گرادیا اور ان سے لپٹ گئیں۔

جناب زینب کبریٰؑ نے جس طرح کوفہ کے دربار میں امام سجادؑ کا دفاع کیا تھا اور امامؑ کو ابن زیاد کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا تھا یہاں بھی آپؑ نے مقاومت فرمائی اور علیؑ کی بیٹی نے اس شامی کی یہ گستاخانہ بات سن کر اسے با آواز بلند فرمایا: اے ذلیل جھوٹے خدا کی قسم نہ تجھے اور نہ ہی اس کو یہ جسارت ہو سکتی ہے۔ یزید اس بات کو سن کر برہم ہوا اور بولا: تم نے یہ جھوٹ کہا' اس کام کا حق مجھے پہنچتا ہے اور اگر چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا خدا کی قسم خدا نے ہرگز تم کو اس کی اجازت نہیں دی ہے مگر یہ کہ تم ہمارے دین سے خارج ہو جاؤ اور دوسرا مذہب اختیار کرلو۔ یزید کا غصہ اور بڑھ گیا وہ چیخ کر بولا کہ تم مجھ سے اس طرح خطاب کرتی ہو؟ تمھارے باپ اور بھائی دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ جناب زینبؑ والا گہر نے اس کا سخت مقابلہ کیا اور جواب دیا: اگر تم مسلمان ہوتے تو جانتے کہ خدا کے دین اور میرے باپ' دادا کے دین سے ہی تو نے' تیرے باپ' دادا نے راہ پائی ہے۔ یزید کوئی جواب نہ رکھتا تھا بجز یہ کہ وہ جناب زینبؑ کی تکذیب کرے۔ اسنے کہا کہ جھوٹ بولتی ہو۔ جناب زینبؑ نے فرمایا تو ستمگری اور سلطنت کے بھروسے ناسزا کہہ رہا ہے۔ یزید ساکت ہو گیا' گویا شرمندہ ہو گیا۔ اس مرد شامی نے اپنا سوال دھرایا تو یزید جو اس بات پر پہلے ہی جلا بھنا اور کھول رہا تھا چیخ کر اس سے بولا: دفع ہو جا' خدا تجھے موت دے۔

(ارشاد مفید ص ۲۳۱ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۳)

یہ واقعہ بھی یزید کی رسوائی پر ختم ہوا اور امام حسینؑ کی حریت پسند بہن نے یہاں بھی اپنی مقاومت اور دلائل منطقی کے ساتھ اسے سرافگندہ کر دیا۔ جی ہاں

خدا پر ایمان اور صحیح تربیت ہی انسان کو ایسا قوی اور نا قابل شکست بنا دیتی ہے۔ یہ واقعہ علامہ اقبال کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے جہاں وہ کہتے ہیں کہ :

میار ابزم بر ساحل کہ آنجا　　نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلت وبا موجش در آویز　　حیات جاوداں اندر ستیز است

مسجد دمشق میں امام سجادؑ کا خطبہ

شام میں اہم ترین موقعہ اس روز ملا جب امام سجادؑ نے دمشق کی مسجد میں بالائے منبر جا کر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ واقعہ کچھ یوں تھا۔ جمعہ کے دن مسجد کے سرکاری خطیب نے یزید کے دستور کے مطابق بالائے منبر جا کر لوگوں سے حضرت علی علیہ السلام اور امام حسینؑ کی سبّ کی، معاویہ اور یزید کے فضائل بیان کیے۔ اس اجتماع میں موجود امام سجادؑ نے خطیب کو باآواز بلند پکارا اور کہا : اے خطیب تجھ پر وائے ہو کہ تو مخلوق کی خوشنودی کی خاطر خدا کے غضب کو آواز دے رہا ہے اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل رہا ہے، جان لے تیری جگہ جہنم میں ہے۔ (لہوف ص ۱۱۲)

ہم پر لازم ہے کہ اس بات کے ذکر سے غافل نہ ہوں کہ ہر زمانے میں بعض غافل افراد اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالتے ہیں اور اپنا دین بیچنے والے غافلوں کا گروہ خطیب اور مقدس افراد کا روپ دھار کر ظالموں، ستمگاروں کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں اور مال و دولت، مقام و شہرت کی خاطر ظلم اور ظالموں کی حمایت کرتے ہیں۔ نیز مجالس اور مجمع عام میں ان ظالموں اور سیاہ کاروں کے اعمال ناشائستہ کو جھوٹی طور پر اسلام سے تطبیق کرتے ہیں۔ مثلاً ابو ہریرہ نے منصب اور درہم کی خاطر آل ابو سفیان کی حمایت کی اور حضرت علیؑ کی مذمت میں حدیث جعل کیں

اور معاویہ کو اتنی بلندی پر لے گیا کہ اس نے کہا : میں نے رسول خدا(ص) سے سنا ہے کہ خدا نے تین افراد کو اپنی وحی کا امین بنایا۔ میں یعنی رسول خدا(ص)، جبرئیل امین اور معاویہ۔

(کتاب شیخ المضیرہ ابوہریرہ تالیف ابوریہ ص ۱۸۸ ترجمہ محمد وحید)

ابوہریرہ زمانہ رسولؐ میں گدائی کرتے تھے اور ایک لقمہ نان کی خاطر سر راہ بیٹھتے تھے اور کہتے تھے میری قرأت کو سنو تاکہ اس سے اپنا شکم سیر کروں۔

(صحیح بخاری جزء ۷ کتاب الاطعمہ باب ۳۱ حدیث ۲ شیخ المضیرہ ص ۴۱)

لیکن معاویہ کے زمانے میں یہ محل نشین ہو گئے اور اپنے قصر عقیق میں زندگی گزارتے تھے اور جب دنیا سے گئے تو معاویہ نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ اس کے بیٹوں کی حمایت کرنا۔

(ابوہریرہ کے حال کو جاننے کے لئے شرف الدین عاملیؒ کی کتاب ابوہریرہ دیکھیں)

اسی طرح ہر زمانے میں ابوہریرہ ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو حق و عدالت کو چھوڑ کر ستمگاروں کی حمایت میں کھڑے ہیں۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جو مشاہدہ میں آیا کہ شام کے سرکاری خطیب اور بنوامیہ کے ملازم نے امام سجادؑ کے سامنے یزید اور معاویہ کی ثناخوانی کی اور خدا کی بہترین مخلوق محمد و آل محمدؐ کو بُرے نام سے یاد کیا اور بے ادبی کی۔

ابن جبیر سے ڈاکٹر وردی نقل کرتے ہیں کہ جب مسجد بغداد کے خطیب نے خلیفہ اور اس کی ماں کی موجودگی میں وعظ شروع کیا تو ابتداء خلیفہ کی مدح پھر خلیفہ اور اسکی ماں کی سلامتی کی دعا کی اور اس کی ماں کو "الستر الاشرف والجناب الازأف" کا لقب دیا اور بعد میں وعظ شروع کیا...... یہاں تک کہ اس کی آنکھوں

سے آنسو کی بارش ہونے لگی ......اس کے بعد کہتا ہے : عجیب بات ہے کہ خطیب مسجد جب خلیفہ کا نام لیتا تو اس کے لئے دعا کرتا اور آرزو کرتا ہے کہ اس کے قدموں کا بلند سایہ زمین پر باقی رہے لیکن جب خلیفہ کی رعایا کی طرف متوجہ ہوتا تو شروع انہیں ڈرانے' دھمکانے اور تہدید کرنے کی ہی بات سے کرتا" گویا رعایا کے افراد ظالم اور خلیفہ خود مظلوم شخص ہے۔

(نقش وعاظ در اسلام ص ۵۳)

جس زمانے میں حضرت موسیٰ بن جعفرؑ امام ہفتم (ع)' ہارون عباسی کے قید خانوں میں نظر بند تھے تو خلیفہ کے اطراف رہنے والے چاپلوس ' ابن الوقت خطیب و مبلغ فقط کیسۂ زر کی خاطر اسے آیۃ (اولوالامر منکم) کے مصداق ٹھہرائے ہوئے تھے۔

ان تمام تعجب انگیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات میں سے ایک وہ داستان بھی ہے جسے اہل سنت کے مشہور دانشمند دمیری نے اپنی کتاب "حیاۃ الحیوان" میں نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا اور اپنے سے پہلے والے خلیفہ کی طرح اس نے بھی عدالت اور انصاف کا پیشہ اختیار کیا اور ۴۰ دن تک اس کا یہی رویہ قائم رہا۔

اسی دوران اہل شام کے مشائخ میں سے ۴۰ افراد اس کی خدمت میں گئے اور اسے قسم کھا کر بتایا کہ خلیفہ پر روز قیامت کوئی حساب و عذاب نہیں ہے۔ خلیفہ ان کی بات سے فریب کھا گیا اور عیاشی شروع کر دی بے روک وٹوک کھلے بندوں ایسے بے شرمانہ اعمال بجالایا کہ مسلمان نے نہ سنا اور کافر نے نہ دیکھا۔

(حیاۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص ۷۱ ترجمہ یزید بن عبد الملک)

ذرا دیکھیں دین کو دنیا کے بدلے فروخت کرنے والے ابن الوقت افراد کس طرح جنایت پیشہ آدمی کی تربیت کرتے ہیں خدا قرآن مجید میں اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے "لان اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین"۔

"اگر مشرک ہو گئے تو تمہارا عمل تباہ ہو جائے گا اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے"۔ (زمر آیہ ٦٥)

اور اسی طرح فرماتا ہے: "ولاتجعل مع اللہ الٰھا آخر فتلقی فی جھنم ملوماً مدحوراً"۔

"خدا کے ساتھ کسی کو معبود نہ بناؤ ورنہ ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے"۔ بنی اسرائیل آیہ ۳۹)

لیکن یہ ذلیل و پست انسان کہتے ہیں کہ خلیفہ پر کوئی حساب و عذاب نہیں ہوتا۔

مصنف کہتے ہیں کہ بعض اوقات عوام کے افراد سے یہ بات میں نے سنی تھی کہ امراء و سلاطین نماز' روزہ اور احکام دین کے لئے مکلّف نہیں ہوتے اور خدا ان سے خواستگار نہیں ہے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد معلوم ہوا کہ عوام کی یہ کہاوت تاریخی حوالہ رکھتی ہے۔

یہ بات بھی فراموش نہ کریں کہ اس گروہ کے برعکس بہت سے واقعی خطباء و مبلغین تھے اور ہیں جو مسلسل عوام اور لوگوں کے اخلاق کی اصلاح اور انہیں نیکی کی طرف بلانے' معاشرے میں بیداری کرنے' ظالم اور ظلم کے خلاف مبارزہ کرنے میں کوشش کرتے رہے ہیں اور کوشاں ہیں اور یہ لوگ آئمہ علیہم السلام کی طرح کبھی آزاد رہتے ہوئے اور کبھی ظالموں کی قید میں بھی ہوتے ہوئے رضائے

خدا سے پیوستہ ہیں اور لوگوں کی اصلاح چاہتے ہیں۔ یہ افراد اپنی نفسانی اغراض اور جاہ طلبی اور دنیا پرستی سے دور ہوتے ہیں۔ خداوند تبارک تعالیٰ ان کا مددگار ہو اور اُنھیں ان کے مقصد میں (جس کام کا بیڑہ اُٹھایا ہے) کامیاب کرے۔

ہم اپنے مطلب سے دور آگئے بہر حال جب خطیب شام نے حضرت امیر المومنین اور امام حسینؑ کی شان میں ناسزا بات کی اور اسکا جواب سنا، چوتھے امام نے یزید سے کہا: اے یزید! کیا تم اجازت دیتے ہو کہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر جاؤں اور چند باتیں کروں جس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور اہل مجلس کے لئے بھی یہ اجر و ثواب کا باعث بنے۔

یزید نے اجازت دینے سے منع کر دیا۔ حاضرین نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ اجازت دیدے۔ یزید نے کہا کہ اگر بالائے منبر گیا تو مجھے اور آل ابی سفیان کو رسوا کرے گا۔ حاضرین مجلس نے کہا یہ کیا گفتگو کر سکے گا۔ یزید نے کہا یہ اس خاندان سے ہیں کہ اپنے خورد کو شیر خوارگی اور بچپن میں ہی علم دے دیتے ہیں۔ آخر کار حاضرین کے بہت اصرار نے اپنا کام کیا جس پر یزید نے اجازت دی اور امامؑ منبر پر تشریف لے گئے۔ آپؑ نے اس طرح خطبہ دیا کہ لوگوں کے دل اپنی جگہوں سے ہل گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور مجلس درہم برہم ہو گئی۔ ہر جگہ سے شور و غل کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ امامؑ نے ابتدا میں عالم اسلام میں اہل بیتؑ پیغمبرؐ کے اصل مقام کو واضح فرمایا۔ پھر جزئیات واقعۂ کربلا اور کوفہ کے سپاہیوں کا وحشی پن بیان کیا۔ آپؑ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد یوں فرمایا:۔

"ان الله تعالى اعطانا العلم والحلم والشجاعة والسخاوة والمحبة

فی قلوب المؤمنین ومنا رسول الله ووصیه وسید الشهداء وجعفر الطیار فی الجنة وسبطا هذه الامة والمهدی الذی یقتل الدجال ۔
ایهاالناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فقد اعرف بحسبی ونسبی' انا بن مکة ومنیٰ' انا بن زمزم وصفا' انا بن من حمل الرکن باطراف الرداء' انا بن خیر من ائتزر وارتدی انا بن خیر من طاف وسعی' انا بن خیر من حج واتی' انا بن من اسریٰ به الیٰ المسجد الاقصیٰ' انا بن من بلغِ به الی سدرة المنتهیٰ' انا بن من دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی' انا بن من اوحی الیه الجلیل ما اوحی انا بن الحسین القتیل بکربلا' انا بن علی المرتضی' انا بن محمد المصطفیٰ انا بن فاطمة الزهراء 'انا بن خدیجة الکبریٰ' انا بن سدرة المنتهیٰ 'انا بن شجرة طوبیٰ' انا بن المرمل بالدماء' انا بن من بکی علیه الجن فی الظلماء 'انا بن من ناح علیه الطیور فی الهواء"

(کامل بھائی ج ۲ ص ۳۰۰ ط جدید نفس المہموم ص ۲۴۳)

"خداوند تبارک تعالیٰ نے ہمیں علم، حلم، شجاعت، سخاوت عطا فرمائی ہے' خدا نے لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت و دوستی کو جاگزین کر دیا ہے' رسول خدا ہم سے ہیں اور ان کے وصی علی بن ابی طالبؑ بھی ہم سے ہیں' حمزہ سید الشہداءؑ، جعفر طیارؓ جو کہ بہشت میں پرواز کرتے ہیں ہم میں سے ہیں اور دونواسے رسولؐ کے اس امت کے لئے حسن و حسینؑ اور مہدیؑ جو کہ دجال کو ضرور قتل کریں گے ہم اہل بیت ہی سے ہیں۔

اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا تو میں اسے اپنا حسب و نسب پہچنوا دیتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں، میں زمزم و صفا کا فرزند ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رکن (حجر الاسود) کو چادر میں اٹھایا۔

(ظاہراً اشارہ ہے اس داستان کی طرف جب حجر الاسود کو نصب کرنے کے لئے قبل از اسلام سرداران مکہ میں بات ہوئی اور اختلاف ہوا تو جناب رسول خداؐ نے چادر میں پتھر رکھ کر مکہ کے سرداروں سے کونے پکڑوائے اور حضرتؐ نے اس کو اس کی جگہ پر رکھ دیا)۔

میں اس کا فرزند ہوں جس نے سب سے بہتر احرام باندھ کر طواف حرم وسعی کو انجام دیا اور حج بجالایا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کو خدا کے حکم سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، میں اس کا نور نظر ہوں جو سدرۃ المنتھی تک پہنچایا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے حق میں خدا نے یوں فرمایا "دنی فتدلی فکان قاب قوسین اودنی"، میں اس کا جگر گوشہ ہوں جس کو خدائے جلیل نے جو بھی وحی کرنا چاہی وحی کی، میں حسینؑ کا بیٹا ہوں جسے کربلا میں مار ڈالا گیا، میں علی مرتضیٰؑ کا بیٹا ہوں، میں محمدؐ مصطفیٰ کا بیٹا ہوں، میں فاطمۃ الزہراءؑ کا بیٹا ہوں، میں خدیجہ کبریٰؑ کا فرزند ہوں، میں سدرۃ المنتھی کا پسر ہوں، میں شجر طوبیٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا پسر ہوں جو اپنے ہی خون میں غلطاں ہو گیا، میں اس کا جگر گوشہ ہوں کہ اجنّا نے تاریکی میں اور پرندوں نے ہوا میں اسپر نوحہ کیا اور گریہ کیا۔

امامؑ کا خطبہ ابھی یہاں تک ہی پہنچا تھا کہ مجلس درہم برہم ہو گئی، حاضرین مجلس کی آہ وزاری کا شور مسجد میں بلند ہو گیا، امامؑ نے اس خطبے میں واضح کیا کہ تمام افتخارات ہمارے خاندان کا مقدر ہیں، علم و دانش جو برتری کے لئے انسانی شرط

ہے' بردباری' بخشندگی اور سخنوری جو کہ آدمی کی فضیلت ہے' دلیری اور مردانگی جس پر رہبری و پیشوائی قائم ہوتی ہے' باایمان لوگوں کے دلوں میں محبت و دوستی جو کہ حکومت کرنے کی علامت اور رمز ہے یہ سب کچھ ہمیں ہی دیا گیا ہے اور خدا نے ایسا ہی چاہا ہے۔ پس اسلام کی بزرگ شخصیات ہمارے خاندان میں ہی پیدا ہوئیں۔ علی بن ابی طالبؑ وصی رسول خداؐ ہم میں سے ہیں' حمزہ سید الشہداءؑ قتیل جہاد (احد)' جعفر طیار شہید (موتہ) اور اس امت کے دو نواسے حسنؑ و حسینؑ دو جوانان بہشت کے سردار' مہدیؑ موعود جن کے ہاتھوں دنیا میں مملکت اسلامی تشکیل دی جائے گی یہ سب ہمارے خاندان سے ہیں اور ان سب سے بڑھکر محبوب خدا پیغمبر اسلام قرآن مجید کو لانے والے بھی خاندان بنو ہاشم سے ہی ہیں۔

آیا یزید ان تمام افتخارات کو ہم سے چھین سکتا ہے؟ آیا ان افتخارات کو اپنے نام یا بنو امیہ کے نام ثبت کر سکتا ہے؟ آیا ان تمام فضائل و مناقب کے ساتھ ہمیں گمنام بنا سکتا ہے؟ کیا یزید حضرت علیؑ' جعفرؑ' حمزہؓ' حسنینؑ جو کہ دین کے مخلص ترین خدمت گزار ہیں ان کے روپ میں خود کو ظاہر کر سکتا ہے؟ آیا یہ ہمارے حساب میں سے مکہ و منیٰ' زمزم و صفا' سعی و طواف' مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ' قاب قوسین اور شجر طوبیٰ اور وحی آسمانی کو جدا کر سکتا ہے؟ آیا یہ تمام شعائر دینی اور شریعت پاک کے بانی ہمارے جدؐ کے علاوہ کوئی اور ہیں؟

مسجد میں موجود لوگوں کی حالت خراب سے خراب تر ہو رہی تھی۔ یزید امامؑ کی اس گفتگو کے انجام سے سخت فکر مند ہو گیا اور اس نے امامؑ کے کلام کو قطع کرنے کے لئے مسجد کے موذن سے اذان دینے کو کہا۔ موذن نے اذان دینا شروع کی تو نام خدا کے احترام میں امامؑ خاموش ہو گئے۔ موذن نے کہا "اللہ اکبر" امامؑ نے

منبر کی بلندی سے صدا دی "اللہ اکبر" کوئی چیز خدا سے بڑھ کر نہیں، موذن نے کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ" امامؑ نے فرمایا میرا خون گوشت پوست اور میرا رواں رواں خدا کی یگانگی اور اس کی وحدت کی گواہی دیتا ہے۔ موذن نے کہا "اشھد ان محمداً رسول اللہ" امامؑ اس موقع کے منتظر تھے۔ عمامہ سر سے اتارا اور کہا: اے موذن تجھے اسی محمدؐ کے حق کا واسطہ جس کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے ذرا خاموش ہو جا۔ اس وقت آپؑ نے یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے یزید! یہ پیغمبرؐ ارجمند و بزرگوار میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تو کہے کہ تیرے 'تو سب جانتے ہیں کہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اور اگر کہے کہ میرے 'تو بتا پھر کیوں میرے پدر کو شہید کیا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹا اور ان کی عورتوں کو قید کیا؟ آپؑ نے یہ کہا اور اپنے ہاتھ سے دونوں گریبان چاک کیا اور فرمایا خدا کی قسم اگر دنیا میں کوئی ایسا ہو کہ جس کا جد رسول خدا (ص) ہو تو سوائے میرے کوئی نہیں۔ پس کیوں اس آدمی نے میرے بابا کو ظلم و ستم سے شہید کیا اور ہمیں اسیران روم کی طرح قید کر کے تشہیر کیا؟ پھر آپؑ نے یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے یزید! یہ کس طرح کے دردناک عمل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ محمدؐ کو رسول اللہ کہتا ہے روبقبلہ کھڑا ہے 'وائے ہو تجھ پر! روز قیامت جب میرے جد اور والد تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

یزید نے حکم دیا اقامت کہی جائے لیکن مسجد کا نظام ایسا درہم برہم ہو چکا تھا کہ بہت سے افراد بغیر نماز پڑھے پریشانی کے عالم میں مسجد سے نکل گئے۔

(کامل بھائی ج ۲ ص ۳۱۰ 'نفس المھموم ص ۲۴۲ 'بحار ج ۴۵ ص ۱۳۸)

یزید نے اپنے ایک خاص مصاحب کو حکم دیا کہ امام سجادؑ کو مخصوص باغ میں

لے جا کر قتل کر دے اور ان کی لاش کو زیر خاک چھپا دے۔ لیکن امامؑ کی کرامات سے خداوند کریم نے اس جلاد کو ہلاک کر دیا اور وہ قبر جو اس نے امامؑ کے لئے کھودی تھی خود اسمیں دفن ہوا۔

(نفس المہموم ص ۲۴۴)

امام سجادؑ کے لہجے کی صراحت 'شجاعت 'روح امامؑ کی بزرگی اور ایسی موقع شناسی جیسا کہ اس خطبہ میں نظر آتی ہے تعجب انگیز ہے۔ اسی طرح کے خطبات اور سخن رانی تھے جنہوں نے کربلا کے قیام کو ثمر بار کیا۔ لوگوں کے دلوں میں آل ابی سفیان کے لئے کینہ و نفرت بھر دی۔ اسیران اہل بیت نے اپنے سر اہم ترین ذمہ داری کو بڑی باریک بینی کے ساتھ تیار کردہ پلان کے تحت کوفہ وشام اور جہاں بھی موقعہ ملا انجام دیا۔ انہوں نے جہاں بھی لازم جانا اور سخن کرنے کی ضرورت دیکھی وہاں خطبات دیئے۔ انہوں نے اپنے مصائب و آلام کو پس پشت ڈال کر خطرہ کے احساس کے باوجود اس طرح حقائق سے پردہ چاک کیا کہ دشمن کو اس واقعہ کے تحریف اور اسے مبہم بنانے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا۔

امام سجادؑ کے بلیغ خطبے اور دربار یزید میں جناب زینب کبریٰؑ کی شعلہ فشاں گفتگو نے شام کے حالات کو یکسر پراگندہ کر دیا۔ شام کے لوگوں نے یزید کو گالیاں دیں اور اس برے عمل پر اسے لعنت ملامت کی۔

(کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۰)

عباس محمود عقاد تحریر کرتا ہے کہ یزید کو اس کے خانوادہ کے بیشتر لوگوں نے ملامت کی اور نوبت یہاں تک آگئی جیسا کہ عماد الدین طبری نقل کرتا ہے کہ دمشق کے لوگ چاہتے تھے کہ یزید کے گھر میں گھس کر اسے مار ڈالیں 'مروان بن

حکم ان پراگندہ حالات کو دیکھ رہا تھا' اس نے یزید سے کہا کہ اب ان اسیروں کا مزید شام میں رہنا تیری صلاح میں نہیں۔

(ابو الشہداء ص ۷ ۱۹ ترجمہ معزی کامل بھائی ج ۲ ص ۳۰۲' ط جدید)

اگر اسیروں کے خطبات اور اس طرح کی جرأتمندانہ گفتگو نہ ہوتی تو کیا حالات یہ ہوتے ؟ کیا قاتلین امامؑ اس طرح رسوا اور روسیاہ ہوتے ؟ کیا قیام کربلا کا مقصد جو کہ بنو امیہ کو جڑ سے اکھاڑنے اور ضمناً بشر کے لئے درس زندگی تھا ان درخشان نتائج تک پہنچتا ؟ نہیں ! ہرگز نہیں !

جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی کتاب الجامع الصغیر (صفحہ ۱۸ باب الف ط مصر) میں رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں :

"اذا اراداللہ انفاذ قضائہ و قدرہ سلب ذوی العقول عقولھم حتی ینفذفیھم قضائہ وقدرہ فاذا مضی امرہ رد الیھم عقولھم و وقعت الندامۃ"

"خدا جب بھی چاہتا ہے کہ اپنی قضا و قدر کو انجام تک پہنچائے تو وہ خردمندوں کی عقل ان سے سلب کر لیتا ہے تاکہ اس کی قضا و قدر ان کے لئے جاری ہو سکے پھر انہیں ان کی عقل واپس دے دیتا ہے اور وہ اس وقت اپنے ان کاموں پر جو انہوں نے کئے ہوئے ہیں شرمندہ و پشیمان ہوں"۔

جی ہاں خدا نے یزید اور قاتلین امامؑ سے ان کی عقل کو لے لیا تھا تبھی تو انہوں نے اتنے فصیح و بلیغ اور توانا مبلغین کو اسیر کیا انہیں شہروں میں تشہیر کیا اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی رسوائی اور روسیاہی بربادی کے سامان فراہم کئے۔

اسیروں کی مدینہ واپسی

یزید بالآخر مجبور ہو گیا کہ ابن زیاد کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرا دے اور ظاہراً اس سے بیزاری چاہے اور اس پر لعنت کرے۔ شیخ مفیدؒ تحریر کرتے ہیں کہ یزید نے امام سجادؑ کو بلوایا اور ان سے کہا خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے والد کے روبرو ہوتا تو وہ جو بھی کہتے میں اسے قبول کر لیتا۔ اور جہاں تک ہو سکتا میں ان کے قتل کرنے سے پرہیز کرتا۔ لیکن تقدیر میں یہی تھا جس طرح پیش آیا۔ آپؑ مدینہ جائیے اور وہاں سے میرے ساتھ خط و کتابت رکھیئے گا میں آپ کی ہر ضرورت کو پورا کروں گا۔ پھر اس نے نعمان بن بشیر صحابی سے کہا کہ امام سجاد کو اہل بیتؑ کے ساتھ کمال ادب و احترام سے مدینہ لے جاؤ۔

(ارشاد مفیدؒ ص ۲۳۱)

اب لازم ہے ہم دیکھیں اہل بیت کس طور مدینہ واپس ہوئے اور امام چہارم مدینہ کے باہر اہل مدینہ سے کس طرح روبرو ہوئے اور آپؑ نے کیا گفتگو فرمائی۔

امام سجادؑ نے قبل اس کے کہ مدینہ وارد ہوں بشیر بن جذلم نامی شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ شہر میں جاؤ اور لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت اور ہمارے آنے کی خبر کر دو۔ اس آدمی کی نوحہ سرائی کے انداز سے سمجھ میں آئے گا کہ تنہا غرض خبر دینا نہیں تھا بلکہ اعلان شہادت کے ضمن میں کربلا کے مقدس قیام کے متعلق آگاہ فرمائیں اور شہر مدینہ میں جو کہ اسیروں کی واپسی کا منتظر تھا جوش و ولولہ، نالہ و شیون اور تاریخ کا ایک نیا باب کھولیں۔ یہی وجہ ہے کہ بشیر گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ میں داخل ہو کر اس نے صدائے گریہ بلند کی اور یوں بولا :

یا اهل یثرب لا مقام لکم بها   قتل الحسین فادمعی مدرار

الجسم منه بکربلاء مضرج   والرأس منه علی القناة یدار

اے اہل مدینہ اب تم کس امید پر اس شہر میں رہ رہے ہو حسینؑ قتل کر دیئے گئے، میری آنکھیں اشکبار ہیں، ان کا جسد مطہر کربلا کے ریگ زار پر خاک و خون میں آلودہ پڑا تھا اور ان کا سر مبارک نوک نیزہ پر بلند کر کے (شہروں میں پھرا کر) تشہیر کیا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا میں علیؑ بن الحسینؑ کا قاصد ہوں۔ آپؑ اہل بیت رسولؐ کے ساتھ مدینہ سے باہر ٹھہرے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی مدینہ کے مرد و زن مدینہ سے باہر کی طرف دوڑے۔ راستے بند ہو گئے اور مدینہ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔

(لہوف ص ۱۱۹)

لوگوں نے جب امام چہارم کا محزون چہرہ اور اشکبار آنکھیں دیکھیں تو ایسا نالہ و شیون اٹھا کہ زبان و قلم اس کو رقم کرنے سے عاجز ہیں۔ امامؑ نے اس بڑے مجمع کو اشارہ کر کے خاموش کیا اور یہ فرمایا:

اس خدا کی حمد و ثنا کہ جو مخلوقات کا پروردگار اور روز جزا کا مالک ہے۔ خلائق کا پیدا کرنے والا ہے خدا جو عقل و خرد کی ادراک سے باہر ہے، جس کی عظمت کے سامنے آسمانوں کی بلندی پست ہے۔ خدا جو رازوں کو سنتا ہے، میں اس خدا کو ان عظیم حوادث، مصائب زمانہ، الم انگیز، سخت مصائب کے برداشت کرنے کی قوت دینے پر شکر ادا کرتا ہوں۔

اے خدا کے بندو! سپاس گزار ہوں اُس خدا کا کہ اُس نے ہمیں شدید مصائب میں اور سخت آلام میں گرفتار کر کے آزمایا ایسی آزمائش کہ اسلام میں ایک بہت بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔ میرے والد ابو عبداللہ، ان کے

انصار اور جوانوں کو شہید کر دیا گیا۔ ان کی عورتیں اور بچے اسیر ہو گئے' ان کے سروں کو نوک نیزہ پر بلند کر کے شہروں میں پھرایا گیا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کی نظیر و مثال کہیں نہیں ملتی۔ تم میں کون ہے جو ان کی شہادت پر خوش ہو گا اور کونسا دل ہے جو محزون نہ ہو گا اور کونسی آنکھ ہے جو آنسو نہ بہائے۔

اے لوگو! ہمیں پریشان و منتشر کر دیا گیا۔ ہمیں اپنے وطن سے دور کر دیا گیا۔ ہمارے ساتھ اس طرح سلوک کیا گیا جیسے ہم کافر اور دین سے دور ہیں۔ ہم نے اس کے باوجود کہ نہ کوئی گناہ کیا تھا نہ ہی مکروہات کے مرتکب ہوئے تھے اور نہ ہی ہم نے اسلام میں کوئی شگاف ڈالا تھا' ایسی مصیبت دیکھی کہ جس کی نظیر اپنے آباء و اجداد میں نہیں ملتی اور یہ بجز فریب کچھ نہیں۔ خدا کی قسم اگر رسول خدا ہم سے جنگ کا حکم دیتے تو یہ اس سے زیادہ کچھ نہ کرتے۔ پس اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مصیبت کس قدر عظیم' دردناک' جگر خراش' تلخ اور دشوار تھی۔ خدا سے دعا ہے کہ ہمیں مصائب و آلام پر تحمل کا اجر عطا فرمائے۔ خدا ہی توانا و قدرت مند ہے اور وہی ہے جو مظلوموں کا بدلہ ظالموں سے لیتا ہے۔

(لہوف ص ۱۲۱' ۱۲۲)

امام چہارم (ع) نے اس خطبے میں مدینہ کے مسلمانوں کو جزئیات کربلا اور قاتلین حسینؑ کی وحشی گری کی اطلاع دی۔ دشمن کی بدنامی' خاندان رسالت کی سرفرازی اور نیکنامی کو لوگوں میں اظہر من الشمس کر دیا۔ تاکہ یہ قیام مقدس موج کی مانند طوفانی دریا میں وسعت پا جائے۔ شہیدان راہ حق کے بارے میں

قیافہ آرائی اور دروغ گوئی تاریخ میں ہمیشہ کیلئے منعکس ہو جائیں۔

امام کا خطبہ تمام ہوا اور اہل بیت رسولؐ اپنے گھروں کو واپس آئے۔ راہ حق میں فداکاری کا افتخار امام حسینؑ، انصار حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ کے لئے ثبت ہو گیا اور دشمن کے لئے بدنامی دائمی ہو گئی۔

آیا یزید قتل حسینؑ سے بے خبر تھا اور راضی نہ تھا؟

ارباب تاریخ اور مقتل نویس لکھتے ہیں کہ جب خاندان رسالت کے اسیروں کو شام لے گئے اور فاجعۂ کربلا کو یزید کے سامنے بیان کیا تو یزید نے سر جھکا لیا اور متفکر ہوا پھر اس نے کہا میں حسینؑ کو قتل کئے بغیر بھی تمہاری اطاعت سے راضی ہو جاتا اور اگر میں تمہاری جگہ ہوتا اور حسینؑ کے مقابل آتا تو حسینؑ کو قتل نہ کرتا اور ان سے درگزر کرتا۔

(ارشاد مفیدؒ ص ۲۳۰)

یہ بھی لکھتے ہیں کہ یزید نے واقعۂ کربلا کے سننے کے بعد کہا کہ مجھے نہ حسینؑ کے خروج کی خبر تھی اور نہ ہی ان کے قتل ہونے کی۔

(الامامۃ والاسیاسۃ ج ۲ ص ۸)

یزید کی یہ وہ گفتگو ہے جو بیشتر مورخین نے کیا شیعہ اور کیا اہل سنت، سب نے نقل کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض افراد یزید کو اس بارے میں ہر ذمہ داری سے مبرّا اور الگ جانتے ہیں۔ اور وہ بھی خود کو اس گناہ سے بری سمجھتا ہے اور اس کا اصل ذمہ دار پسر مرجانہ کو سمجھتا ہے۔ جبکہ ایک دوسرے گروہ کے بقول ابن زیاد کی تمام جنایات اور بداعمالیاں، مظالم یزید کے دیئے گئے دستورات کے مطابق انجام پائے اور ایک ذرا سا عمل بھی یزید کے دیئے گئے حکم کے خلاف انجام نہ پایا

تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حق کس طرف ہے ؟ آیا یزید کو ان تمام اعمال کے انجام سے الگ قرار دیا جائے اور سب کچھ پسر مرجانہ کے حساب میں رکھا جائے ؟ یا پھر تمام احکامات یزید کی جانب سے تھے اور ابن زیاد فقط ان کا اجراء کرنے والا ہے۔ جو بھی معتبر ذرائع سے ہمیں ملا ہے اسے یہاں بیان کریں گے تاکہ حقیقت امر واضح ہو جائے اور حق دونوں گروہوں میں سے کس کی طرف ہے یہ بھی روشن ہو جائے۔

۱۔ یعقوبی تیسری صدی ہجری کا ایک دانشمند اپنی مشہور اور معتبر تاریخ میں نقل کرتا ہے کہ جب حسینؑ بن علیؑ مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے یزید نے اپنے فرمانبردار ابن زیاد کو یہ تحریر کیا: مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اہل کوفہ کی دعوت پر مکہ سے باہر نکل کر کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں' یہ وہ خبر ہے کہ تیرے اور تیرے شہر کے لئے بڑی آزمائش ہے۔ اگر تو حسینؑ کو قتل کر دے تو کیا خوب وگرنہ جان لے میں تجھے اپنے نسب اور تیرے دادا عبید کے نسب سے باہر کر دوں گا۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۷ طبیروت)

۲۔ عزالدین ابن الاثیر تاریخ کامل میں ایک مرد مسافر بن شریح یشکری سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ یزید کی ہلاکت اور اہل بصرہ کی بغاوت کے بعد' میں ابن زیاد کو شام لے جارہا تھا اس نے راستے میں میرے سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے حسینؑ کو اس لئے قتل کر دیا تھا کہ یزید نے میرے لئے دو میں سے ایک قتل کا انتخاب دیا تھا۔ حسینؑ کو قتل کر دوں یا خود قتل کیا

جاؤں۔ مجھے اس میں خیر نظر آیا کہ حسینؑ کے قتل کا انتخاب کیا۔

(تاریخ کامل ج ۳ ص ۳۲۴، حوادث سال ۶۴ ہجری دست خیانت اس کی طبری نے تحریف کی ہے لیکن عبدالوہاب نجار نے کامل کے حاشیہ میں اس تحریف پہ اعتراض کیا)

۳۔ ابن صباغ مالکی، ابن طلحہ شافعی، سید مومن بلنجی اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کے کربلا وارد ہونے کی اطلاع پائی تو ابن زیاد نے اس مضمون کا خط آنحضرت کو تحریر کیا:

"امیر المومنین یزید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک آرام سے نہ سوؤں اور سیر ہو کر نہ کھاؤں جب تک آپؑ یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کرلیں، وگرنہ میں آپؑ کو قتل کردوں گا۔ والسلام"

(الفصول المہمہ ۲۰۱ مطالب السؤل ص ۷۵ نور الابصار ۱۲۹)

۴۔ ابن عبدربہ اندلسی اپنی کتاب عقد الفرید میں لکھتا ہے: امام حسینؑ حکومت یزید سے ناخوش وناراض تھے۔ آپؑ نے کوفہ کا رخ کیا۔ یزید نے اس بات کو جانتے ہی ابن زیاد کو تحریر کیا: مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا ہے۔ اب تمہارے سامنے دو راستے ہیں کوشش کر کے حکمرانی کو دوام دو یا پھر غلاموں کی صورت میں آجاؤ۔ ابن زیاد نے اس خط کو پانے کے بعد امام حسینؑ کو قتل کردیا اور ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

(عقد الفرید ج ۲ ص ۲۱۸)

۵۔ سبط ابن جوزی تحریر کرتا ہے: واقعہ کربلا کے بعد یزید نے ابن زیاد کو شام بلوایا اور اس کو بہت زیادہ مال اور بیش بہا ہدیے بخشے اور اس کو اتنا تقرب بخشا کہ اس نے اپنے حرم میں جانے دیا۔ ایک رات جب ابن زیاد اس کے برابر بیٹھا ہوا

تھا تو مستی کے عالم میں یزید نے ساقیٔ مجلس کو مخاطب کر کے کہا:

"اسقنی شربه تروی مشاشی ثم هل فاسق مثلها بن زیاد
صاحب السر والامانة عندی ولتسدید مغنمی و جهادی
قاتل الخارجی اعنی حسیناً. ومبید الاعداء والحساد

(تذکرہ ص ۶۴ ا باب ۹ شعر اول دوم مروج الذہب میں مسعودی نے بھی نقل کیا ہے)

یعنی شراب کا جام مجھے پلا تاکہ میری نرم ہڈیوں کو سیراب کر دے' اسکے بعد ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام دے۔ ابن زیاد میر ا راز دار اور قابل اعتماد ہے میری خلافت کی بنیاد اس کے ہاتھ استوار ہوئی۔ ابن زیاد وہ ہے جس نے حسینؑ کو قتل کیا اور میرے بد خواہوں کو تباہ و برباد کیا ہے۔

قارئین کرام خود فیصلہ کریں آیا ان تمام اسناد معتبر کے بعد ہم نے جن کا ذکر کیا ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ یزید اپنے دعویٰ میں سچا تھا کہ امامؑ کے خروج اور قتل ہونے کی کوئی اطلاع نہ رکھتا تھا اور فاجعۂ کربلا بغیر اُسکی دانست کے یہ صورت اختیار کر گیا۔ اور اگر وہ ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو امام کو قتل نہ کرتا۔ اگر یزید سچ کہتا تھا تو کیوں اس نے ابن زیاد کو معزول نہ کیا؟ کیوں اسے اس کے عمل کی سزا نہ دی؟ کیوں اسے اپنا ہمراز و امین کہا؟ کیوں اسے اموال و بیش بہا انعامات بخشے؟ اگر وہ واقعہ کربلا سے بے خبر اور ناخوش تھا تو کیوں سر مبارک امام حسینؑ کو دفن نہ کیا؟ کیوں امام کے قتل پر اس نے فخر و مباہات کا اظہار کیا؟ اور امام حسینؑ کی شہادت کو بدر کے مقتولین اپنے مشرک آباؤ اجداد کا انتقام محسوب کیا؟ کیوں چھڑی سے امام کے دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کی؟ کیوں' آخر کیوں؟

یزید نے امام سجادؑ کے سامنے عذر خواہی کی' ابن زیاد سے اظہار بیزاری کیا اور

اس پر لعنت کی اور کہا کہ میں واقعہ کربلا سے مطلقاً بے خبر رہا ہوں۔ یہ سب پہلے کے ستمگر حکمرانوں کی عادت اور سیاست ہے کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے حساب میں ڈال کر خود کو بے گناہ ظاہر کرتے ہیں۔ عجب ہے کہ ایک طرف یہ ستمگار اپنے غیر انسانی اعمال کو عمال کے سر ڈال دیتے ہیں اور دوسری طرف ان کے عمال بھی ان کی طرح قاعدہ کے مطابق "المامور معذور" کے مصداق ٹھہرا کر خود کو بے جرم و بے تقصیر بیان کرتے ہیں۔ یزید نے بھی امامؑ کے قتل کا حکم صادر کرنے کے بعد بہتر جانا کہ خود کو بے گناہ ظاہر کرنے کے لئے یہ کہے کہ مجھے اس کام کی خبر نہ تھی اور یہ پسر مرجانہ تھا کہ میرے حکم کے بغیر اس نے خود ہی ایسا کر ڈالا۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں : راویوں نے لکھا ہے کہ یزید امام حسینؑ کی شہادت سے خود کو ان حالات سے بری جانتا تھا اور اس گناہ کو پسر مرجانہ سے نسبت دیتا تھا لیکن چونکہ ہم جانتے ہیں اس نے اس کی سرزنش نہیں کی، اس کے تمام یا بعض اختیارات کو سلب نہیں کیا، اس سے پہلے معاویہ نے بھی حجر بن عدی کو قتل کروایا اور اس کا گناہ زیاد کے سر ڈال دیا اور کہا تھا کہ پسر سمیّہ نے مجھے اس کام میں ملوث کیا تھا۔

(علی ودو فرزندش ص ٦٨)

عباس محمود عقاد تحریر کرتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ اور ان کے خاندان کو ختم کرنے کا پروگرام اس طرح بنایا گیا تھا کہ یزید براہ راست اس کام کے گرد نہ جائے بلکہ وہ اپنے عمال کے پشت پر رہ کر ہاتھ ڈالے تاکہ ایک روز اس بدنامی سے خود کو بری کر سکے۔

وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں جو تمام مورخین سے باتفاق ثابت ہے کہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ یزید نے کربلا کی جنگ میں شامل لشکر کے کسی بھی سردار سے باز پرس کی ہو' اس کو سزا دی ہو' یا تنبیہ کی ہو' بلکہ اس کی حکومت وسیاست کا نظام کربلا کی جنگ میں شریک انہی امراء اور سرداروں کی بدولت باقی تھا۔

اس دور کے لوگوں پر نہضت امامؑ کا اثر

حسینؑ بن علیؑ نے روز عاشورا اپنے انصار کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا اور آپ کے اہل بیت کو اسیر کر لیا گیا۔ یہ حادثہ ایک ہی دن میں انجام پذیر ہوا اور اس وقت مسلمان شہروں میں معمول کی زندگی میں مشغول تھے۔ حکومت نے ان کو مملکت کے نواح سے گزارا تاکہ لوگ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور حکومت کے خلاف کسی وقت بھی قیام کی فکر نہ کریں اور یہ جان لیں کہ قیام کرنیوالوں کا سردار گرچہ حسینؑ بن فاطمہؑ بھی ہو تو اس تحریک کے افراد و سردار فتنہ گر ہی شمار ہوں گے۔ اور چونکہ ان کی وجہ سے امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو گا اس لئے ان کی سرکوبی کے لئے حکومت حق بجانب ہو گی تاکہ فتنہ و فساد کی نشاندہی کرے اور ختم کر دیے۔

اس حساب سے حسینؑ بن علیؑ کو مغلوب اور شکست خوردہ اور آپ کے حریف "یزید" کو کامیاب و کامران دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ حساب اس جگہ ختم نہیں ہو گیا اور حادثہ کربلا نے ایک نیا باب کھول دیا۔ اور اس واقعہ کے اثر نے ایک طوفانی دریا کے موج کی طرح وسعت اختیار کر لی تھی اور حیرت اور تیزی سے اس کے علامات اور اثرات جابجا مرتب ہوئے۔ بالآخر مطلق کامیابی اور فتح امام حسینؑ کو ہوئی اور یزید کو ہر معنی میں مغلوب اور شکست خوردہ ظاہر کر دیا۔ اور پھر یہ حقیقت اس طرح

واضح اور روشن ہوئی کہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

قرآن کریم فرماتا ہے :

"ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقویٌ عزیز الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ وامروابالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور"۔

"جو لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں تو خدا تعالیٰ حتمی طور پر ان کی مدد کرتا ہے اور خدا توانا اور قدرت مند ہے۔ خدا کے ساتھی وہی لوگ ہیں کہ اگر انہیں زمین میں متمکن کریں اور قدرت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں اور لوگوں کو شائستہ و معروف کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور منکرات سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور تمام کام کا انجام خدا کے ہاتھ ہے"۔

(سورۂ حج آیہ ۴۰'۴۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے دین کی ترویج کی راہ میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھی اور شہید ہو گئے۔ انہوں نے خدا کے دین کی نصرت کی۔ ظاہر تھا کہ خدا کو اپنے وعدے کے مطابق ان کی مدد کرنا تھی اور ان کے حق طلب قیام کو ثمر بار کرنا تھا۔ امام حسینؑ کی کامیابی اس احترام کا نتیجہ ہے کہ انسانی فطرت حق و حقیقت کی قائل ہے۔ خدا پرستی' انصاف' عدل' شرف' عزت نفس' غیرت مندی' انسان دوستی' وہ حقائق ہیں جن کی تقدیس انسانی ضمیر ہمیشہ کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

ابھی تک دنیا کی کسی ایک ملت میں نہیں دیکھا گیا کہ کسی ایک بھی ستمگار اور

جنایت پیشہ کی قدر دانی کرتے ہوں اور اس کی محبت اور اس سے تعلق دل سے رکھتے ہوں۔ اگر اتفاقاً کسی فرد کو جھوٹ کے ذریعہ نیک آدمی کی حیثیت سے متعارف کروادیا گیا ہو تو لوگ اس کی محبت اور عزت کا اظہار کرتے ہیں لیکن یہ محبت اور تعلق ان صفات و خوبی سے ہے جس کے وجود کا لوگ اسمیں گمان کر رہے ہیں۔

انسان اس تشخیص و فیصلہ کا از خود اختیار نہیں رکھتا۔ یہ اس کی فطرت اور وجدان کا تقاضا ہے جو خدا کی طرف سے پیدا کیا گیا ہے۔ امام حسینؑ کی کامیابی و غلبہ اور یزید کی شکست کی جڑیں یہاںپر ہیں کہ حسینؑ ایمان، عدالت اور انصاف عالیۂ انسانی کے اس مقام کو پا چکے تھے جہاں شکست کا گزر نہ تھا اور یزید پستی اور شقاوت کی ایسی گہرائی میں تھا کہ انسانی ضمیر کسی صورت بھی اس کے غلبہ اور کامیابی کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

اب ہم ابو عبداللہؑ کی تحریک کے ان اثرات کا جائزہ لیں گے جو اس وقت کے عالم بشریت پر مرتب ہوئے اور اس تحریک سے جو درس حاصل ہوتا ہے اس پر غور کرینگے۔ ہم اس مثل کے ذکر سے غافل نہ ہوں کہ اگر پانی کو حرارت دیتے ہیں تو اس میں جوش آنے سے پہلے دیگ کی تہہ سے بلبلے اوپر آتے ہیں اور پانی کی سطح کے اوپر آکر ٹوٹ جاتے ہیں، اس کے بعد دھیرے دھیرے جوش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ظلم کی دستگاہ کے خلاف جامعہ کا انقلاب اور شورش کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ اولاً تنقید، ناپسندیدگی، عدل و انصاف کا مطالبہ، ظلم و جبر پر فریاد دیگ کی تہہ میں ان بلبلوں کی طرح ہوتے ہیں جو ملک کے گوشہ و کنار سے اٹھنا شروع ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ قوت پکڑتے جاتے ہیں، آخر کار جامعہ کی دیگ میں ابال

آنا شروع ہوتا ہے اور ظلم کی دستگاہ کو اسقدر تہ وبالا کرتا ہے کہ دیگ سے بے مصرف جھاگ کی طرح باہر نکل جاتی ہے۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بلا فاصلہ یہ آوازیں' جو کہ آل ابوسفیان کی منحوس حکومت کے ارکان کو نیچے گرانے کا مقدمہ تھیں' بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ سنان بن انس ابھی امام حسینؑ کی قتل گاہ سے باہر نہ گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا تو نے حسینؑ بن علیؑ' پسر فاطمہؑ دختر رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ تو نے اس مرد بزرگوار کو قتل کیا ہے جو تمام عرب سے بزرگتر تھا۔ وہ اس لئے آیا تھا کہ بنو امیہ کے ہاتھ سے حکومت لے لے۔ اب تو اپنے امراء کے پاس جا اور ان سے انعام لے۔ لیکن جان لے کہ اگر یہ اپنے تمام جمع کردہ خزانے تجھے دے دیں پھر بھی انہوں نے قتل حسینؑ کے مقابلے میں کم دیا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۷ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۵)

یہ گفتگو ان کے پریشان اور نادم افکار کی نشان دہی کرتی ہے' وگرنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ امام حسینؑ کی تعریف کریں اور امامؑ کو عرب کا مرد بزرگوار' پسر فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ سے تعبیر کریں۔

جب کوفی امامؑ کے خیام کی غارت گری کیلئے پھیل گئے تو قبیلہ بنو بکر بن وائل کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ ابن سعد کے لشکریوں میں موجود تھی اس دلخراش منظر سے منقلب ہو گئی اور اس نے ایک تلوار اٹھائی' خیام امام حسینؑ کی طرف دوڑی اور چلائی: اے اہل بکر بن وائل! آیا یہ روا ہے کہ تم لوگ تماشا دیکھو اور پیغمبرؐ کی بیٹیوں کے خیام کو تاراج کیا جائے۔ آیا یہ حکم فقط اس خدا کی طرف سے ہے کہ کوئی پیغمبرؐ کے بیٹے کا خون بہا لینے کو اٹھ کھڑا ہو؟ اس کے شوہر نے اسے

پکڑا اور اپنی چادر ڈال کر اسے اپنے خیمے میں پہنچا دیا۔

(لہوف ص ۷۸)

خولی بن یزید عاشورا کے روز امام حسینؑ کا سر مبارک کوفہ لے گیا کہ ابن زیاد کے پاس پہنچائے۔ چونکہ دیر سے پہنچا اور دار الامارہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا' امامؑ کے سر مقدس کو اپنے گھر لے گیا۔ اس نے سر مبارک کو ایک مقام پر رکھا اور سو گیا۔ اس کی عورت نے پوچھا کہ آج کے حالات کی کیا خبر ہے۔ اس نے کہا کہ میں سر حسینؑ لایا ہوں' اتنا انعام ملے گا کہ بقیہ تمام عمر بے فکری سے گزر جائے گی۔ وہ عورت ایک دم منقلب ہو گئی اور کہا کہ وائے ہو تجھ پر تو فرزند پیغمبرؐ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم اب تیرے ساتھ ایک تکیہ پر سر نہیں رکھوں گی۔ اس نے یہ کہا اور بستر سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۸)

زید ابن ارقم صحابی

زید بن ارقم صحابی نے جب دیکھا کہ پسر مرجانہ امامؑ کے سر مبارک سے بے ادبی کر رہا ہے تو فریاد کرتے ہوئے کہا: "اپنی چھڑی کو حسینؑ کے دندان مبارک سے ہٹا لے' خدا کی قسم میں نے پیغمبرؐ کو ان کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا" اور پھر آپ مجلس ابن زیاد سے نکل گئے اس وقت آپ یہ کہہ رہے تھے: "اے عرب کی جماعت آج کے بعد تمہاری آزادی سلب ہو گئی۔ اب تم غلاموں کے مثل ہو گئے ہو کیونکہ فرزند فاطمہؑ کو قتل کر دیا گیا اور پسر مرجانہ کو اپنا امیر چن لیا ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ یہ تمہارے نیکوں کو کس طرح قتل کرے گا اور تمہارے بدکار کو کس طرح اپنا خدمت گار اور عمال بنائے گا"۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۹)

کربلا کے جانسوز واقعہ کے یہ اولین عکس العمل تھے جو آہستہ آہستہ وسعت

پاتے گئے اور ہم نے دیکھا کہ اس کی پہل دشمنان امام حسینؑ سے شروع ہوئی۔

ابن زیاد لوگوں کو کربلا کے اس واقعے سے آگاہ کرنے کے لئے کوفہ کی بڑی مسجد میں لوگوں کی موجودگی میں بالائے منبر گیا اور یوں خطاب کیا :

"الحمدلله الذی اظهر الحق واهله ونصر امیرالمومنین یزید وحذبه وقتل الکذاب ابن الکذاب وشیعته"

"خدا کا شکر کہ اس نے حق اور اہلِ حق کو کامیاب کیا اور امیر المومنین یزید اور اس کے ساتھیوں اور لشکر کی مدد کی اور اس نے جھوٹے کے بیٹے جھوٹے اور اُس کے شیعوں کو قتل کیا"۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۹۔ ارشاد مفید ص ۳۵۱ متن عربی ارشاد سے نقل کی)

ایک محقق کہتا ہے : سچ یہ ہے کہ اگر تاریخ یہاں ذرا بھی ابن زیاد کا ساتھ دیتی اور اسے اسی مجلس اور اسی منبر کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگوں سے جواب نہ ملتا تو ممکن تھا کہ یہ خطبہ جو مسلمانوں کی مسجد میں مسلمانوں کے سامنے، مسلمانوں کے امیر کے وسیلہ سے دیا تھا بعض لوگوں کے دلوں میں ایک مدت کے لئے شبہ پیدا کر دیتا کہ شاید حقیقت یہی ہو جو ابن زیاد بیان کر رہا ہے اور حق اسی فرد کے ساتھ ہو جو خدا کے گھر میں منبر سے اس طرح اس واقعہ پر خدا کا شکر ادا کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اچھا کام ہوا کہ حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر دیا گیا............

لیکن تاریخ نے یہاں بھی اپنی ہوشیاری سے استفادہ کیا اور قبل اس کے کہ ایک فرد بھی مسجد سے باہر جائے......ایک مرد مسلمان نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس کا جواب تحویل میں دے دیا۔

(مرحوم آیتی کی تقاریر بررسی تاریخ عاشوراص ۱۳۴)

اس موقہ پر جبکہ ابن زیاد چاہتا تھا کہ خطبے کو جاری رکھے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے شیعوں میں سے عبداللہ ابن عفیف ازدی اٹھ کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا:

"یابن مرجانہ ان الکذاب من الکذاب انت وابوك والذی ولاك وابوہ یابن مرجانہ اتقتلون ابناء النبیین وتکتمون بکلام الصدیقین"۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۱' ارشاد مفید ۲۲۹)

"اے ابن مرجانہ بے شک جھوٹا ہے' جھوٹوں میں سے ہے تو اور تیرا باپ اور جس نے تجھے عراق کی حکومت کے لئے بھیجا ہے وہ جھوٹا اور اس کا باپ جھوٹا۔ اے پسر مرجانہ تو نبیوں کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور راست گو ہونے کی بات کرتا ہے اور راست گوئی کا دم بھرتا ہے۔"

ابن زیاد نے: کہا اسے پکڑ کر لے آؤ۔ عبداللہ کے قبیلے کے جوان ان کی مدد کو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں جلادوں کے چنگل سے آزاد کروا کر لے گئے۔ ابنٔ زیاد جو کہ اپنے ظلم و غیر معمولی وحشت و بربریت میں اپنی مثال آپ تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح کے واقعات دہرائے نہ جائیں' لوگوں کو اس طرح کی جرأت نہ ہو' پس اس نے حکم دیا کہ رات کو انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۱' ارشاد مفید ص ۲۲۹)

لیکن عبداللہ بن عفیف ازدی جو کہنا چاہتے تھے کہہ گئے اور انہوں نے اپنی حق گوئی سے بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے لئے حالات تیز تر کر دئے۔

جب امام حسینؑ کا سر یزید کے پاس لایا گیا تو مروان بن حکم کا بھائی یحیٰی بن حکم غم و تاسف کی شدت سے نوحہ سرائی کرنے لگا اور بولا:

"لهام یحنب الطف ادنی قرابة　　من ابن زیاد العبدذی الحسب الوغل
سمیة امسی نسلها عدد الحصی　　ولبس لآل المصطفی الیوم من نسل"

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۲ ارشاد مفید ص ۲۳۰ پر آخری سطر کا دوسرا شعر یوں ہے: وبنت رسول الله لیس لها نسل)

سرزمین طف (کربلا) میں نہر فرات کے کنارے قتل کئے جانے والے ہمارے خاندان والوں سے ابن زیاد کے مقابل نزدیک تر تھے۔ زیاد کا بیٹا غلام ہے جس کو بنو امیہ سے جھوٹ نسبت دی گئی ہے عجیب ہے کہ سمیّہ کی نسل تو بیابان کی ریت کی طرح بکھر جائے اور آل مصطفیٰ کی نسل کو نابود دیکھا جائے۔ یزید نے اس اموی نوحہ کرنے والے کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔

یہی وہ یحییٰ ہے جس نے ان لوگوں سے جو امامؑ کا سر مبارک لائے تھے پوچھا کہ تم لوگوں نے کیا کام کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ امامؑ کے ساتھیوں سے ۱۸ نفر ہمارے شہر کے نزیک آئے اور ہم نے سب کو قتل کر دیا اور یہ ان کے سر ہیں اور ان کی عورتیں۔ یحییٰ نے کہا: تم لوگ روز قیامت جمال دیدار محمد مصطفیٰؐ سے محروم ہو گئے ہو۔ پس اب میں کسی کام میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا اسکے بعد اٹھا، دربار سے نکل گیا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۶)

ہند عبداللہ عامر کی بیٹی، یزید کی بیوی نے جب سنا کہ امام کا سر مقدس یزید کے سامنے لایا گیا ہے تو وہ شدت غم سے ترساں یزید کے دربار میں چلی آئی اور کہا: اے امیر المومنین آیا یہ فاطمہ، دختر رسولؐ خدا کے فرزند حسینؑ کا سر ہے۔

اس نے کہا کہ ہاں اس پر گریہ کرو

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۶)

مصری مصنف عباس محمود عقاد لکھتا ہے: فاجعہ کربلا کو ابھی کچھ مدت نہ گزری تھی کہ یزید کو اس کے خاندان والوں نے سب سے زیادہ لعنت و ملامت کی۔ ایک طرف تو مروان بن حکم کے بھائی یحیٰی کا سنا کہ اس نے یزید کی محفل چھوڑ دی اور نوحہ سرائی شروع کر دی اور یزید کے اطاعت گزار فرمانروا ابن زیاد کو اسکی اور سب کی نظروں کے سامنے برا بھلا کہا۔ دوسری طرف یزید کی بیوی اور بیٹے کو دیکھا کہ اس واقعہ کے سننے کے بعد وہ ترساں و گریاں ہوئے ہیں۔ ان کے فغاں و شیون نے اس کا آرام چھین لیا ہے۔ ان سب سے بدتر اس نے اپنے فرزند دلبند اور ولی عہد بیٹا معاویہ کو دیکھا کہ جب سے اس واقعہ کو سنا تھا ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی آنکھوں سے آنسو نہ رکتے تھے اور جب بھی اس سے اس کے رونے کا سبب پوچھتے تو وہ بہانہ بنا دیتا کہ میں کربلا کے شہیدوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے لئے روتا ہوں۔

شیخ مفیدؒ اور طبری نے نقل کیا ہے کہ جب ابن زیاد نے حسینؑ کا سر مبارک یزید کے پاس بھیجدیا تو اس نے عبدالملک بن حارث کو طلب کیا اور کہا کہ مدینہ جاؤ اور حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن عاص کو حسینؑ کے قتل کا مژدہ سناؤ، عبدالملک نے معذرت کی اور چاہتا تھا کہ اسے اس کام سے معاف رکھے۔ لیکن ابن زیاد نے اس کو ڈرا دھمکا کر راضی کیا۔ اس کی جوتی میں چند درہم رکھ دیئے اور کہا کہ بہانہ سازی نہ کرو اور جلد روانہ ہو جاؤ تاکہ تمہارے پہنچنے سے قبل یہ خبر مدینہ نہ پہنچ سکے۔

عبدالملک کہتا ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا تو ایک قریش مجھے دیکھ کر سمجھ گیا

کہ میں عراق سے آیا ہوں اس نے پوچھا کہ عراق کی کیا خبر لائے ہو۔ میں نے کہا کہ وہ خبر حاکم مدینہ کے لئے ہے اسے ہی بتاؤں گا (اس قریش نے جان لیا کہ معاملہ کی انتہا یہاں تک پہنچی ہے) وہ بولا : انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسینؑ بن علیؑ قتل کردیئے گئے۔ جب میں حاکم مدینہ عمرو بن سعید کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا کہ عراق سے کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا کہ وہ خبر لایا ہوں جو امیر کو خوشحال کردے گی۔ حسینؑ بن علیؑ قتل ہو گئے۔ اس نے کہا جاؤ لوگوں کو ان کے قتل کی خبر دو۔ میں باہر آیا اور میں نے لوگوں سے بآواز بلند کہا۔ حسینؑ بن علیؑ عراق میں قتل کردیئے گئے۔ خدا کی قسم اس خبر سے زنان بنو ہاشم کے گھروں سے ایک ایسا شیون بلند ہوا کہ میں نے تمام عمر نہ سنا تھا۔ پس میں حاکم کے پاس آیا تو اس نے مجھے دیکھ کر اور زنان بنو ہاشم کے نالہ و فریاد کو سن کر ہنستے ہوئے کہا :

عجت نساء بنی زیاد عجة

کعجیج نسو تنا غداة الارنب

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۷)

زنان بنو زیاد نے آہ و فغاں کی جیسے ہماری عورتوں نے جنگ ارنب کی صبح میں کی تھی پھر کہا: "ھذه واعية بواعية عثمان"۔ آج ہاشمی عورتوں کی گریہ وزاری اس فریاد و نالہ و فغاں کا بدلہ ہے جو بنو امیہ کی عورتوں نے عثمان کے قتل پر کیا تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۳۵۶، ارشاد ص ۲۳۱، ۲۳۲ یہ شعر عمرو بن معد یکرب کا ہے۔ اور ارنب جنگ بنو زبید اور بنو زیاد کے درمیان ہوئی)

عمرو بن سعید نے یہ بات از روئے شماتت کی تھی وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس کے بعد وہ منبر پر گیا اور لوگوں کو رسماً سرکاری طور پر شہادت امام حسینؑ کی خبر

دی اور یزید کے لئے بالائے منبر دعائے خیر کی۔ اس اموی حکمران نے طنز سے قطع نظر شہادت عثمان کو بھی خاندان علی بن ابیطالبؑ کے حساب میں لگایا۔ بہتر ہے اس کا جواب ہم مصری مصنف محمود عقاد سے سنیں :

یہ اپنی کتاب ابوالشہداء میں حاکم مدینہ کے اس طنز کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے : اس طنز کا اطلاق حسین علیہ السلام پر کسی صورت نہیں ہوتا کیونکہ آپؑ وہ ہستی ہیں جنہوں نے عثمان اور ان کے افراد خانہ کو پانی پہنچانے اور دشمنوں سے ان کا دفاع کیا۔ اور اسمیں کئی ایک شدید ضربتیں آپ کو لگیں۔ حاکم مدینہ کی یہ شماتت کی باتیں احمقانہ طنز کے سوا کچھ نہیں کیونکہ امام حسینؑ کے طرز عمل اور اس کے طنز میں کوئی مناسبت نہیں۔

(ابوالشہداء ص ۱۹۹، ترجمہ معزی)

ابن زیاد نے عبدالملک کو بہت اصرار کر کے مدینہ بھیجا تھا۔ حاکم مدینہ نے اس فاجعہ کا لوگوں میں اعلان نہایت خوشی کے ساتھ کیا اور زنان ہاشمی کے فریاد و فغاں کا مذاق اڑایا۔ لیکن نہ تو ابن زیاد کو معلوم تھا اور نہ حاکم مدینہ کو کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لوگوں کے دلوں میں کس نفرت و انتشار کا بیج بو رہے ہیں اور کس انفجار کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔

شہر مدینہ اس طرح امام حسینؑ کی شہادت سے باخبر ہوا اور زنان ہاشمی نے اس طرح نوحہ سرائی کی کہ دل اس وحشت ناک خبر سے ہل گئے۔ جناب عقیل کی بیٹی اُم لقمان اس عالم میں گھر سے باہر نکل آئیں جبکہ ان کی بہنیں انہیں پکڑے ہوئے تھیں وہ رو کر کہہ رہی تھیں :

اس روز جب پیغمبرؐ تم سے پوچھیں گے تو تم کیا جواب دو گے ؟ تم جو اس آخری

زمانے کی امت ہو تم نے یہ کیسا طرز عمل اختیار کیا میرے بعد میرے خاندان والوں کے ساتھ۔ ان کی عورتوں کو قید کرلیا' ان کے مردوں کو قتل کر دیا۔ اور انہیں خون میں نہلا دیا۔ میری خیر خواہی کا صلہ یہ نہ تھا جو تم نے میرے خاندان کے ساتھ کیا؟

ماذا تقولون از قال النبی لکم — ماذا فعلتم وانتم اخرا لامم

بعترتی و باھلی بعد مفتقدی — منهم اساری وقتلی ضر جوابدم

ماکان هذا اجزائی اذ نصحت لکم — ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

(ارشاد مفید ص ۲۳۲)

آہستہ آہستہ شہر کے حالات تبدیل ہوتے گئے' ہر جگہ مجالس عزا برپا ہو رہی تھیں۔ دوسرے لوگ بھی بنو ہاشم کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ مل کر نالہ و شیون کر رہے تھے اور یہ سلسلہ اسی روش پر جاری تھا کہ امام سجادؑ اسیروں کے ساتھ قید شام سے واپس ہوئے۔

طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حسینؑ کی مصیبت کی خبر جب حجاز پہنچی تو یہ لوگوں کے لئے خصوصاً نیک لوگوں کے لئے بہت ہی گراں تھی۔ لوگ ایک دل اور ہمزبان ہو کر کہہ رہے تھے کہ یزید نے فرمان خدا کی مخالفت کی ہے' اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ جتنا بھی جلدی ممکن ہو اس پر خروج کیا جائے۔ اور اس طرح حجاز میں ابن زبیر کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

یزید کوشاں تھا کہ جس طرح امام حسینؑ کے معاملے میں آسودگی حاصل ہوئی ہے اسی طرح ہر جگہ وہ آسانی اور سکون سے رہے۔ لیکن اسی دوران اسے خبر ملی کہ مدینہ کے حالات پریشان کن ہیں اور لوگ اس کے خلاف باتیں کر رہے

ہیں۔ اس کی مخالفت کو پوشیدہ بھی نہیں رکھتے یعنی سر عام اس کی مخالفت ہو رہی ہے۔ اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ مدینہ کے لوگوں میں سے ایک وفد نمائندہ کی حیثیت سے شام بھجواؤ۔ جب مدینہ کا یہ نمائندہ وفد شام آیا تو یزید نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ہر ایک کو پچاس ہزار دینار بخشے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اس نے ایک ہاتھ سے کام تباہ کیا ہے تو دوسرے ہاتھ سے صحیح کر رہا ہے۔ لیکن یہ نمائندہ وفد جب شام سے واپس مدینہ پہنچا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ ہم اس فاسق کے پاس سے آرہے ہیں جو شراب پیتا ہے' نماز نہیں پڑھتا اور فقط اپنی شہوات کی پیروی کرتا ہے' اس کی مجلس میں طنبور بجایا جاتا ہے اور کنیزیں گانا گاتی ہیں۔

یہ خبریں جب مکہ پہنچیں تو ابن زبیر نے یزید کی ان بداعمالیوں کو اور بھی بڑھا چڑھا کر لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ پس مدینہ کے افراد نے بغاوت کا علم بلند کر دیا اور یزید کے مقرر کردہ حاکم مدینہ کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔

(علی و دو فرزندش ص ۲۶۸ مترجم احمد آرام)

یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں کے رہبر عبداللہ ابن حنظلہ تھے جن کو کثرت زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ راہب کہتے تھے۔ اس نے لوگوں سے کہا:

"اے لوگو خدائے واحد جسکا کوئی ہمسر نہیں اس سے ڈرو۔ خدا کی قسم ہم یزید کے خلاف قیام نہ کرتے لیکن ہم ڈرتے ہیں اس وقت سے کہ آسمان سے ہم پر پتھر برسنے لگیں۔ یزید وہ شخص ہے جو اپنی ماں' بہن اور بیٹیوں سے ہمبستری کرنے میں کراہت نہیں رکھتا۔ یزید شراب پیتا ہے' نماز نہیں پڑھتا' خدا کی قسم اگر ایک نفر بھی میرا ساتھ نہ دے تب بھی میں

یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کردوں گا اور خدا کی رضا کی خاطر اس سے دست کش نہ ہوں گا"۔

(الفرید ج ۱۰ ص ۲۵۶ نقل از تاریخ عساکر)

یزید ابھی واقعات کربلا سے ہوش میں نہ آیا تھا کہ اس نے جب یہ سنا تو ایک پست اور ذلیل، قتل و غارت کرنے والے شخص کو باغی افراد کی سرکوبی کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ اس کا نام مسلم بن عقبہ تھا۔ یزید نے حکم دیا کہ انقلابیوں کو سرے سے ختم کر دینا اور لوگوں سے جبراً یزید کی تجدید بیعت لینا۔ اسے یزید نے مامور کیا تھا کہ اگر اسکی تجاویز پر لوگ آمادہ نہ ہوں اور اس کے خلاف مقابلہ پر آجائیں تو تین دن تک اپنے سپاہیوں پر لوٹ مار، قتل عام و غارتگری، ناموس کے ساتھ تعدی کو سپاہیوں کے لئے کو مباح کردے۔ یزید کے فرمان کے مطابق ضروری تھا کہ مدینہ کے لوگ قسم کھا کر امیر مومنان یزید کی بیعت کریں اور وعدہ کریں کہ وہ یزید کے غلام اور اطاعت گزار رہیں گے تاکہ جو بھی یزید کا دل چاہے وہ ان کے خون، مال اور ناموس کے ساتھ انجام دے۔

شہر مدینہ کے لوگوں نے مقاومت کی لیکن یزید کے فوجیوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ آخر کار مسلم نے انہیں شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر دیا۔ اس خونی قضیہ میں جو افراد مارے گئے ان کی تعداد ابن قتیبہ کے اعداد و شمار کے مطابق جو ملی وہ ۱۷۰۰ انصار و مہاجرین اور روساء شہر، ۱۰۰۰۰ افراد ساکنین مدینہ۔ البتہ قتل ہونے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

مسلم بن عقبہ کے ان سنگدل سپاہیوں کے ہزاروں وحشیانہ عملیات میں سے ایک جنایت بطور نمونہ بیان کرتے ہیں :

"ایک سپاہی مدینہ کے ایک انصاری کے گھر میں داخل ہوا جہاں فقط ایک عورت اور اُس کا شیر خوار بچہ تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہمارے پاس کچھ نہیں۔ اس وحشی مرد نے کہا کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ ہمارے لئے لے آؤ وگرنہ میں تمہیں تمہارے اس بچے کے ساتھ قتل کردوں گا۔ اس خوفزدہ عورت نے کہا: یہ بچہ ابن ابی کبشہ انصاری کا بیٹا ہے جو رسول اللہ کے ساتھ بیٹھنے والے صحابی تھے۔ ابھی عورت کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ظالم نے اس بچہ کو جو ماں کے سینے سے لگا ہوا دودھ پی رہا تھا ماں سے چھین کر دیوار پر اس طرح دے مارا کہ اس کا ننھا مغز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گیا"۔

(ابوالشہداء ص ۲۰۱، ۲۰۳ یہ واقعہ تاریخ طبری، یعقوبی، کامل، الامامۃ والسیاسۃ اور دیگر کتب میں بھی ذرا سی تغیر سے نقل ہوا ہے)

اموی حاکم چاہتے تھے کہ اپنے پیہم ظلم و ستم سے ان مظاہروں کو اس طرح دبادیں کہ شہروں میں لوگ یزید کی ہر طرح کی مخالفت سے باز آجائیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ان سے ان کی قدرت چھن رہی تھی۔ اور شوکت بنوامیہ روبزوال تھی۔ ان حکام کے یہ ظلم و ستم، وحشی گری حالات کو روز بروز بد سے بدتر کرتے گئے۔

آتشِ انتقام

چونسٹھ ہجری میں جبکہ واقعہ کربلا کو ابھی چار سال نہ گزرے تھے یزید ہلاک ہو گیا اور واصل جہنم ہوا، آل ابی سفیان کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ توابین کا گروہ

جو کہ مدتوں سے مخفی طور پر کوفہ میں تشکیل دیا گیا تھا اور اس کا مقصد ستمگران اموی کے خلاف قیام تھا' اس نے کام شروع کر دیا۔ ابن زیاد جو ان دنوں بصرہ کا حاکم تھا شرمناک طریقے سے شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی مدت بعد مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کی سربراہی میں ایک جماعت تشکیل دی گئی جس کا مقصد قاتلین امام حسینؑ سے خون حسینؑ کا انتقام لینا تھا۔ لوگوں نے اپنے گناہوں کے کفارہ کو ادا کرنے اور امام حسینؑ کی نصرت سے کوتاہی کرنے کے گناہ سے توبہ کی خاطر مختار کا ساتھ دیا۔ امام حسینؑ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کی یہ تحریک پوری شدت سے شروع ہو گئی۔ خدا نے امام حسینؑ کے قاتلوں کے سر پر انتقام کا ہاتھ مسلط کر دیا کہ ان کو شکنجے میں کسنے اور قتل کرنے کو ان کے اعمال کا یہ بدلہ شمار کیا گیا۔ مختار نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کا سر کاٹا اور کہا عمر کو بجائے امام حسینؑ اور حفص کو علیؑ بن الحسینؑ کے عوض قتل کرتا ہوں' لیکن یہ دونوں ان دونوں کے مساوی نہیں ہو سکتے۔

(بحار ج ۴۵ ص ۳۳۷ الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۲۴)

مختار نے ابا عبداللہؑ کے شیر خوار بچے کے قاتل حرملہ کو گرفتار کیا اور کہا کہ خدا کا شکر کہ تجھے پکڑا۔ اس کے حکم پر حرملہ کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور اسے آگ میں جلا دیا۔

(بحار ج ۴۵ ص ۳۳۷)

انتقام کی آگ جو مختار کے ہاتھوں روشن ہوئی کربلا کے تمام ظالموں کو اپنا لقمہ بنا گئی۔ ابن مرجانہ' عمر بن سعد' شمر بن ذی الجوشن' خولی بن یزید اور دوسرے سارے ساتھی اپنے گناہ کے کیفر کو پہنچے۔

بلکہ بقول عقاد مصری جس کسی نے بھی دست درازی کی' یا کوئی برا کلمہ زبان سے ادا کیا تھا' مال واسباب لوٹا تھا یا کوئی ایسا کام کیا تھا جس سے اس کے کربلا کے واقعے میں شرکت کی بو آتی تھی اسے جرم کرنے یا ظالم کا ساتھ دینے کے جرم میں دوگنا یا چوگنا سزا دیتے تھے۔

(ابو الشہداء ص ۲۰۵)

وہ کہتا ہے کہ مختار اور اس کے ساتھی ان ظالموں کو سزا دینے اور انتقام لینے میں اس قدر تجاوز کرتے تھے کہ انہیں مارنے' قتل کرنے' ان کے جسموں کو جلانے' گھربار کو جلانے' ویران کرنے تک پہنچ جاتے تھے۔ فرار کرنے والوں کا تعاقب کیا جاتا اور جہاں بھی انہیں پکڑتے ان کے جرم کی پاداش میں قتل کر دیا جاتا۔ لیکن یہ تمام سخت و ناگوار بلائیں اور مصیبتیں جو کہ مختار اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں قاتلین امامؑ کو پہنچیں انہیں عدالت و انصاف کے علاوہ کچھ اور شمار نہیں کر سکتے۔

(تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۴ ط بیروت)

مختار نے ابن زیاد کا سر امام سجادؑ کے حضور مدینہ بھیجا۔ روایت ہے کہ امامؑ کے لبوں پر اپنے والد کی شہادت کے بعد کبھی مسکراہٹ نہ آئی تھی لیکن جب ابن زیاد کا سر مدینہ لایا گیا تو امامؑ نے اس لعین کا سر دیکھا تو فرمایا: "خدا اسے آگ میں جلائے"۔ اور پھر شکرانے کے طور پر آپؑ نے اہل مدینہ میں میوہ بانٹا اور اس دن خاندان عصمت و طہارت نے سوگ بڑھایا۔

(رجال کشی ص ۱۱۵ ترجمۂ مختار)

مختار کے بارے میں تحقیق

شیخ ابو عمرو کشی اپنی کتاب رجال میں سدیر صیرفی سے امام باقرؑ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: ''مختار کو برا نہ کہو' اس نے ہمارے پیاروں کے قاتلوں سے انتقام لیا اور ہمارے عزیزوں کے انتقام کے لئے کھڑا ہوا۔ اس نے ہماری بیواؤں کی شادیاں کروائیں اور بیت المال سے ہمارے خاندان کے لوگوں میں تنگی کے زمانے میں مال تقسیم کیا''۔ جبکہ یہ ہی فرد نقل کرتا ہے کہ حبیب خشعمی کہتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے سنا ہے کہ ''مختار نے امام چہارم پر جھوٹ باندھا تھا''۔

مسعودی لکھتا ہے کہ مختار نے ایک خط حضرت علی بن الحسینؑ السجادؑ کی طرف روانہ کیا اور چاہتا تھا کہ آپکی بیعت کرے اور لوگوں کو ان کی امامت کے لئے کہے۔ اور اسنے ایک خطیر رقم امامؑ کی خدمت میں روانہ کی لیکن امام سجادؑ نے اس کی اس بات کو قبول نہ کیا حتی کہ آپ نے اسے خط کا جواب بھی نہ دیا اور مسجد رسولؐ میں آپؑ نے اسے جھوٹا اور فاجر کہا اور فرمایا: ''اس طرح وہ اپنے لئے زمین ہموار کر رہا ہے''۔ جب مختار امام سجادؑ سے مایوس ہو گیا تو اس نے محمد حنفیہ کو خط لکھا اور اسی خواہش کا اظہار کیا جو اس نے امام علی بن الحسینؑ سے کہا تھا۔ امام سجادؑ نے محمد حنفیہ سے فرمایا کہ اسے اس کے خط کا جواب نہ دیا جائے کیونکہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہے۔

مختار کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ علماء شیعہ مختار کے بارے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ علامہ امینی کتاب الغدیر میں اس کی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ علماء بزرگ مثلاً سید ابن طاؤسؒ' علامہ حلیؒ' ابن داؤدؒ' ابن نماؒ' محقق

اردبیلیؒ، صاحب معالم، و قاضی نور اللہؒ نے مختار کی تعریف کی ہے۔ ابو علی منتھی المقال میں مختار کے بارے میں اعتراضات کے جواب دے کر اس کا دفاع کرتے ہیں اور پھر ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو مختار کے بارے میں لکھی گئیں۔ اس ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ شہید اول نے مختار کیلئے زیارت نقل کی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں قبر مختار لوگوں کے لئے ایک زیارتگاہ تھی۔

مرحوم اردبیلی جامع الرواۃ میں مختار کی مدح وذم میں روایات نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ مختار کو برا نہ کہا جائے لیکن اس کی روایات پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(جامع الرواۃ مختار)

علامہ مجلسیؒ بحار میں کہتے ہیں کہ مختار ہر چند ایمان و یقین کے لحاظ سے ایک مرد کامل نہ تھا اور نہ ہی اسے آئمہ علیہم السلام کی طرف سے کوئی خاص اجازت حاصل تھی لیکن چونکہ اس کے ہاتھ سے نیکی کے کام انجام پائے اور اس نے قلوب مومنین کو شفاء اور خوشی بخشی اس طرح اس کی عافیت بخیر ہے اور اس آیۃ کے دائرے میں آتے ہین جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحاً وآخر شيئاً عسى الله ان يتوب عليهم"۔

(توبہ آیۃ ۱۰۲)

اور پھر لکھتے ہیں کہ میں اس کے کاموں سے متذبذب ہوں ہر چند کہ شیعہ علماء بزرگ نے اس کی تعریف کی ہے۔

(بحار ج ۴۵ ص ۳۳۸ ط جدید)

لبنان کے ایک دانشمند محمد جواد مغنیہ "کتاب الشیعہ والتشیع" میں مختار کے بارے میں کچھ اور تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں علامہ مجلسی کے ہم زبان ہو جاتے ہیں کہ مختار اگرچہ ایمان و یقین کے لحاظ سے مرد کامل نہ تھے ......الخ (رائے علامہ مجلسیؒ)۔

(الشیعہ والتشیع ص ۶۲ ترجمہ کسمائی)

مصنف کہتے ہیں کہ ہم مختار کے انتقام لینے میں اس کی خلوص نیت سے بے خبر ہیں۔ بہتر ہے کہ اس کے اس کام کو خدا پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف ہے اور حق کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ لیکن ہم اس نکتہ کے ذکر سے بھی غافل نہ ہوں کہ مختار کا عمل ہر حال میں انتقام خدائی تھا۔ خدا نے مختار کو قاتلین امامؑ پر مسلط کیا تھا۔ اگر وہ اس کام میں خلوص نیت رکھتا تھا اور خدا کی خوشنودی کا طالب تھا تو بہت ہی بہتر اور اگر اسکی نیت اپنی خلافت کے لئے زمین ہموار کرنا تھا کیونکہ زبیریوں اور امویوں کی طرف سے اسے زبردست مخالفت کا سامنا تھا اور وہ لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اس کام یعنی انتقام لینے پر مجبور تھا تو بھی ہم یہی کہیں گے کہ اس کا قیام خدائی انتقام تھا۔ جس طرح خدا نے بنی اسرائیل کے بدکاروں پر بخت نصر کو مسلط کیا تھا اور پھر خدا نے اس کے اس عمل کو اپنے سے نسبت دی ہے کہ :

"بعثنا کم علیکم عباداً لنااؤلی بأس شدید"۔

(قرآن مجید ۱۷ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵)

کربلا کے قیام سے آئمہ علیہم السلام کا وضع استفادہ

قیام کربلا کے نتائج سے آئمہ علیہم السلام نے جو استفادہ وضع کیا اور کامیابی

حاصل کی وہ قابل توجہ اور دقیق ہے۔ آئمہ نے اس میدان میں ایک نیاباب کھولا اور زندگی کے ایک ضروری درس کے طور پر اس واقعہ کی تبلیغ فرمائی۔ آئمہ نے اپنے پیروان کو زیارت کربلا' عزاداری' امام حسینؑ کے مصائب کا تذکرہ اور اُن کے مصائب پر گریہ کے لئے خاص طور پر نصیحت فرمائی۔ خصوصاً زیارت عاشورا' اربعین اور امام کے قاتلوں پر لعنت' امام کی پیاس اور پانی پینے کے بعد اور کھانے کے دوران امام کی بھوک پیاس کو یاد کرنے کے لئے وصیت فرمائی۔ اور وہ شعرائے کرام جنہوں نے اپنے اشعار میں مکتب خاندان رسالت خصوصاً واقعہ کربلا کو بیان کیا آئمہؑ نے ان سے رحمت و مغفرت کا وعدہ فرمایا اور اس کام میں تشویق فرمائی۔ ایک محقق یوں تحریر کرتے ہیں :

آئمہؑ نے شہادت امام حسینؑ کے بعد لوگوں کو امام حسینؑ کی زیارت پر جانے کے لئے بہت زیادہ ترغیب و تشویق اور جرأت دلائی۔ روایات سے یوں ملتا ہے کہ آئمہؑ زیارت امام حسینؑ کو اسلام کی زندگی قرار دیتے تھے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ سفر حج میں جان کی سلامتی شرط واجب ہے جیسا کہ فقہاء کے فتاوی میں موجود ہے لیکن زیارت امام حسینؑ میں جان کو جتنا بھی خوف و خطر درپیش ہو' یا دشمن کی ممانعت اور رکاوٹ جتنی ہی زیادہ ہو اتنا ہی خدا کے نزدیک زیادہ ثواب ہے۔ آئمہ اطہار علیہم السلام لوگوں کو بہت تشویق دلاتے تھے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حج کا فریضہ اتنی عظمت کے باوجود اگر جان کا خوف ہو تو اس کی اجازت نہیں' لیکن زیارت کربلا اگرچہ نوے فی صد جان کو خطرہ ہو تب بھی روایات میں تاکید ہے کہ زیارت کو جاؤ۔

(کامل الزیارات ابن قولویہ ص ۲۶۱)

یہ اس لئے تھا کہ آئمہ علیہم السلام اس زمانے میں سمجھتے تھے کہ حج کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ حائر حسینی کی زیارت کی جائے یعنی زیارت خانہ خدا زیارت امام حسینؑ میں مضمر تھی۔ اور اس کے سوا کوئی بات نہ تھی کہ آپ حضرات نے اس طرح لوگوں کو زیارت کی طرف ترغیب دلائی۔

(بررسی تاریخ عاشورا ص ۱۴۱ مقدمہ)

حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جو کوئی بھی ہم اہل بیتؑ کی مصیبت کو یاد کرے اور ہمارے مصائب پر روئے وہ روز قیامت ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔ اور جو کوئی ہماری مصیبت کو یاد کر کے روئے اور رلائے اس روز جب سب آنکھیں اشکبار ہوں گی اس کی آنکھ نہ روئے گی اور جو ہمارے ذکر کی مجلس میں قدم رکھتا ہے تو اس کا دل اس دن مردہ نہ ہوگا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہونگے۔ (نفس المہموم ص ۱۸)

امام صادقؑ نے مسمع نامی ایک آدمی سے فرمایا: اے مسمع تم عراقی ہو۔ آیا تم قبر امام حسینؑ کی زیارت کو جاتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ چونکہ میں بصرہ میں معروف و مشہور ہوں اور وہاں لوگ خلیفہ وقت کی پیروی کرتے ہیں۔ بصرہ میں ناصبی اور دشمنان محمدؐ آل محمد زیادہ ہیں اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر زیارت کو گیا تو لوگ سلیمان کے بیٹوں سے میری شکایت کر دیں گے اور اس طرح زندگی مجھ پر مشکل ہو جائے گی۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تم مصائب امام حسینؑ کا ذکر کرتے ہو۔ اس نے عرض کی جی ہاں یا ابن رسول اللہؐ۔ آپؑ نے فرمایا: روتے ہو مصائب یاد کر کے؟ اس نے عرض کی خدا کی قسم میں مصائب امامؑ کو یاد کر کے اتنا روتا ہوں کہ میرے اہل خانہ

میری صورت سے میرے غم واندوہ کو جان لیتے ہیں اور امامؑ کے مصائب کو جب یاد کرتا ہوں تو میری بھوک ختم ہو جاتی ہے کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ آپؑ نے فرمایا: خدا تمہارے آنسوؤں پر رحمت نازل کرے' جان لو کہ تم ان شیعوں میں سے ہو جو ہم پر روتے ہیں' ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے اندوہ و غم میں مغموم ہوتے ہیں' ہمارے خوف میں ترسان اور جب ہم امن میں ہوتے ہیں تو وہ خود کو بھی امان میں تصور کرتے ہیں۔ پس جان لو کہ وقت مرگ تم ہمارے آباو اجداد کو ضرور دیکھو گے جو کہ ملک الموت کو تمہارے لئے وصیت کریں گے کہ قبض روح تمہاری آسان ہو جائے۔

(نفس المہموم ص ۱۹)

جو کچھ کہا گیا اس پر توجہ کرنے سے یہ نکتہ ہمارے ہاتھ آتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے اس واقعہ کی اس طرح تبلیغ کی اور اس زیارت و عزاداری کو اس طرح زندہ رکھا کہ آج تک اس کی تاثیر باقی ہے اور آج بھی یہ واقعہ اس طرح زندہ ہے جیسے صدیوں پہلے تھا اور آئندہ بھی انشاء اللہ اسی طرح باقی رہے گا۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے ہاتھوں کربلا کے قاتلوں نے اپنے گناہوں کا انجام دیکھا۔ لیکن ہم اس غفلت میں نہ پڑیں کہ اس تمام کشت و خون اور امامؑ کے قاتلوں سے قصاص سے مطلب تمام ہو گیا تھا۔ ایسا نہیں بلکہ خون مقدس امام حسینؑ ابھی اسی طرح جوش مار رہا تھا دریا کی موج کی طرح ہر لحہ وسعت پکڑ رہا تھا اور اس نے بنو امیہ کی حکومت کے اراکین کو لرزہ براندام کیا ہوا تھا اور اس کا ہی نتیجہ تھا کہ خلفاء بنو امیہ میں سوائے عبدالملک مروان کسی کی بھی حکومت پائیدار نہ ہو سکی اور ایک کے بعد دوسرے سقوط

کر گئے۔

عبدالملک کے زمانے میں حالات ظاہراً پر سکون ہو گئے تھے لیکن اس کے نمائندہ حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری کے بہانے خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا۔ اس کے خود اس عمل سے اہل حجاز اور مسلمانوں کی امویوں سے نفرت کچھ اور بڑھ گئی۔

پس عوام بنوامیہ کے خلاف ہو گئے اور ان کی طرفداری سے ہاتھ اٹھالیا۔ عبدالملک کے بعد بنوامیہ کی یہ حکومت زوال سے نزدیک تر ہو گئی۔ سلطنت عباسی خفیہ طور پر تشکیل دے دی گئی اور بنوامیہ کے پست خاندان کے آخری خلیفہ مروان حمار کے قتل کے بعد اُمویوں کو اسلامی حکومت سے کنارے پھینک دیا گیا۔ (خلفاء بنوامیہ سے بعض اندلس بھاگ گئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔) احمد سفاح عباسی نے بنوامیہ کے افراد کو قتل کرنا اپنا روزانہ کا دستور قرار دے دیا۔

ان دنون بنوامیہ کے اسّی (۸۰) افراد احمد سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے پاس آئے۔ عبداللہ نے انہیں کربلا کے جگر خراش واقعہ کی یاد دلائی اور ان کے آباؤ اجداد کے ان گناہوں اور مظالم کو ان کے سامنے شمار کیا اس کے بعد ان سب کے قتل کا حکم دے دیا۔ ان میں سے ایک نے فریاد کی کہ اے عبداللہ ہم تمہارے قوم اور رشتہ داروں میں سے ہیں اپنوں کے ساتھ یہ دشمنوں والا سلوک ناروا ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ افسوس کہ حسینؑ بن علیؑ کے قتل نے درمیان سے یہ قرابت داری ہٹادی۔ پھر ان کے بے جان جسم کے اوپر فرش بچھا دیا گیا۔ عباسی اپنے دوستوں کے ساتھ ان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ جبکہ فرش کے نیچے ان

اُمویوں کے لاشے تڑپ رہے تھے۔ اسوقت عبداللہ نے حاضرین سے کہا یہ روز سیاہ جو آج بنوامیہ کو دیکھنا پڑا انتقام خون حسینؑ بن علیؑ ہے جن کو امویوں نے ناحق قتل کیا تھا۔

(تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸۷ بیروت)

اس ترتیب سے ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کی شہادت ہر جگہ ورد زبان تھی اور ظلم وستم کرنے والوں کی بنیادوں کو تباہ وبرباد کررہی تھی۔ سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو تحریر کیا۔ بنوامیہ سے اپنے خاندان کا انتقام لو۔ وہ بنوامیہ کی قبروں تک کو کھودتا تھا ان کی ہڈیوں کو نکال کر جلا دیتا تھا۔ اس نے ہشام بن عبدالملک کی مومیائی شدہ لاش قبر سے نکال کر ایکسو بیس (۱۲۰) تازیانے لگائے اسے گرز سے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور پھر آگ میں جلادیا۔

پھر اس نے کہا میرا باپ علی ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ ان کی ردا ان کے کندھے سے زمین پر گر گئی مین نے اپنے باپ کی پشت پر تازیانے کی نشان دیکھے پس جب انہوں نے نماز تمام کی تو میں نے پوچھا کہ بابا آپ کا بدن کیوں اس قدر نیلا اور زخمی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے ہشام بن عبدالملک نے مجھے (۸۰) اسّی تازیانے لگائے تھے اور یہ اسی کے نشان ہیں۔ تب میں نے عہد کیا تھا کہ اگر ہم بنوامیہ پر فتح یاب ہوئے تو میں ہر تازیانہ کے بدلے دو تازیانہ ہشام کو لگاؤں گا۔

توجہ رہے کہ قبروں کو کھود کر لاشوں کو نکال کر جلانا یہ سب شرعاً درست نہیں لیکن جب انتقام کی آگ حد سے باہر ہو جائے تو آدمی جائز وناجائز کو نہیں دیکھتا البتہ اگر کوئی انتقام لینے والا عادل ودیندار ہو۔

مروان حمار کے قتل کے بعد جو کہ آخری اموی حکمران تھا' عباسی حکومت کے نمائندے عامر نے اس کی بیٹیوں' عورتوں کو صالح بن علی سفاح کے چچا کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ لوگ صالح کے حضور پہنچیں تو مروان کی بڑی بیٹی نے صالح سے کہا: "اے امیر المومنین کے چچا خدا دنیا و آخرت میں تمہاری حفاظت کرے' ہم آپکی اور آپ کے بھائی کی بیٹیاں ہیں ہمیں آزاد کر دیں۔ صالح بن علی نے کہا تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آیا تیرا باپ نہ تھا جس نے میرے بھتیجے ابراہیم کو قتل کیا؟ آیا ہشام بن عبد الملک نے زید بن علی کو شہید نہیں کیا تھا؟ اور کوفہ کے قریب کناسۂ میں سولی نہیں چڑھایا تھا؟ آیا وہ ولید بن یزید نہ تھا جس نے یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کیا اور اس کی لاش کو لٹکا دیا۔ آیا ابن زیاد ناپاک نہ تھا جس نے مسلم بن عقیل کو شہید کیا؟ آیا یزید بن معاویہ نہ تھا جس نے حسینؑ بن علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا اور ان کی شہادت کے بعد ان کے اہل بیتؑ رسولؐ کو قید کیا اور انکی روم و فرنگ کے قیدیوں کی طرح نگرانی کی۔ اب اور کونسی مصیبت باقی رہی جو بنو امیہ نے بنو ہاشم کے سر پر نازل نہ کی تھی۔

(مروج الذہب ج ۲ ص ۲۰۷)

اس کتاب سے ہماری غرض وقایع نگاری نہیں لیکن واقعۂ کربلا کے اثرات کو سمجھنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ تاریخ کے ان واقعات کو تحریر کریں۔

دنیا میں جب بھی دنیا طلب اور خود پرست کے دو گروہوں کے درمیان کشمکش ہوتی ہے اُس کا بیشتر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیچ سے ایک ستمگر گروہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا ستمگر گروہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ عباسی خلفاء وہ ستمگر تھے جنہوں نے ظالم پیشہ بنو امیہ کی جگہ لے لی اور اس دوران بنو امیہ نے خدائے لایزال کی سنت کے

مطابق اپنے ہر اس ظلم کا مزہ چکھا جو انہوں نے دوسروں پر روا رکھا تھا۔ ان کا واسطہ ہر اس مصیبت سے پڑا جو انہوں نے دوسروں کے لئے نازل کی تھی اور ان کی یہ وسیع و عریض حکومت ایک انسان کی طبیعی عمر کے مطابق بھی پائیدار ثابت نہ ہوئی اور ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

امویوں کے سقوط کے بعد قیام کربلا عباسیوں کے خرمن پر مثل آگ برسا۔ اور وہی عباسی جنہوں نے اپنی حکومت بنانے میں واقعہ کربلا کے ذریعے لوگوں کی حمایت و مدد کو حاصل کیا تھا' اس قیام کربلا کی وسعت اور نفوذ کرنے والی تاثیر سے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے بھی امویوں کی طرح زیارت امام حسینؑ میں رکاوٹیں ڈالیں۔ کربلا کے راستوں میں متعدد چوکیاں بنادی گئی تھیں اور مسلح افراد حائر حسینی کے گرد نگرانی کر رہے تھے اور آنے والے پاک دل اور نیک لوگوں کو پکڑ کر شکنجے میں کس دیتے' ان کو قتل کر دیتے تھے۔ کسی کے ہاتھ کاٹ دیتے اور کسی کے پاؤں۔ بہت کم افراد ایسے ہوتے جن کے ہاتھ سلامت رہتے یا وہ زندہ بچ جاتے۔

متوکل عباسی نے دیزج نام کے ایک شخص کو حکم دیا کہ قبر ابو عبداللہؑ کو منہدم کر دیا جائے اور سرزمین کربلا کو ہل چلا کر برابر کر کے پانی بھر دے۔

(تتمہ المنتھی۔ج ۲ ص ۳۴۴)

متوکل کو امام حسینؑ سے ایسی کیا دشمنی تھی کہ وہ لوگوں کو امام حسینؑ کی زیارت سے روکتا تھا' کہتے ہیں کہ اس کی گانے والیوں میں سے ایک امامؑ کی زیارت کو چلی گئی۔ اسے معلوم ہوا تو اسے سخت ناگوار گزرا اور اس نے اسے ممانعت کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن بات اتنی سادہ سی نہ تھی بلکہ بعض دانشمندوں نے کہا ہے کہ

متوکل جیسے ظالم افراد دیکھ رہے تھے کہ زیارت کربلا لوگوں کو ظلم کے خلاف قیام کرنے کیلئے الہام کرتی ہے اور امام حسینؑ شہید ہو کر بھی زندہ حسینؑ کی مانند ہیں۔ کاخ ظلم اور ظالم کی بنیاد کو لرزان کئے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ زیارت پر قدغن لگا کر اس طرح امامؑ کے اہداف کو زندہ ہونے سے روکا جائے جو کہ ظلم و ظالم کے خلاف قیام تھا۔ یہ عباسی ستمگر چاہتے تھے کہ اس طرح زیارت سے لوگوں کو روک کر کربلا کی مصیبت، امام کا قیام لوگوں کے ذہنوں سے محو کر دیا جائے۔

عباس محمود عقاد کہتا ہے کہ کربلا میں امام حسینؑ اپنے ساتھیوں اور خاندان والوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے لیکن آپ کی وہ دعوت جس کا سہارا لے کر عباسیوں اور فاطمیوں نے اپنی شہنشاہی قائم کیں وہ اپنے مقام پر از خود باقی ہے۔ ایوبیوں اور عثمانیوں نے اس دعوت امام حسینؑ کو اپنے ہوس اقتدار کا بہانہ بنایا۔ عرب، ایران اور ہند کے فرمانرواں بھی اسی دعوت کے زیر سایہ سکون حاصل کرتے رہے تھے۔ لیکن ان تمام سے بڑھ کر حسینؑ دنیا کے سامنے اس نوری پوشاک کے ساتھ ہمیشہ اس طرح جلوہ افروز رہے کہ ان کے نور سے انسانوں کی آنکھیں خیرہ ہیں اور آپ کمال کے اس درجۂ افتخار پر فائز ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہ ملتی ہے، نہ ملے گی۔ اور امام حسینؑ کے لئے تو یہی کافی ہے کہ تاریخ جہان میں صدیوں سے فقط آپ کو شہید، شہید کا بیٹا اور سرور شہداء کہا جاتا ہے۔
(نقش وعاظ در اسلام ص ۱۷۲، ابو الشہداء سے نقل کیا گیا جو تالیف محمود عقاد کی ہے۔)

سلاطین آل بویہ سب کے سب خالص شیعہ تھے اور اہل بیت اطہارؑ کی

طرفداری کرتے تھے' ابتداء میں عباسیوں کے زیر فرمان رہے تھے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ابو شجاع مچھلیوں کے شکار سے اپنی روزی حاصل کرتا تھا۔ اس کے بیٹوں نے بہت زیادہ جدوجہد کے بعد حکومت حاصل کی اور پھر انہیں اتنا عروج حاصل ہوا کہ عضدالدولہ دیلمی جو ابو شجاع کا پوتا تھا خاندان ساسانی کے بعد تخت حکومت پر آیا اور یہ پہلی بار تھا کہ ایران میں بادشاہ کہلایا۔ اس کے چچا معزالدولہ دیلمی نے جس کا بایاں ہاتھ اور داہنے ہاتھ کی کچھ انگلیاں سیستان کے کردوں نے کاٹ دی تھیں' اتنا عروج حاصل کیا کہ وہ بغداد گیا اور مکتفی عباسی کو معزول کر کے اس کی جگہ مطیع عباسی کو تخت حکومت پر بیٹھا دیا۔

یہی معزالدولہ تھا جس نے ۳۵۲ ہجری میں بغداد کے لوگوں کے لئے فرمان جاری کیا کہ روز عاشورا تمام دکانیں اور بازار بند رکھے جائیں۔ امام حسینؑ کے لئے عزاداری منعقد کی جائے۔ ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کی مناسبت سے جشن برپا کیا جائے۔ علمائے اہل سنت نے اس کی مخالفت کی لیکن اطاعت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

(الکنی والالقاب عضد الدولة)

امراء آل بویہ نے امام حسینؑ کے اس انقلابی قیام سے درس لیا اور انہوں نے بغداد کی حکومت کی قدرت کو شکست دی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ عباسی خاندان بجائے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کے فقط اپنی حکومت کو باقی رکھنے میں کوشاں ہیں اور اپنی حکومت کی بقاء کے لئے مظلوم و ستم دیدہ طبقے کو مزید مشکلات میں مبتلا کر رہے ہیں۔ آل بویہ زبان حال سے یوں کہہ رہا تھا کہ ہم نے اسلام کو اپنایا تھا کہ اپنی دنیا و آخرت میں سعادت حاصل کرلیں نہ کہ عباسی خائنین کے جوئے

اپنے اوپر لادے رہیں۔ اگر ہماری غرض فقط حکومت و سلطنت ہے تو پھر ہم خود اس کام میں عباسیوں سے زیادہ پختہ کار ہیں۔

سرخ موت یا ذلت کی زندگی

اب موقع آگیا ہے کہ اس بات کا جائزہ لیں کہ امام حسینؑ کے اس انقلابی قیام سے ہم کونسا درس لیں۔ اس مرد خدا نے ذلت کی زندگی کو قبول نہ کر کے جہانِ بشری کو کیا درس دیا ہے۔ پہلا درس جو امام حسینؑ کی اس مقدس نہضت سے لیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ "ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔" لازم ہے کہ انسان آزاد رہے اور آزاد زندگی بسر کرے۔ نہ ستمگر ہو اور نہ ہی ستمکش۔ ظلم کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا، شرافت انسانی کو پائمال کرنا اور ذلت کی زندگی گزارنا آدمیت کے لئے شائستہ مقام نہیں۔ ایمان و عقیدہ کے لئے قتل ہو جانا حقیقی زندگی ہے۔ امام حسینؑ کا یہی مقصد تھا اور یہی دین کی منطق ہے۔

حضرت علی ابن ابیطالبؑ نے فرمایا کہ ظلم و بیداد کے سایہ میں زندگی گزارنا موت ہے۔ اور کامیابی اور سرافرازی کے ساتھ مرنا اصل زندگی ہے۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۵)

راہ راست پر قائم اور شجاع لوگ استقامت اور مردانگی کے سایئے میں سربلندی اور عزت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ اور ان کے دشمن بزدل شکاریوں کی طرح جو پھاڑ کھانے والے شیر کے شکار سے گریزاں ہوتے ہیں ان سربلند افراد کو زیر کرنے کا خیال بھی اپنے ذہن سے نکال دیتے ہیں۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۵)

جی ہاں حسینؑ بن علیؑ بھی ایسے ہی تھے۔ انہوں نے دنیا کے آزاد مردوں کو بھی

یہی تعلیم دی۔ اس کے برعکس ضعیف و ناتوان اور تن پرور افراد خود اپنی احساس حقارت میں مبتلا رہتے ہیں اور اپنے ضمیر کے سامنے محکوم و بے بس ہونے کی وجہ سے ہمیشہ پریشان و افسردہ رہتے ہیں۔ اہل دنیا اپنے قلوب میں کوئی جگہ نہیں رکھتے۔ خدا بھی ان سے ناراض رہتا ہے۔ ایسے افراد کی زندگی موت ہے اگرچہ نام کی زندگی گزارتے ہیں۔

ان دو واقعات پر توجہ کیجئے:

متوکل عباسی کے زمانے میں دنیائے تشیع کے ایک عالم یعقوب بن اسحاق معروف بنام ابن سکیت تھے ایک دن متوکل نے ان سے کہا: تیرے نزدیک میرے بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا حسنؑ و حسینؑ فرزندان علیؑ؟ ابن سکیت نے بجائے اسکے کہ متوکل کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور چاپلوسی کرے، کمال شہامت سے جواب دیا: اے متوکل قنبر جو علی ابن ابی طالبؑ کے خادم تھے میرے نزدیک تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ حسنؑ و حسینؑ کو کہاں پانا۔ متوکل یہ جواب سن کر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ ابن سکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ پس اس کے فرمان کے مطابق زبان کھینچ کر انہیں شکنجے میں شہید کر دیا گیا۔

(مجالس المومنین ج ا ص ۵۵۵)

ابن سکیت شہید ہو گئے لیکن انہوں نے نہیں کہا کہ ہاں! امیر المومنین آپ اور آپ کے فرزند میرے لئے رسولؐ کے فرزند حسنؑ و حسینؑ سے زیادہ محبوب اور محترم ہیں۔ شہید ہو کر بتانا چاہتے تھے کہ پاکیزہ روح اور غیرتمند نفس کبھی بھی ذلت کی زندگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔

ہند، نعمان بن بشیر کی بیٹی عرب کے معروف ظالم و ستمگر حجاج بن یوسف کی بیوی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے شعر میں حجاج کو اونٹ سے تشبیہ دی اور اس ضمن میں کہا کہ اگر میرے ہاں ایک نالائق فرزند پیدا ہوا تو اس کی علت خود اس کا نالائق باپ حجاج بن یوسف ہوگا۔ اس کی نالائقی ماں کی طرف سے نہ ہوگی۔ حجاج نے جب اس کے یہ اشعار سنے تو غصہ میں آکر اس کو طلاق دے دیا۔ عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت نے ہند کی خواستگاری کی تو ہند نے پیغام دیا کہ میں اس برتن کی مانند ہوں جسے کتے نے چاٹ لیا ہو، خلیفہ کی شان کے لائق نہیں ہوں۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو ہند نے شرط عائد کی کہ میں تب آپ سے شادی کروں گی جب آپ حجاج کو حکم دیں کہ وہ میرے اونٹ کی مہار پکڑ کر "معرّہ" (ہند کی رہائش گاہ) سے دمشق تک پیادہ اور برہنہ پا لے کر آئے۔

عبدالملک نے حجاج کو حکم دیا۔ حجاج نے اس بات کو ذرا بھی محسوس نہ کیا اور بے غیرتی کے ساتھ ہند کے اونٹ کی مہار پکڑ کر معرّہ سے دمشق تک پیدل لیکر گیا۔

(منتخب التواریخ ص ۱۴۱ ۵ یا ۱۱۷)

اس غیرت مند عورت نے حجاج کو اونٹ اور کتے سے تشبیہ دی۔ اسے کمتر اور ذلیل جانا لیکن حجاج فقط اپنی اس ذلیل حکمرانی کی خاطر غلاموں کی طرح اس کے ناقے کی مہار کو پکڑ کر اسے شام لیکر گیا۔ جبکہ وہ یہ جانتا تھا کہ ہند نے فقط اسے ذلیل کرنے کو یہ شرط عبدالملک کے سامنے رکھی تھی۔ افسوس ہے ایسے بے عقلوں پر جنہوں نے انسانی شرافت کو پاؤں تلے روند ڈالا اور فقط مال اور مقام کی لالچ میں ذلت، کم مائیگی، خواری کو اپنے لئے خرید لیا۔ آیا یہ انصاف ہے کہ انسان

اس طرح زندگی گزارے ؟ اور دنیا میں رہنے کے لئے اس طرح اپنی عزت وغیرت کو بیچ دے ؟ آیا ایسا مرد سعادتمند ہے اور اس کی زندگی کو زندگی کہنا درست ہے ؟ آزاد مرد دنیا میں اس مقام کو پہنچے ہیں حتیٰ انکے دشمنوں نے بھی بزرگ جانا اور ان کی ستائش ناگزیر ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن محمد خان قاچار کو بتایا گیا کہ تیرے بھتیجے بابا خان (فتح علی شاہ) کے ہاں آج کئی بیٹے پیدا ہوئے ہیں تو اس نے کہا اے کاش ان تمام کی بجائے ایک لطف علی زند پیدا ہو جاتا۔

(سلسلہ زند کا آخری بادشاہ جو بقول مصنف فارس نامہ دل گرگ، زور شیر اور چالاکی کا حامل تھا بے رحم خان قاچار نے اسے بیدردی سے قتل کروادیا (فرہنگ امیر کبیر)

الجزائر کی تحریک آزادی میں استعماریوں نے محمد بن عربی فرزند کے سر کی کھال اتار لی لیکن انہوں نے پھر بھی حریت پسندوں کے ٹھکانوں کے متعلق کچھ نہ بتایا۔ حتیٰ کہ ایک لوھے کی سلاخ کو آگ میں گرم کیا گیا اور جب وہ سفید ہو گئی تو اسے محمد بن عربی کے منہ سے پیٹ میں داخل کر دیا گیا اور اس طرح انہیں شہید کر دیا گیا۔ ان کی اس دردناک موت پر خود ان کے دشمن بھی شرمندہ ہو گئے ان کے سرہنگ بژار نے کہا کہ اگر میرے پاس محمد بن عربی بن مہدی جیسے لوگوں کا فقط ایک گروہ ہوتا تو میں دنیا کو فتح کر لیتا۔

(الجزائر و مردان مجاہد۔ ص ۱۲۰ انوشتہ حسن صدر)

کائنات کے ایک شاعر نے خدا کے نظام جاوید اور متغیر نہ ہونے والی سنت کو اپنے اشعار میں مجسم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے :

النوامیس جرت ان لا یعیش الضعفاء کل من کان ضعیفاً اکلتہ الاقویاء

دنیا کی سنت و ناموس کا دستور ہمیشہ یہ رہا کہ کمزور و ناتواں افراد سعادت

وکامیابی کی زندگی نہیں گزارتے۔ جو ضعیف و ناتوان ہیں قوی افراد انہیں کھا جائینگے۔

فارسی زبان کے ایک شاعر نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے:

بیا قوی شو اگر راحت جہاں طلبی　　　که در نظام طبیعت ضعیف پامال است

زندگی میں استقامت اور پامردی دکھاؤ۔ چاہئے کہ قوی ہو جاؤ وگرنہ طاقتوروں کے ہاتھوں کھایا جانا حتمی ہے۔

جس طرح بھیڑئیے اپنی فطرت کے مطابق بھیڑوں کو چیرنے پھاڑنے سے نہیں رکتے، اسی طرح ہر زمانے کے یزید اپنی بدطینتی کی وجہ سے کمزوروں کو نہیں بخشتے۔

آج جب کہ بڑی طاقتور اور قدرتمند حکومتیں کمزور و مستضعف قوموں کے درپے ہیں۔ خصوصاً اسلامی ممالک جو عقل و شعور سے عاری ہیں، ان کی زیرزمین ذخائر پر ان طاقتور ممالک نے قبضہ کیا ہے اور انہیں لوٹ رہے ہیں۔ ان کی زبان پر آزادی اور امداد کا نعرہ ہے اور عمل میں غارتگری اور لوٹ مار ہے۔ یہ جس جگہ قدم رکھتی ہیں اسے تباہ کر دیتی ہیں۔ یہ سب کا سب چھوٹی ملل کے ضعف و زبوں حالی کی وجہ سے ہے۔ اب ہم اس فصل کو چند اشعار کے ساتھ اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ خوشدل تہرانی کے یہ چند اشعار ہیں:

بزرگ فلسفہ قتل شاہ دین این است　　　که مرگ سرخ بہ از زندگی ننگین است

حسین مظہر آزادگی و آزادی است　　　خوشا کسی کہ چنینش مرام و آئین است

نہ ظلم کن بکسی، نے بزیر ظلم برو　　　ہمین مرام حسین است منطق دین است

ہمین نہ گریہ بر آں شاہ تشنہ لب کافی است　　　اگرچہ گریہ بہ آلام قلب تسکین است

ببین کہ مقصد عالی او، چہ بُد ایدوست — کہ درک آن سبب عزوجاہ و تمکین است
زخاک مردم آزادہ بوئے خون آید — نشان شیعہ و آثار پیروی این است

حق ہر حال میں غالب وپائیدار ہے

دوسرا درس جو ہم امام حسینؑ کے اس قیام سے لے سکتے ہیں وہ یہ کہ حق ہر حال میں غالب وپائیدار ہوتا ہے اور باطل مغلوب و مضمحل رہتا ہے۔ کوتاہ نظر اور سادہ لوح افراد باطل کے ظاہری فریب پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور دنیا کو فقط یہی چندروزہ زندگی تصور کرتے ہیں۔ جبکہ مردان حق اس جہان پر وسیع نظر سے نگاہ کرتے ہیں، اس کے ظاہر و باطن، آج اور کل کو حساب میں لاتے ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ایمان سے پیوستہ لوگ ہمیشہ غالب اور دونوں جہانوں (دنیا و آخرت) میں سرافراز ہوتے ہیں۔

خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے :

"وکان حقاً علینا نصر المؤمنین"۔

مومنین کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔

(روم آیہ ۴۷)

نیز یہ بھی فرماتا ہے کہ : "اگر تم راہ خدا میں مارے جاؤ یا طبیعی موت اس دنیا سے جاؤ تو دنیا میں جو کچھ بھی جمع کرتے ہو اس سے خدا کی رحمت و مغفرت بہتر ہے"۔

(آل عمران ۱۵۷۔۱۵۸)

اگر شہید ہو جاؤ یا موت آجائے تو تم خدا کے سامنے محشور ہو گے یعنی خدا کی راہ میں قتل ہونے سے نہ ڈرو کہ تم شہید ہو جانے کے بعد نہ تو گم ہو جاؤ گے اور نہ

ہی تمہارے پاس سے کوئی شے کم ہو جائے گی۔ خدا تم کو اس شہید ہونے کی جزا بہترین صورت میں دے گا اور یہ جزا متاع دنیا سے جسے لوگ جمع کرتے ہیں بہت بہتر اور نیک ہو گی۔ اس طرح خدا فرماتا ہے: ''جو لوگ راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں اور خدا نے اپنے کرم سے انہیں جو دیا وہ اس سے خوش ہیں''۔

(آل عمران ۱۶۸۔۱۶۹)

امام حسینؑ روز عاشورا عمر بن سعد کے سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے:

''آیا تم لوگوں نے مجھ پر ہجوم کیا ہے۔ خدا کی قسم میرے بعد تم بندگان خدا میں سے کسی کو قتل نہ کروگے کیونکہ جس انداز سے مجھے قتل کر رہے ہو تم پر خدا غضب ناک ہو گا۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اس خواری کے بدلے میں جو تم نے میرے لئے روا رکھی مجھے عزت و بزرگی عطا فرمائے گا اور تم لوگوں سے میرا انتقام اس طرح سے لے گا جس کا تم خیال نہیں کر سکتے''۔

(نفس المہموم ص ۱۹۳)

جناب زینب کبریٰؑ نے یزید سے فرمایا:

''تو اپنی ساری تدبیریں بروئے کار لا، جو کوشش کر سکتا ہے کر لے، خدا کی قسم نہ ہمارا نام فنا ہونے والا ہے اور نہ ہی وحی ہمارے درمیان سے جانیوالی ہے اور نہ ہی تو ہمارے مقام و منزلت کو پا سکتا ہے یعنی ہم تا لابد الآباد اسی طرح عظیم و سربلند رہیں گے۔ تو نے جو ہمارے ساتھ ظلم و ستم کیا وہ

ہمیشہ تیرے دامن پر ثبت رہے گا۔ شکست اور روسیاہی تیرے لئے ہے
'ہم خاندان رسالت حق پر ہیں اور حق ہمیشہ غالب اور پائیدار رہتا ہے''۔

روایت ہے کہ مستنصر عباسی شہر سامرہ گیا اور اس نے امام ہادیؑ اور امام عسکریؑ کی زیارت کی اس کے بعد اپنے آباؤاجداد خلفاء عباسی کے مقبرہ پر گیا جو کہ ایک ویران تباہ شدہ محل میں واقع تھا ان پر بارش کا پانی برستا تھا اور پرندوں نے ان پر فضلہ کر کے انہیں گندہ کر دیا تھا اس کے ایک ملازم نے اس سے کہا کہ تم لوگ روئے زمین پر خلفاء و دنیا کے سلاطین ہو تمہارے آباؤاجداد کی قبریں اس حالت میں ہیں کہ کوئی ان کی زیارت نہیں کرتا' کوئی ان کو یاد نہیں کرتا اور کوئی ایسا نہیں جو ان قبروں کو پرندوں کے فضلات سے پاک کرے۔ لیکن جیسا کہ تم نے دیکھا علویوں کے مقبرے باپردہ' قندیل' فرش' خدام' شمع' فانوس' عود و عنبر سے مزیّن ہیں۔

مستنصر نے جواب دیا: یہ امر' حکم آسمانی ہے اور ہماری سعی و کوشش کے باوجود امکان پذیر نہیں ہے۔ اگر ہم لوگوں کو اس کام کے لئے کہیں گے تو وہ اسے قبول نہ کریں گے۔

(الانوار البھیہ ص ۱۶۹)

خلیفہ نے سچ کہا ہے۔ جی ہاں۔ نیک نامی' عزت و آبرو' لوگوں کے دلوں کو محبوب ہونا ان لوگوں کے لئے ہے جو حق کی راہ پر زندگی گزراتے ہیں اور حق کی راہ میں دنیا سے چلے گئے ہیں۔

بزرگی مصائب کی پیداوار ہے

تیسرا درس جو قیام کربلا سے سیکھا وہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کی عظمت و

بزرگواری اس کے لئے مصائب کو پیدا کرتی ہے۔ شعرائے یورپ میں سے ایک شاعر کہتا ہے کہ "ایک عظیم مصیبت کے علاوہ کوئی چیز آدمی کو عظیم نہیں بناتی"۔

(الجزائر اور مردان مجاہد۔ حسن صدر ص ۸)

دنیا کے تمام عظیم اور بڑے لوگ پیغمبروں سے لے کر رہبران انقلاب' نجات دہندہ تک اگر دیکھیں تو سب کے سب قید و بند کی صعوبتیں' شکنجے' محرومیت کے مصائب اور زندگی کے نشیب و فراز سے گزر کر ہی قدر و منزلت' عظمت و بزرگواری اور شہرت کے مقام تک پہنچے ہیں اور یہ قانون طبیعت ہے کہ خدا کے توانا ہاتھوں سے تشکیل پایا ہے کہ قرآن کہتا ہے :

"ولن تجدلسنة الله تبديلا "۔

(سورۂ احزاب آیہ ۶۲)

در روزگار سخت پدید آید   فر بزرگواری و سالاری

امام حسینؑ نے حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دنیا میں عالمگیر شہرت پائی ہے اور دنیا آپ کی شجاعت و مردانگی' غیر تمندی اور بہادری کی تعریف کرتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ مشکلات و مصائب سے ہراساں نہوئے اور راہ خدا میں استقامت دکھائی ۔بیان کیا جاتا ہے کہ الجزائر کے مجاہدین میں سے ایک کو محکمہ پولیس نے گرفتار کر لیا اسے پکڑ کر وہ اپنے سربراہ کے پاس لائے۔ رئیس نے اس مجاہد سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ : میرا نام معزی ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ : تم لوگ کیوں فرانسیسیوں کے خلاف لڑ رہے ہو ؟ مجاہد نے جواب دیا کہ : اس لئے کہ حکومت فرانس متجاوز ہے اس نے ہمارے حقوق غصب کئے ہیں۔

سر براہ پولیس نے کہا: ہم سے کیا توقع رکھتے ہو؟

مجاہد بولا: کوئی خاص توقع نہیں رکھتا ہوں۔

اگر تمہیں آزاد کر دیا جائے تو کیا کرو گے۔

مجاہد: میں دوبارہ راہ خدا میں جہاد کے لئے چلا جاؤں گا۔

اگر تمہیں قید کر دیا جائے تو کیا کرو گے؟

وہ بولا کہ: پھر میں قید میں عبادتِ خدا میں مشغول رہوں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ خدا حق کو باطل پر غالب کر دے۔

اگر تمہیں قتل کر دیا جائے؟

مجاہد نے کہا: میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں گا اور اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کروں گا۔

(الجزائر پیروز ص۲۱)

اصل یہ ہے کہ بزرگی و عظمت اور آزادگی اُنہی مردان خدا کے لئے مخصوص ہے جو اس طرح منطق قوی اور شجاعت عالی کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ انسان اگر مشکلات سے خوفزدہ نہ ہو اور خدا کی راہ میں مخلوق خدا کی بھلائی کی خاطر مصائب و شدائد سے بھی پنجہ آزمائی کرے اور فقط کھانے' پینے اور آرام کے خیال میں نہ ہو' مردان حق خصوصاً حریت پسندوں کے سرور و سردار امام حسینؑ سے صبر واستقامت اور عظمت نفس کا درس لے' تو وہ تاریخ کے عظیم فرزندوں میں شامل ہو گا اور روز قیامت خدا کے حضور سرافراز اور چہرۂ پرنور ہو گا۔

کہتے ہیں کہ پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح نے کہا ہے:

''شجاعت کا کوئی بھی نمونہ بلحاظ فداکاری اور بیباکی جو امام حسینؑ نے پیش

کیا اس سے بہتر دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے عقیدہ کے مطابق دنیا کے تمام مسلمانوں کو اس عظیم شہید سے جس نے عراق کی سرزمین پر اپنی قربانی پیش کی درس لینا چاہیے"۔

(کتاب حسین پیشوائے انسانہا، نور دانش مجلہ اور الغری مجلہ سے نقل کیا گیا)

خامس آل عباؑ کی عزاداری

امام حسینؑ کی تعزیہ داری اور ان کے مصائب کا ذکر دنیائے تشیع کا معمول ہے اور اس کا سلسلہ جناب رسول خداؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ جناب رسول خداؐ نے امام حسینؑ کی شہادت سے قبل اور آئمہ اطہارؑ نے اپنے اپنے دور میں عزاداری کا اہتمام اور مصائب امام حسینؑ پر اشک افشانی کی...... ابو المؤید خوارزمی حنفی نے کتاب "السائر الدائر" میں ایک حدیث نقل کی ہے اس کا خلاصہ یوں ہے کہ:

"جب امام حسینؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپکی پہلی سالگرہ کے موقعہ پر ملائکہ جناب رسول خداؐ کے لئے خبر لائے کہ اے محمدؐ! آپ کے اس حسینؑ کو آپ کی امت قتل کردے گی جیسے قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تھا۔ اس واقعہ کو ایک اور سال گزر گیا تو دوسری سالگرہ پر جناب رسولؐ خدا سفر پر تھے۔ اثنائے سفر آپؐ نے توقف فرمایا اور کلمہ استرجاع کی تلاوت کی (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپؐ کی آنکھ میں آنسو بھر آئے، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابھی جبرئیل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ نہر فرات کے کنارے جو زمین ہے جسے کربلا کہا جاتا ہے وہاں میرا بیٹا حسینؑ بن فاطمہؑ قتل کردیا جائے گا۔ لوگوں نے

پوچھا: یارسول اللہ انہیں کون قتل کرے گا۔ فرمایا کہ: "یزید" نام کا آدمی۔ خدا اسکے وجود کو برکت نہ دے۔ آپؐ نے فرمایا: گویا میں مدفن حسینؑ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حسینؑ کا سر یزید کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ خدا کی قسم جو حسینؑ کے سر بریدہ کو دیکھ کر خوش ہوگا اس نے اپنے دل وزبان سے خدا کی مخالفت کی ہے یعنی وہ منافق ہے۔ اس کے بعد جناب رسولخدا(ص) سفر سے واپس تشریف لائے تو نہایت غم واندوہ کی حالت میں تھے۔ آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے خطبہ دیا اور نصیحت فرمائی۔ دوران خطبہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپؐ کے سامنے تشریف فرماتھے۔ آپؐ نے خطبے سے فارغ ہونے کے بعد اپنا دایاں ہاتھ امام حسینؑ کے سر پر رکھا اور آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا: "اے میرے خدا میں محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا پیغمبر ہوں اور یہ میری پاکیزہ ترین عترت اور نیک ذریت ہیں اور میرے فرزند ہیں اور یہی ہیں جنہیں میں اپنے بعد تیری امت کے درمیان چھوڑے جاتا ہوں۔

خدایا جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ بیٹا حسینؑ مقتول اور مخذول کیا جائے گا۔ اس کی شہادت کو میرے لئے باعث برکت بنا اور اسے شہداء کا سردار قرار دے کہ تو ہر چیز سے توانا ہے۔ خدایا اس کے قاتل اور اس کی بے حرمتی کرنے والے سے اپنی برکتوں کو اٹھالے"۔ جناب رسولؐ خدا کی اس گفتگو کو سن کر لوگ بآواز بلند ہائے ہائے کر کے روئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ آج رو رہے ہو لیکن کل تم اس کی مدد نہ کرو گے"۔

(سیرتنا وسنتنا۔ تالیف علامہ امینی ص ۴۶-۷ ۴ نقل از کتاب السائر والدائر ج ا ص ۱۶۳ تالیف ابوالمؤید خوارزمی حنفی)

جناب رسولؐ خدا کی حیات پاک میں خود حضور کے خانۂ اقدس میں حضرت علیؑ کے گھر میں، جناب ام سلمہ، جناب عائشہ، جناب زینب بنت جحش اور صحابہ کرام کے اجتماع میں ایسی مرثیہ خوانی اور مصائب امام حسینؑ کے تذکرے کی بہت سی مثالیں معتبر روایات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ علامۂ مجاہد عبدالحسین امینی صاحب الغدیر کی کتاب "سیرتنا وسنتنا سیرۃ وسنۃ نبینا" کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح علامہ مجلسی کی کتاب "بحارالانوار" اور محدث قمی کی "نفس المہموم" نیز دیگر بہت سی کتابوں میں عزاداری و مرثیہ خوانی امام حسینؑ کے متعلق کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ ان اسناد کی طرف رجوع کرنے سے کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ خامس آل عباؑ کے مصائب پر مرثیہ خوانی اور گریہ کی بنیاد بتوسط حضرت رسولؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام رکھی گئی ہے۔

مؤلف کا عقیدہ ہے کہ مجالس عزا کا انعقاد اور روز عاشورا مومنین کے اجتماع حضرات معصومین کی ولادت اور شہادتوں پر مجالس کا اہتمام دنیائے تشیع کے لئے ایک وجہ افتخار ہے۔ ان مجالس سے ہم بہت سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً تہذیب اخلاق، آئمہؑ کی طرز زندگی سے آشنائی، ایمان کی تقویت، کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت، دین کی ترویج و تبلیغ اور ہر طرح کے شک و شبہات کا خاتمہ، امور خیر کی بنیاد رکھنا وغیرہ وغیرہ......

یہ نہایت بے انصافی ہے کہ ایک گروہ اس طرح کی مجالس پر پاک نظر اور تقدس کی نگاہ نہیں ڈالتا اور ان مجالس کو معمولی اور غیر اہم ملاقات سمجھتا ہے۔ جی ہاں عزاداری اباعبداللہؑ اور آنحضرت کے مصائب اور قیام کا تذکرہ تبلیغ دین اور

تہذیب اخلاق کا بہترین وسیلہ ہے۔ لوگوں میں مظلوموں کی حمایت اور ستمگاروں سے نفرت کی روح کو زندہ کرتا ہے۔ ان کا انعقاد جنایت کاروں کی پشت کو لرزا دیتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان مجالس سے کامل استفادہ نہیں کیا جاتا۔

اس عزاداری سے فائدہ حاصل کرنے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے مبلغین دانش مند، فکر کی دولت سے مالامال ہوں، حالات حاضرہ سے واقفیت رکھنے والے، ماہرین نفسیات اور افکار کی ہدایت کے طرز سے آشنا ہوں۔ جو کہ دین اسلام کے حقائق کو کھول کر بیان کرنے والے ہوں اور ان تمام افسانوں اور کہانیوں کو دور پھینکیں جنہوں نے اسلام کے بعض نورانی اور تابناک افکار کو تاریک قبروں کی طرح اپنے اندر لے لیا ہے اور ملت اسلامیہ ان کے نور سے محروم ہے۔ انہیں چاہئے کہ ان افکار کو واضح و روشن کریں۔ مبلغین کو چاہئے کہ وہ ابا عبداللہ الحسینؑ کے قیام کے فلسفہ کو بیان کریں۔ اسی طرح ایسے مطالب اور گفتگو سے پرہیز کریں جسمیں فقط مبالغہ آرائی ہو، لوگوں کے دلوں میں باطل اور بے حقیقت مطالب نہ ڈالیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ روز عاشورا ایک کہنے والا بالائے منبر کہہ رہا تھا کہ اے لوگو مبارک ہو کہ تمہارے امامؑ نے اس روز اکیلے کوفیوں کے دس ہزار افرد کو قتل کیا۔ اس کی غرض امام کی شجاعت، ثابت قدمی اور سننے والوں کی تشفی قلب تھی۔ جبکہ بدیہی ہے کہ اگر دس ہزار افراد کے ہاتھ باندھ کر ایک صف میں اس طرح کھڑا کر دیا جائے کہ وہ اپنے مقام سے ذرا بھی حرکت نہ کریں اور ایک شخص انہیں قتل کرنے میں مشغول ہو جائے تو دن بھر میں ایک ہزار افراد کو قتل کر سکے گا اور اس طرح دس ہزار افراد کو قتل کرنے کے لئے دس دن چاہئے جبکہ امامؑ کے

جنگ کرنے اور شہید ہو جانے میں شاید ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا ہوگا۔ اس صورت میں کیسے ممکن ہے کہ ان بزرگوار نے اس زمانے کے اسلحہ کے ساتھ ایک گھنٹے میں دس ہزار نفر کو قتل کیا ہو۔

لوگوں کی طرف سے تنقید کی ایک وجہ اس طرح کے مبالغہ آمیز بیانات ہیں۔ اگر مجالس میں قابل قبول اور سود مند مطالب قرآن اور روایات آئمہ اطہار علیہم السلام اور دین کے رہبروں کی زندگیوں سے حاصل کر کے لوگوں کو بتائیں تو مسلمان استقبال کرینگے اور ان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ مبلغین کے لئے لازم ہے کہ وہ زحمت اٹھائیں اور صحیح اخلاقی، اجتماعی، علمی اور تاریخی مطالب کو معتبر کتب سے حاصل کریں اور انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مذہبی مقررین کے انتخاب میں دقت نظر سے کام لیں اور ہمیشہ دانشمند، متقی مقررین سے استفادہ کریں۔

افسانہ تراشیوں اور مبالغہ آمیز باتوں کے لئے ایک عرب کا قول ہے کہ "اعذبہ اکذبہ" کسی کا شیریں ترین سخن اس کا سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔ انتہائی مضر اور بدبختی ہے کہ غلط اور مبالغہ آمیز گفتگو کہنے اور سننے والے دونوں کے لئے پسندیدہ ہوں اور لوگ ایسی ہی باتیں کہنا اور سننا اپنا مشغلہ بنالیں اور اس طرح اصلی مقصد و ہدف ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھول کی تعریف و توصیف میں یہی کافی ہے کہ اسے نمائش کی جگہ رکھ دیں۔ اسی طرح دین کی ترویج کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن کے مطالب اور معصومین کی احادیث کو صحیح اور معتبر اسناد سے نقل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

شیعوں کے شہروں میں عزاداری امام حسینؑ کے سلسلے میں عورتیں ہزاروں

مجالس عزا برپا کرتی ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اکثر ان مجالس میں شامل خواتین فقط نوحہ کے چند اشعار کی پذیرائی کرتی ہیں جبکہ یہ مجالس امام حسینؑ کی برکت سے تشکیل پاتی ہیں۔ تو ان کے وسیلہ سے خواتین کے لئے آئین شوہر داری، عفت، خوف خدا، پاکدامنی، تقویٰ وغیرہ کے دروس دیئے جاسکتے ہیں۔

مراجع تقلید اور روشن و بیدار ذہن مسلمانوں کی اساسی اور بنیادی ذمہ داری مبلّغ کی تربیت ہے۔ اگر ہر شہر میں چند نفر ایسے مبلغ ہوں جو دانشمند مبلغ اور مسائل دینی نیز مسائل روزگار سے آشنا ہوں، جو اخلاق عمومی کی اصلاح میں پیش رفت کریں اور عملی دین کا ہدف حاصل کرسکیں۔

مبلغین اسلامی کے لئے لازم ہے کہ خدا کو ہمیشہ نظر میں رکھیں، ہمیشہ خلق کی ہدایت اور جامعہ کے اخلاق کی اصلاح کی فکر میں رہیں، بدکاروں کی مدح سرائی سے اجتناب برتیں، اور ظالموں کی مرضی و پسند سے دین میں تحریف و تاویل سے پرہیز کریں اور مطالب حق کو ہر جگہ اور ہر ایک سے بیان کریں۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ایک دن مشہور واعظ ابن سماک کو بلایا جب وہ آیا تو اس سے کہا: مجھے نصیحت کرو، واعظ نے کہا: اے امیر المومنین خدائے یگانہ سے بچو اور اس سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو اور جان لو کہ کل اس کے حضور پیش ہونا ہے پھر ان دو مقاموں کے علاوہ تیسرا کوئی مقام نہیں یا جنت یا دوزخ۔

ہارون الرشید اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ اس وقت فضل بن ربیع نے جو کہ ہارون کا حاجب تھا واعظ سے شکایت آمیز لہجے میں کہا سبحان اللہ کیا تجھے شک ہے کہ انشاء اللہ امیر المومنین حقوق اللہ کی ادائیگی اور بندگان خدا کے درمیان عدل کرنے کے واسطہ سے جنت میں داخل ہوں گے؟ واعظ نے رشید کی طرف

رخ کر کے اور فضل کی طرف اشارہ کر کے کہا خدا کی قسم فضل اس دن تمہارے ساتھ نہ ہو گا پس خدا سے ڈرو اور اپنی فکر کرو۔

(نقش وعاظ در اسلام ص ۳۸)

فضل بن ربیع چاہتا تھا کہ اس طرح گفتگو کر کے وہ ہارون الرشید کا دل جیت لے اور اس کے نزدیک زیادہ مقرب ہو جائے۔ اسے اس بات کا خوف نہ تھا کہ اپنی اس گفتگو سے وہ شاہ کی اس خود پسندی کے احساس کو اور بڑھا دے گا اور اسے اپنی ذمہ داری اور خدا کے خوف سے دور کر دے گا۔ اس نے اپنی بات سے یہ تاثر دینا چاہا کہ بادشاہ نے کبھی بھی حقوق خدا اور لوگوں کے درمیان عدل سے کوتاہی نہیں کی ہے۔

رسول خدا (ص) سے روایت ہے کہ :

"اذامدح الفاجر اهتزّالعرش وغضب الرب"۔

"جب بدکار کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش لرز جاتا ہے اور خدا غضبناک ہوتا ہے"۔ (سفینۃ البحار، مادہ مدح))

امام حسینؑ کے ارشادات سے انتخاب

بعید از انصاف ہوگا کہ ہم کتاب کے آخر میں امام حسینؑ کے ولولہ انگیز ارشادات عالیہ کو نقل نہ کریں۔ وہ ارشادات جو امام کی عظیم شخصیت کے چشمے سے ابل کر آپ کی حق گو زبان پر جاری ہوئے کیا اسرار لئے ہوئے ہیں، دیکھیں گے کہ نرمی کہ جگہ نرمی اور درشتی کہ جگہ درشتی ظاہر کی۔ آپؑ نے تصنع سے دور اور کامل بے تکلفی سے ادا کئے ہیں مثلاً :

(۱) "ان الله یهب النفوس الشریفه لعباده احتمال المکاره واعلموا ان الدنیا حلوها ومرها حلم، والانتباه فی الآخرة"۔

"خداوند اپنے بندوں کو عظیم اور شریف روحوں سے مزین کرتا ہے تاکہ وہ مصائب و مشکلات میں پائیداری کریں۔ جان لو کہ دنیا کی شیرینی اور تلخیاں خواب پریشان کی مانند ہیں حقیقی بیداری تو آخرت میں ہے"۔

(زندگانی روحانی امام حسینؑ تالیف ابو عبداللہ زنجانی ص ۵۶) سفینۃ البحار)

امام حسینؑ نے یہ جملہ کربلا میں اپنے ساتھیوں کے سامنے فرمایا اور اس کی

مثال حضرت علیؑ کا یہ فرمان ہے "الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا"۔

(الفصول المهمه ابن صباغ ص۱۰۹)

(۲) "من هو ان الدنيا على الله ان رأس يحيىٰ بن زكريا اهدى الى بغى من بغايا بنى اسرائيل"۔

"خدا کے نزدیک دنیا کی خواری وذلت کا ثبوت یہ تھا کہ یحییٰ بن زکریا کا سر بنی اسرائیل کے زناکاروں کے لئے ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا"

(ارشاد مفیدؒ ۲۳۶)

امام سجادؑ فرماتے ہیں کہ کربلا کے سفر میں تمام منازل کوفہ ومکہ میں میرے والد یحییٰ بن زکریا کو یاد کرتے رہے اور ایک دن یہ جملہ ارشاد فرمایا: من هوان الدنيا ......

(۳) ان هؤلاء قوم لز مواطاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن واظهروا الفساد فى الارض وابطلوا الحدود و شربوا الخمور واستاثروا فى اموال الفقراء والمساكين، وانا اولى من قام بنصرة دين الله واعزاز شرعة والجهاد فى سبيله لتكون كلمة الله هى العليا"۔

"یہ یزید اور اس کے حامی وہ افراد ہیں جنہوں نے شیطان کی پیروی کو اپنا وطیرہ بنالیا ہے اور خدا کی اطاعت سے دور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے روئے زمین پر تباہی کو پھیلایا ہے اور حدود الٰہی کو معطل کیا ہے یہ لوگ شراب پیتے ہیں۔ فقراء اور کمزور وناتوان لوگوں کے اموال کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔ میں (حسینؑ بن علیؑ) سب سے زیادہ شائستہ ہستی ہوں کہ جس نے دین خدا کی مدد کرنے، شریعت الٰہی کو عزت بخشنے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے

لئے قیام کیا ہے تا کہ کلمہ الٰہی اوج ورفعت پائے"۔

(تذکرۃ سبط ابن جوزی ص ۳۸ اباب ۹)

(٤) "واللّٰه لولم يكن فى الدنيا ملجاء ولامأوى لما بايعت يزيد بن معاويه"۔

"خدا کی قسم اگر ساری دنیا میں میرے لئے کوئی سہارا اور جائے پناہ نہ ہو تو بھی میں یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا"۔(نفس المہموم ص ۳۷)

(٥) "يا شيعة آل ابى سفيان ان لم يكن لكم دين و كنتم لا تخافون المعاد فكونوا احراراً فى دنياكم"۔

"اے شیعۃ آل ابی سفیان اگر دین نہیں رکھتے اور روز قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تو کم از کم دنیا میں آزاد مردوں کی طرح تو رہو"۔(نفس المہموم ص ۱۸۸)

گر شمارا ابجہان دینی و آئینی نیست

لا اقل مردم آزادہ بہ دنیا باشید

(٦) "ان الله قد اذن فى قتلكم اليوم وقتلى وعليكم بالصبر والجهاد"۔

"خدا نے آج کے دن میری اور تمہاری شہادت کی اجازت دی ہے ثابت قدمی سے جہاد کرو"۔(اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۱۲۶)

(٧) "موت فى عز خير من حياة فى ذل"۔

""عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے"۔

(بحار ج ۴۴ ص ۱۹۲ اط جدید)

(٨) "انى لاارىٰ الموت الا سعادة ولا الحياة مع الظالمين الابرما"۔

"میں ان حالات میں جو میرے لئے پیش آئے ہیں موت کو سعادت

جانتا ہوں اور ستمگاروں کے ساتھ زندگی کو سوائے دل گرفتگی اور افسردگی کے کچھ نہیں سمجھتا"۔ (تحف العقول ص ۲۴۵ ط جدید)

(۹) "صبراً بنی الکرام فی الموت الا قنطرة تعبربکم عن البؤس والضراء الی الجنان الواسعة والنعیم الدائمة فایکم یکره ان ینتقل من سجن الی قصر ؟ وما هولا عدائکم الا کمن ینتقل من قصر الی سجن و عذاب' ان ابی حدثنی عن رسول الله صلی الله علیه وآله :ان الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر والموت جسر هولاء الی جنانهم وجسر هؤلاء الی جحیم؛ ما کذبت ولا کذبت "۔

"روز عاشورا انصار حسینی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ موت سے بالکل خوف زدہ نہ ہونا۔ امامؑ نے ان سے فرمایا اے صاحبان عزت کے فرزندو ثابت قدم رہو موت فقط ایک پل ہے جو تمہیں دنیا کے خوف اور ضرر سے وسیع بہشت اور دائمی نعمات کی طرف عبور کراتی ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس پر ناخوش ہوگا کہ اسے قید خانے سے محل میں منتقل کردیا جائے ۔ اور تمہارے دشمنوں کے لئے یہ موت وہ پل ہے جو انہیں محل سے زندان میں منتقل کردے گا۔ میرے بابا نے جناب رسول خداؐ کی ایک حدیث سنائی۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے بہشت ہے۔ موت میرے ساتھیوں اور پیروکاروں کے لئے وہ پل ہے جو انہیں جنت کی طرف اور میرے دشمنوں کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ میں نے جھوٹ نہیں کہا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے۔"

(بحار ج ۴۴ ص ۱۹۲ ط جدید)

(۱۰)"اى بنى !اياك وظلم من لا يجد عليك ناصراً الا الله عزوجل "۔

"آپؑ نے اپنے بیٹے امام سجادؑ سے فرمایا کہ اس پر ظلم کرنے سے باز رہو جس کا سوائے خدا کوئی سہارا نہ ہو"۔(تحف العقول ص ۲۴۶)

(۱۱)"ارجع اليهم فان استطعت ان تؤخرهم الى غدوتدفعهم عنا العشية لعنا نصلى لربنا الليلة وندعوه و تستغفره، فهو يعلم انى كنت قد احب الصلاة له و تلاوة كتابه و كثرة الدعاء والا ستغفار"۔

"امامؑ نے نو محرم کے روز اپنے بھائی عباسؑ سے فرمایا تم ان کی طرف جاؤ اور اگر ہو سکے تو کل صبح تک ان سے مہلت چاہو اور آج کی رات ہم کو ان کے شر سے دفع کرو تا کہ آج کی رات نماز پڑھیں، دعا اور استغفار کریں کیونکہ خداوند عالم جانتا ہے کہ میں ہمیشہ سے نماز و تلاوت قرآن اور بہت زیادہ دعا کو عزیز رکھتا ہوں"۔(ارشاد ص ۲۱۳)

(۱۲)"لايأمن يوم القيامة الا من خاف الله فى الدنيا "۔

"روز قیامت کوئی امن میں نہ ہو گا سوائے اسکے جو دنیا میں خدا سے ڈرتا ہے"

(بحار ج ۴۴ ص ۱۹۲ ط جدید)

(۱۳)"اللهم لا تستدرجنى بالاحسان ولا تؤدبنى بالبلاء"۔

(المحجۃ البیضاء ج ۴ ص ۲۲۷ ط جدید)

"خدایا مجھے اپنے احسانات میں بتدریج گرفتار نہ فرما اور پھر اس پر تادیب میں گرفتار نہ فرما۔ تحف العقول میں امامؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا استدراج کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے بندے کو وسعت اور نعمت تو دے لیکن اس سے توفیق شکر گزاری سلب کرے"۔(تحف العقول ص ۲۴۶)

(١٤)"اياك وما تعتذر منه فان المؤمن لا يسئى ولا يعتذر والمنافق كل يوم يسيئى ويعتذر"۔

"اس عمل سے پرہیز اختیار کرو جس پر تمہیں معذرت کرنا پڑے کیونکہ مومن ایسا کام نہیں کرتا جس پر اسے معذرت کرنا پڑے اور منافق ہر روز برے کام انجام دیتا ہے اور پھر معذرت کرتا ہے"۔ (تحف العقول ص ۲۴۸)

خطبات و خطوط

بعض خطبات اور خطوط جن کا ترجمہ اس کتاب میں آیا ہے چونکہ کافی اہمیت رکھتے ہیں انکا عربی متن جیسا کہ وعدہ کیا تھا کتاب کے اختتام پر ان کے ذرائع کے حوالے کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

انجمن مکۂ معظّمہ میں امام حسینؑ کا خطاب :

"ثم انتم ایتهاالعصابة عصابة بالعلم مشهورة ؛ وبالخير مذكورة و بالنصيحة معروفة' وبالله فى انفس الناس مهابة 'يهابكم الشريف ويكرمكم الضعيف 'ويؤثركم من لافضل لكم عليه ' ولا يدلكم عنده 'تشفعون فى الحوائج اذا امتنعت من طلابها وتمشون فى الطريق بهيبة الملوك و كرامة الاكابر 'اليس كل ذلك؟ انما نلتموه بما يرجى عندكم من القيام بحق الله ' وان كنتم عن اكثر حقه تقصرون ' فاسخفتم بحق الائمة.

فاما حق الضعفاء قصيعتم 'اما حقكم بزعمكم فطلبتم ' فلا مالا بذلتموه ولا نفساخاطر ثم بهاللذى خلقها ولا عشيرة عاديتموها فى ذات الله 'انتم تتمنون على انله جنة ومجاورة رسله واماناً من

عذابه' لقد خشیت علیکم ایها المتمنّون علی اللّٰه ان تحل بکم نقمة من نقمانه لانکم بلغتم من کرامة الله منزلة فضلتم بها ومن یعرف بالله لا تکرمون وانتم بالله فی عباده تکرمون .

وقدترون عهودالله منقوضة 'فلا تفزعون وانتم لبعض ذمم آبائکم تفزعون! وذمة رسول الله محقورة؛ والعمی والبکم والزمن فی المدائن مهملة لا ترحمون ولا فی منزلتکم تعملون ولا من عمل فیها تعنون (تعینون نخ) وبالادهان والمصانعة عندالظلمة تأ منون' کل ذلک مما امرکم الله به من النهی والتناهی وانتم عنه غافلون 'وانتم اعظم الناس مصیبة لماغلبتم علیه من منازل العلماء لو کنتم تسعون' ذلک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء بالله والامناء علی حلاله وحرامه فانتم المسلوبون تلک المنزلة وماسلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق والختلافکم فی السنة بعد البینة الواضحة 'ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم ' المؤنة فی ذات الله کانت امور الله علیکم تردوعنکم تصدر والیکم ترجع ولکنکم مکنتم الظلمة من منزلتکم واستسلمتم امور الله فی ایدیهم ؛یعملون بالشبهات ویسیرون فی الشهوات سلطهم علی ذلک فرارکم من الموت واعجابکم بالحیوة التی هم مفارقتکم ؛فاسلمتم الضعفاء فی ایدیهم فمن بین مستبعد مقهور وبین مستضعف علی معیشته مغلوب ' یتقلبون فی الملک بآرائهم ویستشعرون الخزی باهوائهم اقتداءاً بالاشرار جرأة علی الجبار.

فی کل بلدمنهم علی منبره خطیب یصقع، فالارض لهم شاغرة وایدیهم فیها مبسوطة والناس لهم خول 'لا یدفعون یدلامس' فمن بین جبار عنید وذی سطوة علی الضعفة شدید' مطاع لا یعرف المبدئ المعید فیا عجبا و مالی (لا) اعجب والارض من غاش غشوم' ومتصدق ظلوم ' وعامل علی المؤمنین بهم غیر رحیم؛ فالله الحاکم فیما فیه تنازعنا والقاضی بحکمه فیما شجر بیننا.

اللهم انك تعلم انه لم یکن ماکان منّا 'تنافساً من سلطان ولا التماساً من فصول الحطام' ولکن لنری المعالم من دینك ونظهر الاصلاح فی بلاؤك ویأمن المظلومون من عبادك ویعمل بفرائضك وسنتك واحکامك فانکم تنصرونا وتنصفونا قوی الظلمة علیکم وعملوا فی اطفاء نورنبیکم وحسبنا الله وعلیه توکلنا والیه انبنا والیه المصیر"۔

(تحف العقول ص ۲۳۷۔۲۳۹ ط جدید)

معاویہ کے نام امام حسینؑ کا خط :

"اما بعد فقد جائنی کتابك تذکر فیه انه قد انتهت الیك عنی اموراً لم تکن تظنی بها رغبة بی عنها' وان الحسنات لا یهدی لها ولا یسدد الیها احد الا الله تعالیٰ واما ما ذکرت انه رقی الیك عنی؛ فانما قاء الملاقون' المشاؤن بالنمیمة؛ المفرقون بین الجمع وکذب الغاوون المارقون ماارادت حربا ولا خلاقا وانی لاخشی

الله فی ترک ذلک منک ومن حزبک القاسطین المحلین حزب الظالم واعوان الشیطان الرجیم .

الست قاتل حجر واصحابه؟ العابدین المخبتین الذین کانوا یستفظعون البدع ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر فقتلتهم ظلما و عدواناً من بعد ما اعطیتهم المواثیق الغلیظة والعهود المؤکدة ،جرأة علی الله واستخفافاً بعهده ولست بقاتل عمروبن الحمق؟ الذی اخلقت وابلت وجهه العبادة فقتلته من بعد ما اعطیته من العهود مالوفهمته العصم؟ نزلت من شعف الجبال اولست المدعی زیاداً فی الاسلام فزعمت انه ابن ابی سفیان وقد قضی رسول الله (ص) ان الولد "للفراش وللعاهر الحجر" ثم سلطته علی اهل الاسلام یقتلهم ویقطع ایدیهم و ارجلهم من خلاف ویصلبهم علی جذوع النخل سبحان الله یامعاویة لکانک لست من هذه الامة ولیسوا منک.

اولست قاتل الحضرمی؟ الذی کتب الیک فیه زیادانه علی دین علیؑ کرم الله وجهه ودین علی هو دین ابن عمه صلی الله علیه وسلم الذی اجلسک مجلسک الذی انت فیه ،ولو لا ذلک کان افضل شرفک وشرف آبائک تجشم الرحلتین: رحلة الشتاء ، والصیف ،فوضعها الله عنکم بنا؛ منة علیکم، وقلت فیما قلت :لا ترد هذه الامة فی فتنة وانی لا اعلم لها فتنة اعظم من امارتک علیها وقلت فیما قلت:

انظر لنفسک ولدینک ولامة محمدوانی والله ما اعرف افضل من

جهادك فان افعل فانه قربة الى ربى وان لم افعله فاستغفرالله لدينى واسئله التوفيق لما يحب ويرضى؛ وقلت فيما قلت: متى تكدنى اكدك‘ فكدنى يا معاوية !فيما بذالك فلعمرى !القديما يكيد الصالحون وانى لارجوان لا تضر الانفسك ولاتمحق الا عملك فكدنى ما بدالك.

واتق الله يا معاوية !واعلم ان لله كتابا لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاهاواعلم ان الله ليس بناس لك قتلك بالظنة ‘واخذك بالتهمة وامارتك صبياً يشرب الشراب‘ ويلعب بالكلاب ‘ماارك الا وقد او بقت نفسك واهلكت دينك واضعت الرعية والسلام“۔(الامامہ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۸۰۔۱۸۱)

منزل ذی حسم پروشنع روز کے بارے میں امام حسینؑ کا خطبہ

”ان هذه الدنيا قد تغيرت وتنكرت وادبر معروفها فلم يبق منها الا صبابة كصبابة الاناء وخسيس عيش كالمرعى الوبيل الا ترون ان الحق لا يعمل به وان الباطل لا ينتهى عنه ليرغب المؤمن فى لقاء الله محقافانى لا ارى الموت الاسعادة ولا الحياة مع الظالمين الا برماً‘ ان الناس عبيدالدنيا والدين لعق على السنتهم ؛ يحوطونه مادرت معايشهم فاذا محصوا بالبلاء قلت الديانون“۔

(تحف العقول ص ۲۴۵۔ تاریخ طبری وغیرہ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ درج ہوا ہے)۔

روز عاشور اامام حسینؑ کا خطبہ

”......تباً لكم ايتها الجماعة وترحاً لحين استصرختمونا والهين

فاصرخناکم موجفین ، سللتم علینا سیفاً لنا فی ایمانکم وحششتم علینا ناراً افقد حناها علی عدونا وعدوکم، فاصبحتم الباً لاعدائکم علی اولیائکم بغیر عدل افشوه فیکم ولا امل اصبح دابة الا هواخذ بناصیتها ان ربی علی صراط مستقیم"۔

(لهوف ص ۵۷۔ ۵۹ ایک ایسا ہی خطبہ تحف العقول میں صفحہ ۲۴۰ پر نقل ہوا ہے۔ نفس المهموم میں لهوف سے اس کو نقل کیا ہے)

کوفہ میں امام چہارم (ع) کا خطبہ :

"......انا بن الحسین بن علی بن ابیطالب ؑ ،انا بن من انتهکت حرمته وسلبت نعمته، وانتهت ماله وسبی عیاله، انا بن المذبوح بشط الفرات من غیر دخل ولا تراث انا بن من قتل صبراً وکفی بذلك فخرا ایها الناس !فانشدتکم بالله هل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخدعتموه واعطیتموه من انفسکم العهد و المیثاق والبیعة وقاتلتموه فتباً لم قدمتم لانفسکم وسوءة لرأیکم بایة عین تنظرون الی رسول الله (ص) اذ یقول لکم قتلتم عترتی وانتهکتم حرمتی فلستم من امتی.

(قال الراوی فارتفعت الاصوات من کل ناحیة ویقول بعضهم لبعض هلکتم :ما تعملون فقال علیه السلام: رحم الله امراءاً قبل نصیحتی وحفظ وصیتی فی الله ورسوله واهل بیته فان لنا فی رسول الله (ص) اسوة حسنه.

فقالوا باجمعهم :نحن کلنا یابن رسول الله سامعون مطیعون ،

حافظون لذمامك؛ غیر زاهدین فیك ولا راغبین عنك فمرنا بامرك یرحمك الله فانا حرب لحربك وسلم لسلمك لنا خذن یزید لعنه الله ونبرأ ممن ظلمك فقال (ع) هیهات هیهات ایها الغدرة المكرة حیل بینكم وبین شهوات انفسكم ' اتریدون انا تأتوا الی لكم فیهم ' فهلا لكم الویلات تركتمونا والسیف مشیم والجاش طامن والرأی لما یستحصف؛ ولكن اسرعتم الیها كطیرة الدبا و تداعیتم الیها كتهافت الفراش فسحقاً لكم یاعبید الامة وشدان الاحزاب 'ونبذة الكتاب ومحرفی الكلم وعصبة الاثام ونفثة الشیطان ومطفی ء السنن اهؤلاء تعضدون وعنا تتخاذلون.

اجل ! والله عذرفیكم قدیم وشجت الیه اصولكم وتأزرت علیه فروعكم 'وكنتم اخبث ثمر شجی للناظر واكلة للغاصب 'الا وان الدعی بن الدعی قد ركز بین اثنتین بین السلة والذلة وهیهات منا! لذلة 'یأبی الله ذلك لنا ورسوله والمومنون وحجور طابت و طهرات وانوف حمیة ونفوس ابیة من ان تؤثر طاعة اللئام علی مصارع الكرام الاوانی زاحف بهذه الاسرة مع قلة العدد وخذلة الناصر ثم اوصل كلامه بابیات فروة بن مسیك المرادی ......

فان نهزم فهزامون قدماً   وان نغلب فغیر مغلبینا

ومااِن طبنا جبن ولكن   منا یانا؛ ودولة آخرینا

اذا ما الموت رفع عن اناس   كلاله اناخ باخرینا

فافنی ذلكم سرواة قومی   كما افنی القرون الا ولینا

فلو خلد الملوك اذاً خلدنا   ولوبقی الكرام اذاً بقینا

فقل للشامتین بنا افیقوا　　　سیلقی الشامتون کما لقینا

ثم ایم الله لا تلبثون بعدها الا کریث ما یرکب الفرس حتی تدور بکم دور الرحی وتقلق بکم قلق المحور ' عهد عهده الی ابی عن جدی فاجمعوا امرکم وشرکائکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ثم اقضوا الی ولا تنظرون انی توکلت علی الله ربی وربکم مامن کما اتیتم الی آبائی من قبل ورب الراقصات فان الجرح لما یندمل .

قتل ابی صلوات الله علیه بالامس واهل بیته معه ولم ینسی ثکل رسول الله وثکل ابی وبنی ابی وجده بین لهاتی ومرارته بین حناجری وحلقی' وغصصه تجری فی فراش صدری ومسئلتی ان تکونوا لا لنا ولا علینا ثم قال:

لاغروان قتل الحسین وشیخه　　　قد کان خیرا من حسین واکرما

فلا تفرحوا یا اهل کوفان بالذی　　　اصیب حسین کان ذلک اعظما

قتیل 'بشط النهر روحی فدائه　　　جزاء الذی اراده نارجهنما

ثم قال رضینا منکم رأساً براس فلا یوم لنا ولا یوم عاینا"۔

(لہوف ص ۹۳۔۹۴)

سید علی اکبر قرشی

قیام و شخصیت حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ سے متعلق گرانقدر مطبوعات

قیام عاشورا	امام خمینیؒ	
مجالس امام حسینؑ	آیۃ اللہ العظمی شیخ جعفر شوستری	
فلسفہ عزاداری و قیام امام حسینؑ	آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای	
رسالہ خواص	آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای	
مقتل بحر العلوم	آیۃ اللہ العظمی سید محمد تقی بحر العلوم	زیر طبع
قیام امام حسینؑ اجتماعی اور سیاسی تجزیہ	آیۃ اللہ العظمی سید محمد حسین فضل اللہ	
حسین شناسی	آیۃ اللہ محمد یزدی	
آداب اہل منبر	آیۃ العظمی مرزا حسین	
انقلاب حسینؑ	آیۃ اللہ مہدی شمس الدین	
حماسہ حسینی	استاد شہید مرتضی مطہریؒ	
حسین مرد مافوق بشر	سید علی اکبر قرشی	
معجم کتب و مولفین مقالات و مقالہ نگاران قیام امام حسینؑ	سید علی شرف الدین موسوی	
عزاداری کیوں	سید علی شرف الدین موسوی	
قیام امام حسینؑ کا جغرافیائی جائزہ	سید علی شرف الدین موسوی	
اصول عزاداری	سید علی شرف الدین موسوی	
تفسیر عاشورا	سید علی شرف الدین موسوی	
مثالی عزاداری	سید علی شرف الدین موسوی	
اسرار قیام امام حسینؑ اور ہماری ذمہ داریاں	سید علی شرف الدین موسوی	
تاریخ امام حسینؑ	بقلم محقق علامہ ہاشم معروف حسنی	
صحیفہ کربلا	حجتہ الاسلام والمسلمین علی نظری منفرد	
قیام امام حسینؑ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	تنظیم و ترتیب دار الثقافتہ الاسلامیۃ	
حیات امام حسینؑ	محمد باقر شریف قریشی	
امام حسینؑ اور انکا قیام	اسد حیدر	
فکر حسین کی الف بے	محمد رضا صالحی کرمانی	
زندگانی حضرت امام حسینؑ	رسول محلاتی	
حیاۃ معصومینؑ (مکمل سیٹ)	مؤسسہ البلاغ	
صدائے حضرت سجاد	محمد یوسف	
تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ	خالد صریری	
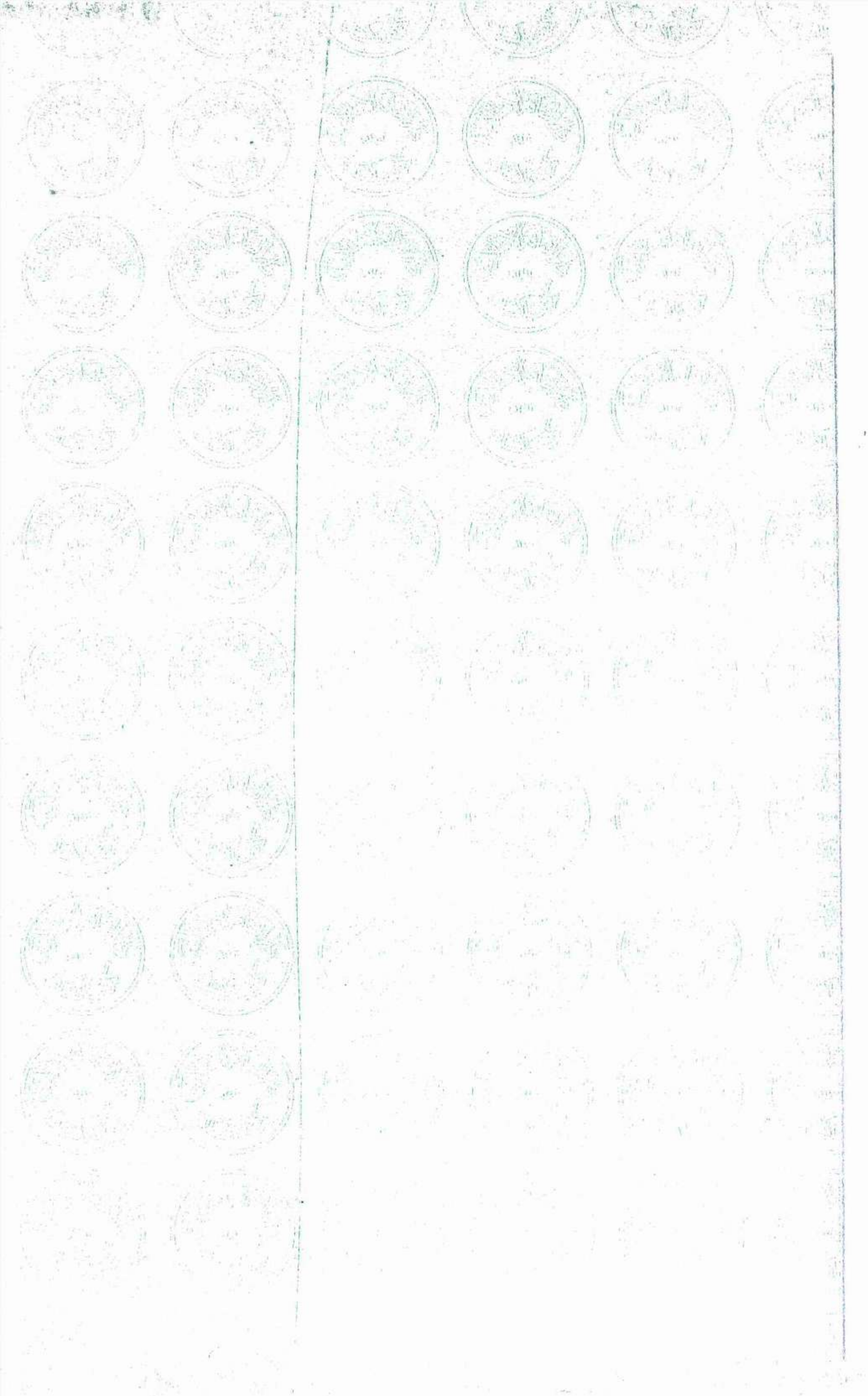
واقعہ کربلا اور حسینی تحریک کے مختلف پہلوؤں پر ہماری مطبوعات